پروفیسر ثریا حسین

گارساں دتاسی

اُردو خدمات، علمی کارنامے

اتر پردیش اردو اکادمی

سلسلۂ مطبوعات: ۱۶۹

گارسیں دتاسی

اُردو خدمات، علمی کارنامے

پروفیسر ثریّا حسین

اُترپردیش اُردو اکادمی لکھنؤ

گارسیں دتاسی

اردو خدمات، علمی کارنامے

پروفیسر ثریا حسین

سنہ اشاعت ۱۹۸۴
تعداد ۱۰۰۰
قیمت تیس ۳۰ روپے

سرورق:
اظہر

ستیش چندر سریواستو، سکریٹری اتر پردیش اردو اکادمی نے میسرس کلاسیکل پرنٹرس، چاوڑی بازار، دہلی سے چھپوا کر اکادمی کے دفتر بلہرہ ہاؤس، قیصر باغ، لکھنؤ سے شائع کی۔

گارسیں دتاسی

اُردُو خدمات، علمی کارنامے

انتساب

پروفیسر لوئی رینو اور
پروفیسر ژاں فلیوزا کی یاد میں
جنھوں نے فرانس میں ہند شناسی
کی روایت کو منوّر کیا۔

مصنّف کے بارے میں

نام : ثریا حسین (پروفیسر و صدر شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)

وطن: نہٹور ضلع بجنور (یو۔ پی)

تعلیم: ایم۔ اے۔ (اردو)، ایم۔ اے (فارسی)
بی۔ ایڈ۔ ایل ایل بی (مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ)
ڈاکٹر آف لٹریچر (سوربون یونیورسٹی، پیرس)

قیام: "پھول بن"، خواجہ عبدالمجید روڈ، علی گڑھ

تصانیف: ۱۔ گارسین دتاسی۔ حیات اور اس کی تصانیف کا تنقیدی تجزیہ
(بزبان فرانسیسی) (سنہ ۱۹۶۲ء)
۲۔ جمالیات اور ادب (سنہ ۱۹۷۹ء)
۳۔ جمالیاتِ شرق و غرب (سنہ ۱۹۸۳ء)
۴۔ مولیئر اور اس کے دو ڈرامے (سنہ ۱۹۸۳ء)
۵۔ پیرس و پارس (سفرنامہ) (سنہ ۱۹۸۴ء)
۶۔ سید سجاد حیدر یلدرم (ترتیب) (سنہ ۱۹۸۴ء)
۷۔ انتخاب یلدرم (سنہ ۱۹۸۴ء)
۸۔ حسرت موہانی (ترتیب) (سنہ ۱۹۸۴ء)

ترتیب

تصاویر

پیش لفظ

علمی، تحقیقی اور سائنسی ترقیاں، ماضی قریب میں بلاشبہ مغربی اقوام کی رہین منت رہی ہیں اور اس دانش وری کی قیادت کا پرچم، برابر فرانسیسی قوم کے ہاتھوں میں رہا۔

فرانسیسی دانش وروں میں پروفیسر گارسیں دتاسی (۱۷۹۴ء سے ۱۸۷۸ء تک) ہندستانیوں کے لیے خصوصی توجہ کے حق دار اس لیے قرار پاتے ہیں کہ انھوں نے فرانس میں رہ کر ہندستان کی ادبی تاریخ پر اس درجہ توجہ کی اور اپنی اس سرگرمی میں ایسی جاں فشانی دکھائی کہ وہ ہندستان میں رہنے والے ادب کے طالب علموں کے لیے بھی "مستند حوالہ" قرار پا گئے۔

اس زمانے میں "ہندستانی" کے نام سے یاد کی جانے والی زبان 'اردو' کے عہد بہ عہد ارتقا پر پروفیسر دتاسی کے سالانہ خطبات، اتنی دور رہ کر، نو بہ نو معلومات کے حصول کے پہلو سے خاصے کی چیز ٹھہرے، یہ خطبات جو فرانسیسی زبان میں دیے گئے تھے، تقریباً نصف صدی قبل اردو میں منتقل ہو کر، ۱۸۵۷ء سے پہلے اور اس کے کچھ برسوں بعد تک کی اردو تاریخ کا ایک اہم ماخذ بن چکے ہیں۔

پروفیسر دتاسی کی 'ہندستانی زبان کی تاریخ' ایک ایسی شمع ثابت ہوئی جس سے ہندوستانی مصنفین نے اپنے اپنے چراغ روشن کیے۔ اردو شعرا کا وہ تذکرہ جسے کریم الدین نے ۱۸۴۷ء میں "طبقات شعرائے ہند" کے نام سے مرتب اور مشتہر کیا،

حقیقی معنوں میں "تذکرہ" اس لیے قرار پایا کہ اس نے پروفیسر دتاسی کی دکھائی ہوئی راہ پر چل کر بلکہ بڑی حد تک اس کی "تاریخ" سے اخذ کر کے اُسے تقریظ یا تنقیص کی پرانی ڈگر سے ہٹا کر "تاریخ" کا مرتبہ دیا۔

پروفیسر ثریا حسین (صدر شعبۂ اردو علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی) نے پروفیسر دتاسی کے ایسے محسن اردو کی حیات اور اس کے کارناموں کو اپنی تحقیق کا موضوع بنا کر قابل قدر خدمت انجام دی ہے۔

اتر پردیش اردو اکادمی اس تحقیقی مقالے کو منصۂ شہود پر لاتے ہوئے پروفیسر ثریا حسین کی شکر گزار بھی ہے اور پروفیسر دتاسی کی ان خدمات کو خراج عقیدت بھی پیش کرنا چاہتی ہے جو انھوں نے 'اردو' کی اس وقت انجام دیں جب یہ زبان تکمیل کے مراحل طے کر رہی تھی۔

امید ہے کہ اکادمی کی دیگر مطبوعات کی طرح اس کتاب کو بھی حسن قبول حاصل ہوگا۔

محمد رضا انصاری
چیرمین

۱۱ر جولائی ۷۳ء
اتر پردیش اردو اکادمی
لکھنؤ

گارسیں دتاسی

(۱۷۹۴ء — ۱۸۷۸ء)
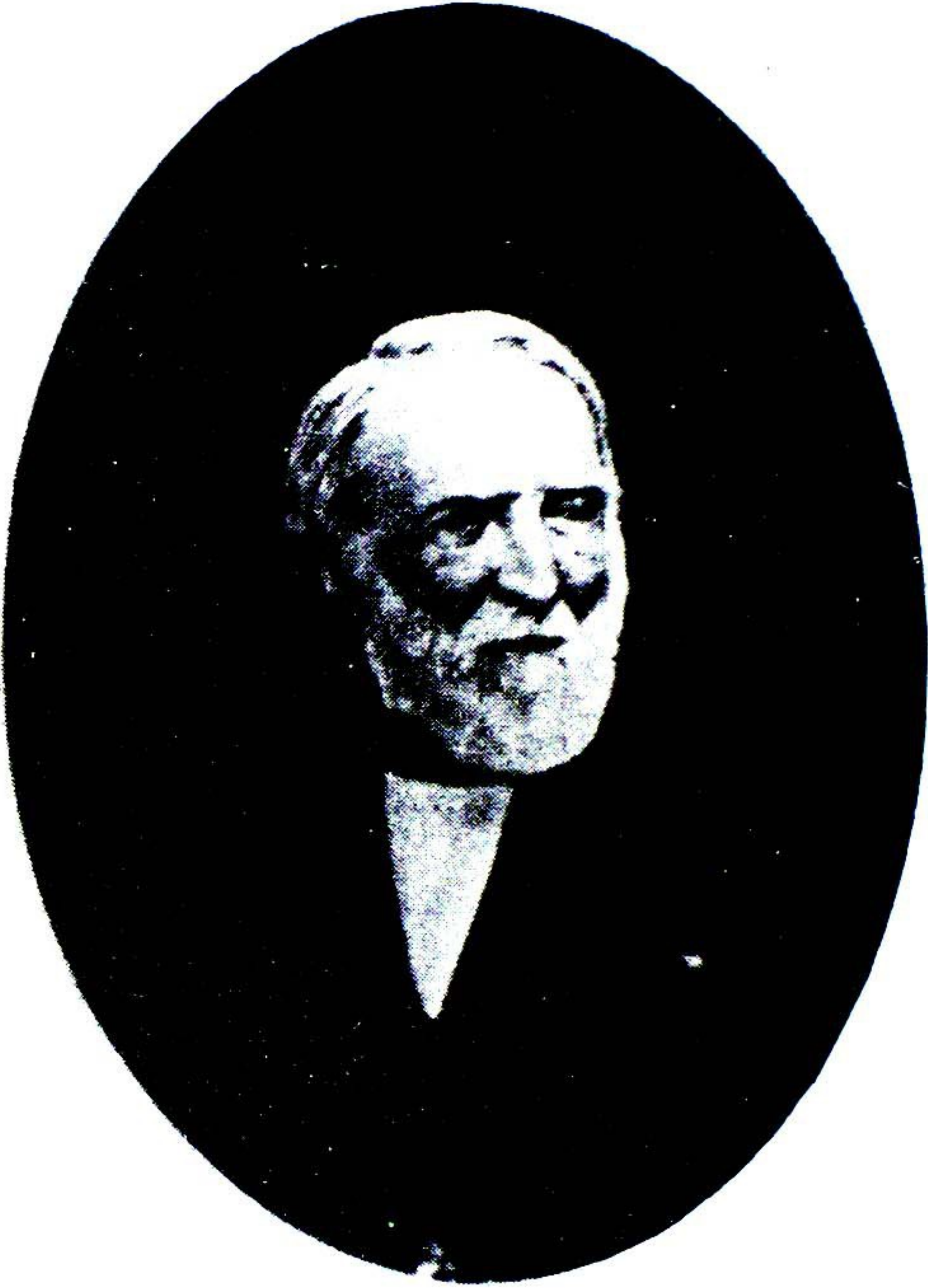
حرفِ آغاز

پروفیسر گارسین دتاسی (سنہ ۱۷۹۴ء۔ سنہ ۱۸۷۸ء) نے فرانس میں رہ کر اور ہندوستان آئے بغیر نامساعد حالات میں نہایت محنت اور ذوق و شوق سے اُردو زبان و ادب کا تحقیقی مطالعہ کیا۔ اپنے خطبات و مضامین کے ذریعے وہ یورپ کے اہل دانش کو جتنی تندہی کے ساتھ اس غیر معروف مشرقی زبان کے علمی و ادبی خزانوں سے روشناس کراتا رہا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

دتاسی کی تصانیف سے آج بھی مستفید ہوا جا سکتا ہے بالخصوص اس لیے کہ اس حیرت انگیز فرانسیسی مستشرق کے ماخذوں کا بڑا حصہ سنہ ۱۸۵۷ء سے لیکر دورِ حاضر کے انقلابات کی نذر ہو چکا ہے۔

زیر نظر مقالہ راقم الحروف نے سنہ ۱۹۵۷ء سے سنہ ۱۹۶۰ء تک پیرس یونیورسٹی (سوربون) میں دتاسی پر ڈاکٹریٹ کے لیے تیار کیا تھا۔ اس سلسلے میں وہاں تین ماہرین شرقیات سے استفادہ کیا۔

میری ریسرچ کے نگراں پروفیسر لوئی رینو سوربون میں ہند شناسی کے استاد اور ادارۂ ثقافت ہند کے ڈائرکٹر تھے۔

پروفیسر ژان فلیوزا کولیژ دفرانس (پیرس) میں انڈولوجی پڑھاتے تھے اور پروفیسر آنری ماسے مدرسۂ شرقیہ پیرس کے ناظم تھے اور فارسی ادب اُن کا خاص موضوع تھا۔

افسوس کہ یہ تینوں حضرات آج اس دنیا میں موجود نہیں، پروفیسر لوئی رینو کا انتقال ۱۹۶۷ء میں ہوا۔ پروفیسر آنزی ماسے کی موت اندوہناک تھی۔ وہ ریٹائر ہو چکے تھے۔ ایک دن گھر سے نکلے سڑک پر کار سے کچلے گئے اور جانبر نہ ہو سکے۔ ژان فلیوزا نے میرے حالیہ قیام پیرس کے دوران ۲۷ ر اکتوبر ۱۹۸۲ء کو بعارضہ قلب وفات پائی۔

گذشتہ بیس سال میں شرقیات پر فرانس میں مزید گراں قدر کام ہو چکا ہے۔ پچھلے دنوں میں نے پیرس نیشنل لائبریری، مدارس السنہ شرقیہ اور انسٹی ٹیوٹ ثقافت ہند میں متعلقہ مضامین کا مطالعہ کیا اور اس کی روشنی میں اپنے فرانسیسی مقالے کو (جو بعنوان "Garcin de Tassy Biographie et Etude Critique de Ses Oeuvres" فرنچ انسٹی ٹیوٹ پانڈیچری سے ۱۹۶۲ء میں شائع ہوا تھا) اُردو میں منتقل کر کے پیش کر رہی ہوں۔

اس کتاب میں لفظ "ہندوستانی" سے مراد اُردو ہے۔ انیسویں صدی میں برطانوی ماہرین لسانیات کے ہاں بھی اُردو کے لیے یہی اصطلاح رائج تھی۔ خود گارسین دتاسی نے اپنے زمانے کے رواج کی مطابقت کے علاوہ ہندوستان کی قومی وحدت کے استحکام کی خواہش میں "ہندوستانی" کی اصطلاح استعمال کی۔ اس لحاظ سے وہ مہاتما گاندھی کا پیشرو تھا۔

میں قاضی عبدالودود مرحوم اور ماہر اسلامیات ڈاکٹر حمید اللہ کی مشکور ہوں جنھوں نے اپنے مفید مشوروں میں کبھی کوئی کمی نہیں کی۔

ثریا حسین

شعبۂ اُردو، مسلم یونیورسٹی، علی گڑھ

مئی ۱۹۸۴ء

مقدمہ

شرقیات

مغرب میں وہ یورپین اور امریکن علماء orientalists کہلاتے ہیں جنھوں نے مشرقی ممالک کی زبانوں، ثقافتوں اور دوسرے متعلقہ علوم میں مہارت حاصل کی ہو، اور جنھوں نے تحقیق و مطالعے کے ذریعہ ان علوم میں نئی راہیں کھولی ہوں یا نئے گوشے دریافت کئے ہوں۔ اُردو میں اس اصطلاح کا ترجمہ ماہر شرقیات یا مستشرق کیا گیا ہے۔

عام طور پر Orient سے مراد ایشیا و شمالی افریقہ ہے۔ یورپ اور امریکہ کو Occident کہا جاتا ہے۔ ابتداً صلیبی جنگوں اور یورپین سیاحوں مارکو پولو وغیرہ کے مبالغہ آمیز سفرناموں سے اہل یورپ کو مشرق میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ لیکن اس دلچسپی میں علمی جستجو شامل نہ تھی۔ عہد عتیق میں یونانی اور رومن مورخوں ہیروڈوٹس اور جغرافیہ داں بطلیموس وغیرہ نے مشرق کی طرف توجہ کی۔ قرون وسطیٰ میں عرب اور ایرانی دانش وروں نے علم و تحقیق کی نت نئی شمعیں روشن کیں جن کی ضیا پاشی سے مستفید ہو کر یورپی نشاۃ ثانیہ کا کارواں آگے بڑھا۔

البیرونی آج کی اصطلاح میں وہ حیرت انگیز ہند شناس ہے جس نے تقریباً ایک ہزار سال قبل اپنی تصنیف کتاب الہند ایک ایسی دنیا کے سامنے پیش کی جسے عربوں ہی کے پھیلائے ہوئے فن کاغذ سازی نے کتابوں اور کتب خانوں کے دور میں

لاکھڑا کیا تھا۔ عربوں نے یونانی علوم کو نہایت اعلیٰ پیمانہ پر عربی میں منتقل کر کے مہذب دنیا کو ان سے روشناس کیا اور سنسکرت کتابوں کے ترجمے کیے۔

چینی فن طباعت ایجاد کر چکے تھے۔ عہد سلجوقیہ میں کندہ کرنے کے بجائے حروف جوڑ کر عبارت چھاپنے کا آغاز نہیں ہوا تھا۔ اور یہ افتخار پندرھویں صدی یورپ کے حصے میں آیا۔ پرنٹنگ کی ایجاد نے مغربی ذہنوں کی کایا پلٹ دی۔ نشاۃ ثانیہ نے دور جدید کا آغاز کیا۔ مسلمان مختلف سیاسی اور عمرانی وجوہ کی بنا پر پچھڑ گئے۔ مغرب میں مطبوعہ بائبل کی مقبولیت اور فراوانی کی وجہ سے مشنری تبلیغ دین کے لئے ساری دنیا میں نکلے۔ نشاۃ ثانیہ کے علوم سے آراستہ نئی اور جوشیلی اقوام یورپ نے مشرق میں تجارتی منڈیاں حاصل کرنے کے لئے بحری راستے دریافت کئے جن پر اب تک عربوں اور ترکوں کا تسلط تھا۔ تجارت کے بعد اگلی اسٹیج سیاسی یلغار کی تھی اور بہت جلد مشرقی ممالک اپنے مجموعی تنزل اور پس ماندگی کے باعث یورپ کے زیر نگیں آتے گئے۔ اہل یورپ اب اقوام مشرق کو عیسائی بنانا چاہتے تھے اور ان پر تجارتی اور سیاسی تسلط حاصل کرنا ان کا اصل مقصد تھا۔ لہٰذا ان ممالک کے مذاہب تہذیبوں اور زبانوں کے متعلق واقفیت حاصل کرنا ضروری تھا۔ مشرقی علوم وادبیات میں دلچسپی کی بڑی وجہ یہ ہی تھی۔

اس کے علاوہ گوئٹے (۱۷۴۹ء۔ ۱۸۳۲ء) پشکن (۱۷۹۹ء۔ ۱۸۳۷ء) یا وکٹر ہیوگو (۱۸۰۲ء۔ ۱۸۸۵ء) اور دوسرے اہل قلم جو مشرق سے متاثر ہوئے ان کی دلچسپی محض علمی وادبی تھی۔

مشرق پر یورپ کی سیاسی بالادستی کا ایک اور نتیجہ جو ہمارے لئے نقصان دہ اور ان کے لئے سود مند ثابت ہوا وہ یہ تھا کہ روس و ایران، برطانیہ و ہندوستان، فرانس اور الجیریا وغیرہ کی جنگوں میں ان مشرقی ممالک کی شکست کے بعد ان کے نادر کتب خانے اور مخطوطات اور فنی و علمی ذخائر سینٹ پیٹرز برگ، لندن اور پیرس پہنچا دیئے گئے۔ ان فاتح ممالک کے ماہرین شرقیات نے ان سے استفادہ کیا اور نہایت

مستند و قابل ذکر کتابیں لکھیں جن کی بنیاد پر مستشرقیات کا کام آگے بڑھا۔ لیکن سب مستشرقین یکساں نہیں نہ ان کے خیالات اور مرتب کردہ نتائج ایک سے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مستشرقین کی کارگزاریاں ان گنت خیالات کی حامل ہیں۔ بعض اپنی بات منوانے کے لئے اپنا ذاتی نقطۂ نظر پیش کرتے ہیں۔ ان کی توضیحات بھی ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ سیاسی نظریات بھی ان پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر سوویت یونین، پاکستان، ہندوستان اور امریکہ میں ایک ہی موضوع پر مختلف زاویوں سے ریسرچ کی جا رہی ہے کسی ماہر شرقیات کو حرف آخر نہیں سمجھا جا سکتا لیکن اس کے پیش کردہ نتائج کی روشنی میں مزید کام کیا جا سکتا ہے۔

آج بھی محقق یا اسکالر کو یورپ، امریکہ اور سوویت یونین میں شرقیات کے ان عظیم الشان ذخائر سے رجوع کرنا پڑتا ہے جہاں مغربی مستشرقین کی ایک بڑی تعداد اس وقت بھی اپنی بصیرت افروز تحقیقات میں منہمک ہے۔

یہ ماہرین اس درخشاں روایت سے تعلق رکھتے ہیں جس کو انیسویں صدی یورپ کے مستشرقین نے استوار کیا تھا۔

گارسین دتاسی بھی پچھلی صدی کے ان بلند پایہ ماہرین میں شامل تھا وہ اس لحاظ سے اور بھی زیادہ قابل ذکر ہے کہ اس نے ہزاروں میل دور بالکل مختلف کلچر اور ماحول میں رہ کر اردو زبان و ادب کے عصری حالات پر لکھنے کے علاوہ ایسے گوشے ڈھونڈ نکالے جو خود اہل زبان کی نگاہوں سے پوشیدہ تھے اور اس زمانے میں جب بحری ڈاک مدتوں بعد ہندوستان سے فرانس پہنچتی تھی دتاسی نے اردو سے بہت قریب کا رابطہ قائم کیا۔

ہندوستان کا تعارف مغرب میں

ہندوستان بہت قدیم زمانہ سے اہل یورپ کی دلچسپی اور تجسس کا باعث

رہا ہے۔ براعظم امریکہ کی دریافت کولمبس کے ہندوستان آنے کے شوق و تلاش کی مرہونِ منت ہے۔

یورپ سے ہندوستان کے اقتصادی تعلقات دیرینہ ہیں۔ ایک زمانہ میں رومیوں نے ہندوستان سے تجارت اس لئے بند کر دی کہ وہاں سے صرف درآمد ہوتی تھی کوئی چیز برآمد نہیں کی جا سکتی تھی۔ پانیکر کے خیال میں "چار سو اسّی سال قبل مسیح میں ہندوستانی سپاہی ایرانی جھنڈے تلے یونان کی سرزمین پر لڑے اور سکندر سے بہت پہلے یونان و ہندوستان کے مابین دوستانہ تعلقات موجود تھے۔ رومن جہاز مصر سے برابر ہندوستانی بندرگاہوں پر آتے رہے۔ آرکامیدو کی کھدائی سے اس بات کی تصدیق ہو جاتی ہے کہ پہلی صدی عیسوی میں سلطنت روما اور جنوبی ہند کی ریاستوں کے درمیان اچھی خاصی تجارت ہوتی تھی۔ یونانی اور رومی جغرافیہ داں ہندوستان کے ساحلوں سے واقف تھے"۔[۱]

ہخامنشی عہد میں دارا نے وادئ سندھ کو فتح کیا جو مصر، شام، ایشیائے کوچک اور عراق کی طرح دو صدیوں تک سلطنت ایران کے ماتحت رہا۔ "سائرس کے عہد (۵۵۸ تا ۵۲۸ قم) میں وادئ سندھ کا سرحدی منطقہ ایران سے متعلق ہو چکا تھا"۔[۲] سکندر اعظم کے حملہ نے ہخامنشی حکومت کا شمال مغربی ہندوستان میں خاتمہ کر دیا۔ وہ ۳۲۶ قم کے موسم بہار میں ہندوستان آیا جہاں ٹکسلا کے راجہ نے اس کا خیر مقدم کیا مہاراجہ پرشوتم یعنی پورس سے جہلم کے کنارے گھمسان کی لڑائی ہوئی جس میں سکندر فتح یاب ہوا مگر اسی سال وہ واپس چلا گیا۔ حالانکہ اس کا قیام بہت مختصر رہا مگر اس کی وجہ سے یہ معلوم ہو گیا کہ یونانی مورخوں کا Sanorakottos سندراکوٹو وہی ہے جو ہندوستان میں چندر گپت موریہ کہا جاتا ہے۔

---

[۱] K.M. Panikar: Asia and Western Dominance; 3rd Ed., London, 1955, p. 23.

[۲] J. Filliozat: Relations Exterieures de 1' Inde, Pondichery, 1956, p. 3.

سکندر اعظم کے استاد اور مشیر ارسطو (۳۸۴ - ۳۲۲ ق م) نے دنیا کے بہت سے ملکوں کے دستور اساسی یکجا مرتب کئے جس میں ہندوستان بھی شامل تھا۔[1] بدقسمتی سے آج یہ تصنیف ناپید ہے اور معلوم نہیں ہندوستان کی کس سلطنت سے متعلق تھی۔ سکندر اعظم کی واپسی کے بعد سلیوکس نائب فرمانروا رہا۔ اس نے میگاس تھینیز کو چندر گپت موریہ کے دربار میں بطور سفیر بھیجا جو پانچ سال مقیم رہا۔ مورخ و جغرافیہ داں میگاس تھینیز نے چندر گپت کے عہدِ حکومت کے حالات اور چشم دید واقعات قلم بند کئے ہیں لیکن اس کی تصنیف انڈیکا Indica اب گم ہو گئی ہے۔ البتہ حوالے اور اس کے اقتباسات اس کے ہمعصر یونانی مورخوں کی کتابوں میں ملتے ہیں چنانچہ میگاس تھینیز کو پہلا یورپی ہند شناس کہنا بے جا نہ ہوگا۔

قرون وسطیٰ میں یورپ و ہندوستان کے درمیان وسائل آمد و رفت بہت محدود تھے۔ مارکوپولو اور دوسرے سیاحوں نے ہندوستانی تہذیب و کلچر کا کوئی ذکر نہیں کیا۔ اس سلسلے میں مسلمانوں کی غیر معمولی خدمات کا یہاں ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ مارکوپولو کے برخلاف ابن بطوطہ (۱۳۰۴ء تا ۱۳۷۷ء) نے سلاطین تغلق کے زمانے میں شمالی اور جنوبی ہند نیز مالدیپ جیسے ہمسایہ جزیروں کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ اس کی شخصیت نے حاکمِ وقت کو اتنا متاثر کیا کہ اسے دو سال کے لئے دہلی کا قاضی مقرر کیا گیا۔ پھر تغلق سلطان کے سفیر کے طور پر چین روانہ ہوا اور سماٹرا وغیرہ سے گزرا وہ جزائر مالدیپ میں بھی ڈیڑھ سال تک قاضی رہا۔ البیرونی (۹۷۳ء تا ۱۰۴۸ء) نے ہندوستان کا سفر کیا اور سنسکرت کی تحصیل شوق سے کی۔ اس کی تصنیف "کتاب الہند" ہندوستان پر اہم عمرانی دستاویز ہے۔

الادریسی (۱۰۹۹ء تا ۱۱۶۶ء) کی ولادت مسبطہ میں ہوئی۔ اس نے اپنا مشہور جغرافیہ اور اس کے نقشے ۱۱۵۴ء میں صقلیہ کے حکمراں روجر دوم کیلئے تیار کئے اس میں ہندوستان کا بھی ذکر ہے۔ اس تصنیف سے اس وقت کے مسلمانوں کی روشن خیالی اور بلند علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کا ہندوستان سے متعلق حصہ علی گڑھ کے پروفیسر مقبول احمد نے شائع کیا۔ واسکوڈیگاما اپنے مہاں ملاح ابن

---

[1] Aristotle on the Constitution, Part XV,
Encyclopaedia of Social Sciences, Vol. I, p. 27.

ماجد کی رہنمائی میں راس امید کی طرف سے ہوتا ہوا ۱۴۹۸ء میں کالی کٹ پہنچا۔ لیکن بدقسمتی سے ابن ماجد شراب کے نشے میں مدہوش تھا۔ ہندوستان کی اس دریافت کا سہرا واسکوڈی گاما کے سر بندھا۔

پروفیسر آرنلڈ ٹوائن بی کا کہنا ہے کہ مغرب میں عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ کسی غیر یورپی علاقے میں ایک مغربی قوم کا اقتدار قائم ہونے کے بعد وہاں کا داخلی نظام کھوکھلا ہو جاتا ہے اور بیرونی حکمران بھی وہاں اپنے قدم نہیں جما پاتا۔ مگر ہندوستان پر یہ بات پوری نہیں اترتی کیوں کہ واسکوڈی گاما کے تیئیس سال بعد بابر ہندوستان آتا ہے اور اپنی حکومت قائم کرتا ہے اور مغل تہذیب کے اشتراک سے انڈو مغل تہذیب کی تخلیق ہوتی ہے جو آج تک برقرار ہے اور بابر سے صدیوں قبل محمد بن قاسم اور سلاطین دہلی و دکن و بنگال کے زمانے سے اس مشترکہ تہذیب کی آبیاری ہو رہی ہے۔ لیکن واسکوڈی گاما اور شہنشاہ بابر کے زمانے سے جدید یورپ کے ہندوستان سے براہ راست تعلقات ملتے ہیں۔ یورپی تاجروں، سیاحوں، عیسائی مشنریوں اور سفیروں نے ہندوستان کا سفر کیا، وہاں قیام کیا۔ اور اس کی تفصیلات دی ہیں۔ یورپ کے لئے سلطنت مغلیہ کی صنعتی ترقی، دولت و مرتبت پرکشش تھی جس نے ہندوستان کو قریب سے جاننے کی خواہش پیدا کی۔ پرتگالی، ولندیزی، فرانسیسی، انگریز اور جرمن قوموں نے اس میں اہم حصّہ لیا۔ یورپ میں یہ دور مذہبی ہونے کے ساتھ ساتھ علمی بھی تھا۔ اہل یورپ کو اپنے دور کے ہندوستان سے دینی دلچسپی تھی۔ کیونکہ وہاں تک پیغام عیسائیت کو پہونچانا عین فلاح انسانی سمجھا جاتا تھا۔ اس کے علاوہ ہندوستان کی تاریخ اور ماضی سے ان کی دلچسپی سائنٹفک تھی کیوں کہ نشاۃ ثانیہ نے ان کے اندر سائنٹفک اسپرٹ پیدا کر دی تھی۔ بعد میں سیاسی اغراض اور ملک گیری کی خواہشات بھی اس دلچسپی میں شامل ہو گئی۔

یہاں ان مخصوص ہندشناسوں کا ذکر ہوگا جنھوں نے ہندوستان کی عام زندگی و معاشرت اور موجودہ زبانوں پر کام کیا ہے۔ گویا یہ گارسین دتاسی کے پیش رو تھے اور ہندشناسی کے بانی و قدر داں۔ اس لئے ان کا مختصر مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

حروب صلیبیہ کے اختتام سے لے کر عہد اصلاحِ دین تک یورپ عام طور پر مذہبی

جذبات سے لبریز تھا۔ اور مذہبی سرگرمیوں نے بیحد اہمیت اختیار کرلی تھی۔ جنوبی امریکہ کی ہسپانوی نو آبادیوں میں عیسائیت کو پھیلانے میں بڑی خونریزی کے بعد کامیابی حاصل ہوئی تھی۔ ہندوستان میں آبادی کے تناسب سے بہت کم ہندؤں نے دین مسیحی قبول کیا تھا اور اس سے کم مسلمانوں نے۔ اس کی وجہ یہ نہ تھی کہ انگریز حاکموں نے تبلیغ عیسائیت میں سعی کم کی ہو۔ عیسائی مشنریوں نے ملکی زبانوں کو سیکھا۔ زبان اردو کی گرامریں لاطینی، پرتگالی اور ولندیزی زبانوں میں لکھی گئیں اور تبلیغی کتابیں ملکی زندہ زبانوں میں لکھی جانے لگیں۔ ہندوستان میں بھی مذہبی کتب کی کمی نہیں۔ مغلوں کے عہد میں درباری و ملکی زبان فارسی تھی۔ بائبل کے متعدد ترجمے پہلے فارسی میں ہوئے پھر اردو میں کئے گئے۔ اس کے علاوہ دین مسیحی پر بحث و مناظرے کے بہت سے رسالے بھی نکلتے تھے۔

یورپی اقوام جن کی ہندوستان سے وابستگی زیادہ استوار رہی ان میں پرتگالی، انگریز، ولندیزی اور فرانسیسی قابل ذکر ہیں۔ واسکوڈی گاما ۱۴۹۸ء میں جب کالی کٹ پہنچا تو وہاں کے راجہ سامری Zamorin نے اس کا خیر مقدم کیا۔ اس کے دو سال بعد الواریز کبرال A. Cabral (۱۴۶۰ء تا ۱۵۲۶ء) ایک کمک حصول سلطنت کے خیال سے لے کر آیا اور سامری کو بعد مقابلہ پسپا کیا۔ اس نے جنوبی ہند میں سکونت اختیار کی۔ جہاں سے پھر الفونس البوآرق Alphonse Albuquerque (۱۴۵۳ء تا ۱۵۱۵ء) نے حملہ آوری کی۔ ۱۵۱۱ء میں وہ گوا پر قابض ہوگیا۔ بہمنی وزیر محمود گاواں نے پرتگالیوں کو مار بھگایا مگر وہ واپس آگئے[۱]۔ پرتگالی مقبوضات میں ملیالم، مراٹھی، کوکنی اور گجراتی بولی جاتی تھی دکنی اردو بھی تھوڑی بہت سمجھی جاتی تھی۔ سولھویں صدی کے ہندوستان کے متعلق پرتگالی تصانیف ہمارے ملک کی تاریخ کا ایک بیش قیمت ماخذ ہیں۔ پرتگالی ہند کے حالات پر مالابار کے

---

[۱] ۱۹۶۱ء میں آزاد ہندوستان نے پرتگالی حکومت کا خاتمہ کیا مگر ان کے تہذیبی اثرات آج تک گوا اور بمبئی وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور آبادی کا ایک خاصا بڑا حصہ رومن کیتھولک عیسائیوں پر مشتمل ہے۔

زین العابدین معبری[1] کی عربی کتاب "فتح المجاہدین فی اخبار البرتگالین" ایک کلاسیکل تصنیف ہے۔

روشن خیال اور وسیع المشرب مغل شہنشاہ اکبر اعظم (۱۵۵۶ء تا ۱۶۰۵ء) کے دربار میں مذہبی مذاکرے منعقد کئے جاتے جن میں مسلمان، ہندو، یہودی اور عیسائی حصہ لیتے۔ گوا کے پادری جو اکبر کو عیسائی کرنے کے ارادے سے بطور خاص آگرے پہنچے تھے ان مناظروں میں پیش پیش رہتے۔ انہوں نے اکبر کے لئے بائبل کا فارسی میں ترجمہ بھی کیا۔[2]

۱۵۳۴ء میں علم پرست لیسوعی Jesuit جماعت کی بنیاد پڑی اس نے مشرق میں جارحانہ قسم کی تبلیغ مسیحیت کا علم اٹھایا۔ ان رومن کیتھولک مشنریوں میں رابرٹ دلونبلی Robert de Nobili اور بیشی Beschi وغیرہ نے سترہویں اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی زبانوں کی ادبیات کا گہرا مطالعہ کیا۔ لیسوعیوں کی ساری توجہ حصولِ علم پر مرکوز رہی۔ انہوں نے بنگال اور مدراس میں چھاپے خانے قایم کئے۔ کتابیں شایع کیں۔ اور ساحلی شہروں میں اسکول اور کالج کھولے جو آج تک قائم ہیں اور ملک کی بہترین درسگاہوں میں شمار کئے جاتے ہیں۔[3]

تبلیغ مسیحیت کے میدان میں یورپین پروٹسٹ مشنریوں نے کیتھولک مبلغوں سے سبقت لیجانے کی کوشش کی اس سلسلے میں پروٹسٹنٹ ممالک کے مستشرقین اور مشنریوں نے کام شروع کیا۔ جرمن مبلغین میں کیتھولک اور پروٹسٹنٹ دونوں شامل تھے۔ اٹھارہویں صدی کی ابتدا میں ساحل کارومنڈل پر جرمنی اور ڈنمارک کے مشنریوں نے سکونت

---

[1] عربوں نے مالابار کو معبر کہا۔ چنانچہ معبری سے مراد مالاباری ہے۔

[2] Barthold : la decouverte de 1' Asie, Payot, Paris, 1947, p. 113.

[3] بمبئی کے سینٹ زیویرز کالج کا ہیراز انسٹی ٹیوٹ آف انڈین ہسٹری اینڈ کلچر ایک کیتھولک مستشرق کی یادگار میں قائم ہے۔

اختیار کی۔ ان لوگوں میں شولز Schultze اور تسی گین بالگ Zieganbalg نے ہندستانی کلچر اور زبانوں پر قابل قدر تحقیقات کیں۔

ہالینڈ کے مستشرقین کی بیشتر تصانیف ان کی نوآبادی ڈچ ایسٹ انڈیز یعنی مجمع الجزائر انڈونیشیا کے متعلق ہیں مگر ولین ٹائن اور وانڈ شوٹن نے سترہویں صدی میں ہندوستان سے متعلق اپنے دلچسپ سفرنامے شایع کئے۔ علاوہ ازیں ایک ڈچ حاکم فان ردد کے حکم سے سترہویں صدی میں Hortus Malabaricus کے عنوان سے ہندوستانی نباتات کی پہلی تفصیلی فہرست ہندوستانی ناموں کے ساتھ پیش کی۔

جان جوشوا کیٹلر ۱۷۱۱ء میں ڈچ ایسٹ انڈیا کمپنی کا ڈائرکٹر مقرر ہوا۔ اس نے تین سال سورت میں قیام کیا۔ آگرے کا ڈچ کارخانہ سورت کی ولندیزی فیکٹری کے ماتحت تھا۔ کیٹلر ۱۷۱۲ء میں شاہ عالم کے دربار میں باریاب ہوا اس کے بعد جہاندار شاہ کے دربار میں حاضری دی۔ وہ دلّی اور آگرے میں رہا ۱۷۴۳ء میں اس نے لاطینی زبان میں اُردو صرف و نحو کی اولین کتاب شایع کی۔

شرقیات کے سلسلے میں روسی خدمات کا تذکرہ بھی ضروری ہے۔ ایک روسی تاجر تھا ناس نیکتن کو ایران پہنچ کر ہندوستان کی دولت اور تجارت کا پورا اندازہ ہوا۔ وہ ۱۴۶۶ء میں بندرگاہ ہرمز کے بحری راستے سے ہندوستان وارد ہوا۔ جہاں وہ سب سے پہلے دیو پہنچا پھر کولا (چولا) اور وہاں سے دریائے کرشنا کے کنارے کنارے جُنیر اور بیدر سے ہوتا ہوا اندرونی خطّوں تک گیا۔ ہندوستان میں کچھ عرصہ رہنے کے بعد وہ ایران ہوتا ہوا بحر اسود کے راستے روس واپس گیا۔ اس لئے اس نے اپنے سیاحت نامے کو Khojdjemie des Trois Mers یعنی "تین سمندروں (بحر کیسپین، بحر ہند اور بحر اسود) پار ممالک کے سفر" سے موسوم کیا۔ مگر وہ اپنے وطن تویئے Tuer واپس پہنچنے سے پہلے سمولسک میں فوت ہوگیا اور اس کی زندگی میں اس کی کتاب شایع نہ ہوسکی۔ نیکتن کی سیاحت کی مدت (۱۴۶۶ء۔ ۱۴۷۲ء) چھ سال تھی۔ اسے معلوم ہوا کہ ہندستانی مال تجارت روس کے لئے کارآمد نہ تھا۔ نیکتن جب جُنیر میں تھا وہ لکھتا ہے" ہمارے ملک کے

لئے یہاں کچھ نہیں سوائے سفید مال (کپاس) کے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نیکتن نے تھوڑے عرصہ کے بعد مقامی زبانیں اتنی سیکھ لی تھیں کہ وہ ہندوستانیوں سے بات چیت کر سکے۔ اس کی تحریروں میں بہت سے الفاظ اور محاورے ترکی، فارسی اور ہندوستانی کے ملتے ہیں۔"[1] پروفیسر میناوئ نے اپنی کتاب "قدیم ہندوستان" Ancient India میں نیکتن کا بہ تفصیل ذکر کیا جو سینٹ پیٹرز برگ سے شائع ہوئی۔

مقابلتہً ہند شناسی میں روسی سیاحوں اور عالموں کا حصہ ماضی میں اتنا اہم نہیں رہا۔ نیکتن کی طرح ایک اور روسی سیاح نے اٹھارویں صدی میں ہندوستان کا سفر کیا۔ گری سم لب دو موسیقار تھا۔ وہ روسی سفارت خانے کے ساتھ انگلستان آیا وہاں سے سیاحت کا شوق اسے ہندوستان کھینچ لایا۔ جہاں وہ بارہ سال (۱۷۸۵ء تا ۱۷۹۷ء) مقیم رہا۔ اس نے بڑی تندہی سے ہندوستانی گائیکی کے ساتھ سنسکرت اور ہندوستان کی جدید زبانیں خصوصاً بنگالی سیکھی۔ ہندوستان سے انگلستان واپس آیا تو ۱۸۰۱ء میں اس نے انگریزی میں ہندوستانی زبانوں کی گرامر شائع کی جس میں سنسکرت بھی شامل تھی جو سینٹ پیٹرز برگ میں طبع ہوئی۔ اس کے بعد اس نے زار الگزنڈر اوّل کے حکم سے" اورنیٹل انڈیا کے برہمنوں کے سسٹم کا مطالعہ" تصنیف کی۔

روس میں ہندوستانی زبان و تہذیب سے دلچسپی پیدا ہو چلی تو ۱۸۱۰ء میں روسی ایشیاٹک اکیڈمی کی بنیاد سینٹ پیٹرز برگ میں ڈالی گئی۔

پرنس سولٹیکو نے ہندوستان پر دو سفرنامے ۱۸۴۱ء تا ۱۸۴۳ء اور ۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۶ء پیرس سے شائع کیے جو اس کے سفر کے بیانات اور پنسل اسکیچ پر مشتمل ہیں۔ یورپ میں آخر اٹھارویں اور شروع انیسویں صدی سے ہندوستانی ثقافت اور کلچر کو جاننے کا ذوق بڑھ گیا۔ یوں تو مارکو پولو اور ژاں دموتنت کوورنو کے وقت سے اکثر اطالوی

---

[1] Barthold; la decouverte de 1' Asie, Payot, Paris, 1947, p. 201-202.

سیاحوں نے ہندوستانی تاریخ سے متعلق اہم معلومات فراہم کی ہیں۔

بیشتر جرمن مستشرقین نے ہندو مذہب، بدھ مت اور سنسکرت زبان و ادب کو خصوصی تحقیقی مطالعہ کے لیے منتخب کیا۔ نامور ترین عالم میکس مُلر محتاج تعارف نہیں،

"I POINT TO INDIA",

(Selected writings, 1823-1900)

"INDIA" (1883)

"Ramakrishna : His life and sayings" (1901)

"Sanskrit Grammar and linguistics"

اس کی تصانیف میں شامل ہیں۔ ہندو فلسفے پر میکس مُلر کی کتابیں متعدد زبانوں میں ترجمہ کی جا چکی ہیں۔

سنہ ۱۶۰۸ء میں برطانوی سفیر کیپٹن ہاکنز بہ عہد شہنشاہ جہانگیر ہندوستان وارد ہوا۔ اس کے بعد سر طامس رو جو مختلف ایشیائی زبانوں سے واقف تھا۔ سنہ ۱۶۱۵ء میں کورٹ آف سینٹ جیمز کی طرف سے مغل ہندوستان بھیجا گیا۔ سورت میں تجارت شروع کرنے کی غرض سے اس نے مغل حکومت کی اجازت حاصل کی اور سنہ ۱۶۳۳ء میں مشرقی ساحل پر مچھلی پٹنم میں ایک تجارتی کوٹھی قائم کی گئی۔ سنہ ۱۶۶۱ء میں انگریزوں نے پرتگالیوں سے بمبئی حاصل کیا۔ فرانسیسی پروفیسر میل پرتگالیوں کے بارے میں لکھتے ہیں:

"ان کو ہگلی میں تجارتی منڈی کے قیام کی اجازت ملی لیکن ان کا کردار اور رکھ رکھاؤ اچھا نہ تھا..... انہوں نے ملکہ ممتاز محل کی دو کنیزوں کو اغوا کرنے کی ہمت کی۔ سنہ ۱۶۳۲ء میں ایک شاہی دستے نے ہگلی ان سے چھین لیا۔" [1]

Meile : Historie de 1' Inde.
Presse Universitaire, Paris, 1954, p. 64.

اب انگریزوں کو وہاں تجارت کرنے کی اجازت مل گئی اور انہوں نے ۱۶۱۵ء میں شہر کلکتہ آباد کیا۔ بنگال میں قدم جمانے کے بعد انگریزوں نے سیاست میں مداخلت شروع کی۔ فتح پلاسی (۱۷۵۷ء) کے بعد ان کو سیاسی اقتدار حاصل ہوا۔ انہوں نے فرانسیسیوں اور پرتگالیوں کو ان کی بیشتر مقبوضات سے بیدخل کیا۔ ۱۸۰۰ء میں انہوں نے نظام دکن سے اتحاد کا معاہدہ کیا اور اودھ پر بھی قابض ہو گئے۔ ۱۸۵۷ء میں ہندوستان باضابطہ طور پر برٹش ایمپائر میں شامل کر لیا گیا۔ نوّے سال بعد ملک نے آزادی حاصل کی۔

اس طرح ہندوستان سے انگریزوں کا رابطہ سترہویں صدی سے قایم ہے۔ اس طویل مدّت میں ان کے سیاحوں، فوجی اور سویلین افسروں، مشنریوں اور اہلِ علم نے اس ملک کی تاریخ وجغرافیہ، مذاہب، تہذیب، لسانیات وادبیات انیتھروپولوجی اور دوسرے پہلوؤں پر گرانقدر کام کیا جو بیشتر ان کے امپریلسٹ نقطۂ نظر کا حامل ہے لیکن ان تصانیف کی علمی اہمیت وافادیت بھی مسلم ومستند ہے۔ (ان کی تاریخ نگاری کا معاملہ جداگانہ ہے جس کے ذریعے انہوں نے ہندو مسلم نفاق کا بیج بویا) اس ذخیرے میں سر ولیم جونز (۱۷۴۶ء ۱۷۹۴ء) کولبروک (۱۷۶۵ء ۱۸۳۶ء) کی تصانیف اور متعدد علمی ادارے جو انہوں نے قایم کیے تھے بالخصوص قابلِ ذکر ہیں۔ ان سے بھی زیادہ اہم برطانوی ہندشناسوں کی اردو سے متعلق وہ کتابیں ہیں جو انہوں نے انگریزی میں لکھیں۔ ان کتابوں میں گرامر، لغات، ادبی تراجم، نظم ونثر کے انتخابات شامل ہیں۔ متعدد کتابیں ہیلی بری کالج کے نصاب کے لیے شایع کی گئیں یہ کالج ایسٹ انڈیا کمپنی سول سروس کے اراکین کی ٹریننگ کے لئے انگلستان میں قایم کیا گیا تھا۔ جن کے لئے اردو فارسی سے واقفیت لازمی تھی۔ ان کتابوں کے مصنفین آرنٹ، جان شیکسپیر، اشپرنگر، طامس بروٹن، جان بمیز، پرنسپ، ڑ ودیر، ٹیلر، روبک، فلر، فاکنر، فوربز، نیلسن، جان گل کرسٹ، لاٹیمر، کرنل ہال رائڈ وغیرہ کے غیر معمولی شوق اور قدردانی نے اردو زبان وادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ ۱۷۹۳ء میں گل کرسٹ نے پہلی انگریزی ہندوستانی ڈکشنری ہنٹر کی مدد سے تیار کرکے کلکتہ سے شایع کی۔ ۱۷۸۴ء میں بنگال ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ کا افتتاح کیا گیا۔ یہ سوسائٹی جدید

ادبی میلانات کی محرک وترجمان ثابت ہوئی۔ اس کے بعد بمبئی اور مدراس میں ایشیاٹک سوسائٹی قایم کی گئی۔ ۱۸۴۶ء سے ہندوستان میں ببلیوتھک انڈیکا Bibliotheque Indica طبع ہونا شروع ہوئی۔

۱۸۵۷ء سے انگریزوں کی علمی سرگرمیاں بڑھ گیئں کیونکہ اب سارا ملک ان کے زیرنگیں تھا۔ اضلاع کے کلکٹروں کو ان کے زیر انتظام سارے شہروں قصبوں اور گاؤں کے تاریخ، رسم و رواج روایات آبادی اور دیگر اعداد و شمار کی تفصیلات جمع کرنے کا حکم دیا گیا۔ ان وسیع اور غیر معمولی روداروں کی بنا پر ۱۸۶۹ء میں ہنٹر کی زیرنگرانی IMPE-RIAL GAZETEER OF INDIA چودہ جلدوں میں شایع کی گئی۔ ہندوستان کی جو تواریخ پچھلی صدیوں میں عربی اور فارسی میں لکھی گیئں۔ ایک عالم مورخ ایلیٹ نے ان کے منتخب اقتباسات کے ترجمے کئے، جو آٹھ جلدوں میں طبع ہوئے۔

ان انگریز مستشرقین کی مطبوعات کی مدد سے فرانس میں ہندشناسی اور اردو کے ذوق کی تربیت ہوئی۔ گارسین دتاسی نے برطانوی ہندشناسوں کی کتابوں سے اردو کی تحصیل کی۔

فرانس کا ہندوستان سے رابطہ بھی تین چار سو سال سے قایم ہے۔ انگریزوں کے بعد فرانسیسیوں نے مغل حکومت سے سورت میں تجارتی کمپنی کھولنے کی اجازت حاصل کی تھی ۱۶۷۲ء میں انھوں نے ایک تجارتی منڈی پانڈیچری میں قایم کی۔ وفات اورنگ زیب کے بعد دکن کا صوبہ بھی آزاد ہوا اور بنگال کی طرح وہاں بھی فرانسیسیوں کو ملکی انتظام میں دخل دہی کا موقع مل گیا۔ رفتہ رفتہ وہ ملک کے خاصے بڑے حصہ پر قابض ہو جاتے مگر یورپ اور امریکہ میں انگریزوں سے ان کی رقابت ہندوستانی سیاست پر بھی اثر انداز ہوئی۔ یہاں بھی حصول اقتدار کے لئے دونوں میں جنگ چھڑ گئی۔ اور پانچ ساحلی شہروں پانڈیچری بالوی، ماہے، کاریکال اور چندرنگر کے علاوہ بقیہ مقبوضات فرانس کے ہاتھ سے نکل گئے۔ مختلف مقامات پر چند تجارتی کوٹھیاں فرانس کے قبضہ میں رہ گیئں جن کی کوئی سیاسی اہمیت

نہ تھی۔

فرانسیسیوں میں برنیر (۱۶۲۰ء تا ۱۶۸۸ء) پہلا قابل ذکر سیاح ہے جو ۱۶۵۴ء میں ملک شام (سوریہ) کے سفر پر روانہ ہوا۔ اور مصر سے گزرتا ہوا ہندوستان آیا جہاں ۱۶۶۸ء تک قیام پذیر رہا۔ اس کے بعد آنے والوں میں پیغ مالیرب اور تاورنیے اہم ہیں۔ اہل یورپ کو ہندوستان سے شناسا کرانے میں برنیر کا بڑا ہاتھ ہے۔ پیشہ کے اعتبار سے وہ ڈاکٹر اور فلسفی تھا۔ ''ریسین Racine نے اپنی تصنیف برنیس Bernice لکھتے وقت برنیر سے تبادلۂ خیال کیا جو حال ہی میں شام، ایران اور ہندوستان کے سفر سے واپس آیا تھا''۔[1] برنیر نے اپنی تصنیف ''مغل ریاستوں کے آخری انقلاب کی تاریخ'' ۱۶۷۰ء میں شائع کی۔ وہ بارہ سال ۱۶۷۶ء تا ۱۶۸۸ء تک ہندوستان میں رہا۔ وہ مغل بادشاہ اورنگ زیب کا معالج بھی ہو گیا تھا۔ اس نے ۱۶۸۶ء میں ہندوستان سے متعلق ایک تذکرہ لکھا جو ''استوائیۓ دے ساواں'' میں چھپا۔ اس کی وفات کے بعد ۱۶۹۹ء میں اس کا مکمل سفرنامہ طبع ہوا جس میں ہندوستان پر دو فلسفیانہ خطوط نقل ہیں جو اس نے ۱۶۶۱ء میں شاپل اور ۱۶۶۸ء میں شاپلیں کو لکھے تھے۔ یہ اس کے تذکرے کے ضمیمے ۱۶۷۱ء میں شامل تھے۔ اسی اثنا میں تاورنیے Tavernier کا سفرنامہ ۱۶۷۷ء میں شائع ہوا۔ وہ ۱۶۰۵ء میں پیرس میں پیدا ہوا اور ماسکو میں ۱۶۸۹ء میں انتقال کیا۔ وہ ۱۶۳۸ء میں ہندوستان کے لیۓ روانہ ہوا اور گولکنڈہ تک گیا۔ ۱۶۶۸ء تک اس نے ہندوستان اور جنوبی ایشیا کے پانچ دورے کیۓ اور چھٹا اس کے بعد۔ اس نے ۱۶۷۶ء میں اپنی چھ سیاحتوں کا حال شائع کیا۔ ژاں شاردیں (۱۶۴۳ء تا ۱۷۱۳ء) پیرس میں پیدا ہوا۔ ۱۶۶۵ء میں ہیروں کی تجارت کی غرض سے ہندوستان روانہ ہوا۔ ۱۶۸۰ء تک اصفہان میں قیام پذیر رہا۔ واپسی پر ہندوستان کی سیاحت کی۔ ۱۶۸۶ء میں ایران و ہند کا

---

[1] Schwab : La Renaissance Orientale, Payot, Paris, 1950, p. 12.

سیاحت نامہ شایع کیا۔

یورپ میں اٹھارہویں صدی سے ہندوستان کی زبان و ادب کے گہرے مطالعے اور اثباتی نقطۂ نظر کا آغاز ہوتا ہے۔ اس صدی کی ابتدا سے قومی کتب خانہ پیرس میں ہندوستان کی متفرق تصانیف، لغات، قواعد اور قلمی نسخے جمع کئے گئے۔ اور ببلوتک نابیونال پیرس سے ہندوستانی کتب کے کیٹلاگ کی پہلی جلد ۱۷۳۹ء میں شایع ہوئی۔
فرانسیسی سیاحوں نے بھی اپنی علمی سرگرمیاں جاری رکھیں۔ ۱۸۱۷ء میں دووو سے پیرس سے سفر ہند پر روانہ ہوا اور پانی کے جہاز سے مئی ۱۸۱۸ء کو کلکتہ پہنچا جس نے نیچرل ہسٹری کی تعلیم اور میوزیم کی خاطر یہ دشوار گذار سفر کیا۔ کلکتہ سے چندر نگر جاکر ایک مکان کرایہ پر لیا جہاں تھوڑی سی سونے کی جگہ کو چھوڑ کر ہر کمرے میں جانوروں کی تصویریں ٹنگی تھیں یا زندہ جانور بندھے تھے۔ اس نے بنگال کے جنگلوں اور سلہٹ کے اطراف میں قیام کیا اور سنگاپور پہنچا۔ ستمبر ۱۸۲۲ء میں تبت گیا۔ ہر جگہ سے اپنے مضمون سے متعلق نادر و نایاب مواد اکٹھا کیا۔

اسرائیل جوزف بنجامن نے عبرانی زبان میں ایک رسالہ اپنے سفر ہند (۱۸۴۹ء ۱۸۵۰ء) کے متعلق لکھا جس میں اس نے سرزمین ہند اور اس کے مختلف مذاہب کا تذکرہ کیا ہے۔ یہ کتاب الجیریا سے ۱۸۵۴ء میں شایع ہوئی۔
فرانس کے ہندشناسوں میں دو رجحانات ملتے ہیں۔ ایک تو وہ لوگ جنھوں نے ہندستان پر متفرق کتابیں فارسی، عربی اور چینی زبان میں پڑھ کر معلومات فراہم کیں۔ دوسرے گروہ جو خود ہندوستان کی سیاحت کو آئے اور پھر اس کے متعلق اپنے تاثرات لکھے۔ اول الذکر میں ژوزف دگوین Joseph Deguignes اور موخر الذکر میں انکتل دیوپروں Anquetil Duperron قابل ذکر ہیں۔

اٹھارویں صدی میں انکتل دیوپروں (۱۷۳۱ء تا ۱۸۰۵ء) ہندوستان آیا، جہاں اس نے پارسیوں سے رابطہ قایم کیا اور فارسی کی تحصیل کی۔ اس نے "ژنداوستا" کا

۱۷۷۱ء میں اور "اپنشد" کا ۱۷۸۶ء میں فارسی سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا اور ژند پہلوی ڈکشنری مرتب کی۔ وہ ۱۷۵۵ء میں پانڈیچری آیا پھر ۱۷۹۸ء میں سورت گیا۔ اس نے فرانس کے سامنے پہلی دفعہ ہندوستان کی حقیقی اور بے لاگ تصویر پیش کی۔ اپنے "سیاحت نامۂ ہندوستان" اور "ہندوستان پر تاریخی وجغرافیائی تحقیق" میں اس نے ہندوستان کے قدیم بیش بہا علمی خزانوں کی تلاش کے ساتھ ساتھ بدلتے ہوئے ہندوستان میں جو سیاسی، اقتصادی اور سماجی قوتیں کام کر رہی تھیں ان کا بھی جائزہ لیا ہے۔ وہ عالم ہونے کے ساتھ ساتھ سیاح بھی تھا۔ اس نے اس وقت کے عام میلان کی پیروی نہ کرتے ہوئے خود کو محض کتب خانوں تک محدود نہیں رکھا بلکہ ہندوستان کی سیاحت کی اور متفرق مقامات سے مختلف ہندوستانی زبانوں کے ایک سو اسی (۱۸۰) قلمی نسخے جمع کئے۔ اس کے علاوہ دو نسخے اوستا کے، سات فارسی لغات، تین سنسکرت کی مشہور ڈکشنریاں تھیں۔ اس کے کتب خانہ میں ہندوستانی زبان (اردو ہندی) کی لغت فرانسوا میری دتور Fransois Marrie de Tours کی مرتب کردہ بھی تھی جو اُس کو روم سے دستیاب ہوئی تھی۔"[۱]

چندر نگر کے ایک فرانسیسی مترجم اوساں Aussant نے فارسی، اردو (جس کو وہ مُور کہتا ہے) اور بنگالی کی تحصیل کی اور ان زبانوں کی گرامریں اور لغات لکھیں۔ اردو سے متعلق اس کے کارنامے پیرس کے قومی کتب خانہ میں محفوظ ہیں[۲] گارسین دتاسی نے ان لوگوں کی کتابوں سے استفادہ کیا جس کا وہ اپنی تالیف "منتخبات زبان ہندوستانی"

---

[۱] Catalogue Sommaire des manuscripts Indiens, Par Calaton, 1912, Paris, Nos. Indiens 839 and 843.

[۲] Ibid : p. 127 Nos Indiens 841-843.

میں اعتراف کرتا ہے۔

ہندوستان پر فرانسیسیوں نے دلچسپ اور قابلِ قدر علمی کام کیا ہے۔ یہ بات قابلِ غور ہے کہ انہوں نے سیاست سے دور رہ کر قطعی آزادانہ طور پر ہندوستان کے علم و ادب میں سائنٹفک دلچسپی لی۔ ۱۸۲۷ء سے گارسین دتاسی نے اپنے آپ کو اردو کے لئے وقف کر دیا اور پروفیسر سلوسترد ساسی نے اس کی ہمت افزائی کی۔ فرانسیسی مقبوضات میں میں کہیں بھی اُردو نہیں بولی جاتی تھی۔ ان کا مقصد علم پروری نہ ہوتا تو وہ آسانی سے اُردو کو نظر انداز کر کے علاقائی زبانوں مثلاً تامل سے اور انتظامی امور میں فرانسیسی سے کام نکال سکتے تھے اردو کا انتخاب سیاسی و تجارتی نہیں بلکہ خالص علمی و سائنٹفک نقطۂ نظر سے ہوا اور پیرس میں اس کی تعلیم و تدریس شروع ہو گئی۔

ایک اور قابلِ توجہ پہلو یہ ہے کہ اٹھارویں صدی میں یورپی مستشرقین نے تحصیل علوم کے لئے متعلقہ ملکوں میں جانے کے بجائے اپنے اپنے ملک میں جمع شدہ مواد پر تحقیقی کام کو ترجیح دی اور زندگیاں کتب خانوں میں صرف کر دیں۔ فرانس میں یہ رجحان عام ملتا ہے چنانچہ سلوسترد ساسی نے فرانس میں رہ کر بغیر استاد کے بعض کتابوں کی مدد سے عربی اور فارسی سیکھی اور مہارت پیدا کی۔ گارسین دتاسی نے بھی اردو میں یہی کیا مگر ان خود آموختہ پروفیسروں نے پیرس میں بیٹھ کر اپنی اپنی متعلقہ زبانوں کی تعلیم و تدریس میں طالب علموں کی ہر ممکن مدد کی۔ اور متعلقہ زبانوں کی ترویج و اشاعت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔

فرانس میں مشرقی زبانوں کی تعلیم و تدریس سولہویں صدی سے "کولیژد فرانس" میں شروع ہوئی۔ عبرانی کی ۱۵۳۸ء، عربی کی ۱۵۸۷ء، ترکی اور فارسی کی ابتدا ۱۷۶۸ء میں ہوئی۔ اور یہیں دگوییں کی زیرِ نگرانی تاریخ ہندوستان و چین کی تدریس ہونے لگی۔ ۱۷۹۰ء میں دگوییں نے قومی اسمبلی میں تقریر کی کہ مشرقی زبانوں کی تعلیم ہمارے لئے ادب، سائنس اور تجارت کے نقطۂ نظر سے ضروری ہے اور یہ اس کا بڑا کارنامہ ہے کہ مشرقی زبانوں کی تدریس کو اور زیادہ مروج کرنے کے لئے ۱۷۹۵ء پیرس میں مدرسہ السنۂ شرقیہ

(ایکول دے لانگ اورنیتال وی وانت) کی بنیاد ڈالی گئی۔ پہلا ڈائرکٹر لانگلیس (۱۷۹۶ء تا ۱۸۲۴ء) مقرر ہوا۔ اس مدرسہ نے خاص و عام میں مشرق کے لئے تجسس کو ابھارا اور شوق پیدا کیا۔ اسی وجہ سے نپولین مصر کی مہم ۱۷۹۸-۹۹ء پر آمادہ ہوا۔ لانگلیس اور اس سے زیادہ سلوستر دساسی نے بڑی تعداد میں غیر ملکی طلبا اور عالموں کو پیرس کی طرف متوجہ کیا۔ اس مدرسہ نے تحقیقی ترقی کی رفتار تیز کی اور پیرس علمی وقار کا بڑا مرکز بن گیا۔[1] ۱۸۲۱ء میں لانگلیس نے اپنی عظیم تصنیف "ہندوستان کی قدیم و جدید یادگاریں" دو جلدوں میں شائع کی اور اس کی دوسری طباعت ۱۸۸۲ء پیرس میں ہوئی۔ دوسری قابل ذکر تصنیف "ہندوستان میں مشنریوں کی ادبی خدمات" پیرس میں ۱۸۱۷ء میں چھپی۔

مدرسہ السنہ مشرقیہ کا دوسرا ڈائرکٹر سلوستر دساسی ۱۸۲۴ء سے ۱۸۳۸ء تک رہا۔ وہ خود عبرانی۔ عربی۔ ترکی اور فارسی کا عالم اور غیر معمولی شخصیت و فکر کا مالک تھا۔ حقیقت بین اور مدرسہ کا خیر خواہ۔ اس نے مدرسے کی صدارت کے زمانے میں فرانسیسی عالموں کو ان زبانوں کی طرف متوجہ کیا۔ جن کی مدرسہ السنہ شرقیہ میں کمی تھی۔ وہاں عربی، ترکی اور فارسی کے اچھے عالم موجود تھے مگر ہندوستانی زبان کی نمائندگی کرنے والا کوئی نہیں تھا چنانچہ سلوستر دساسی نے السنہ شرقیہ اسلامیہ کے سلسلے کو مکمل کرنے کے لئے ہندوستانی کی تدریس کو بھی مروج کرنا چاہا۔ اپنے ارادے سے اس نے گارسین دتاسی کو مطلع کیا اور اپنے عزیز شاگرد کو اس نے ہندوستان کی مروجہ زبانوں میں مہارت حاصل کرنے کی ترغیب دلائی۔

گارسین دتاسی کو عربی، فارسی اور ترکی اچھی خاصی آتی تھی اور ان ہی زبانوں کی واقفیت نے اسے ہند شناسی اور ہندوستانی زبان کی مہارت میں مدد بہم پہنچائی۔ یہ

---

[1] Annuaire du college de France, Imprimerie Nationale, Paris, 1959, p. 6.

کہنا مشکل ہے کہ گارسین دتاسی نے اردو سیکھنے میں کتنا وقت صرف کیا۔ شاید دو سال۔ اس نے بغیر کسی استاد کی مدد کے انگریزی کتابوں سے ہندوستانی کی تحصیل کی۔ جب وہ اس زبان کی تدریس کے لایق ہوگیا تو اس کے استاد سلوستر دساسی نے اس کے لئے ۱۸۲۸ء میں ہندوستانی زبان کی پروفیسر شپ قایم کرنے کی اجازت مدرسہ السنہ مشرقیہ میں حاصل کی۔ اور اس وقت سے باقاعدہ اس زبان کی تعلیم شروع ہو گئی۔

گارسین دتاسی کی وفات کے بعد ۱۲ر اپریل ۱۸۷۹ء کے ریزولیوشن کے مطابق مدرسہ السنہ شرقیہ سے اردو کی پروفیسر شپ کو ختم کر دیا گیا۔ شاید اس کی وجہ یہ رہی ہو کہ کوئی ایسا مناسب آدمی نہیں تھا جو اس جگہ کو سنبھالتا کیونکہ گارسین دتاسی کے طالب علم پہلے ہی تتر بتر ہو گئے تھے۔ مدرسہ میں کئی سال بعد ۱۸۸۶ء میں ہندوستانی اور تامل زبان کی پروفیسری کے نام سے پھر ایک جگہ نکالی گئی جس پر ژولیاں ونسوں کا تقرر ہوا۔ ونسوں کے والد پانڈیچری میں مجسٹریٹ تھے وہیں اس کی پیدائش ہوئی اور بچپن سے اس نے تامل سیکھی اور پھر اس میں مہارت پیدا کی۔ ۱۸۸۳ء میں اس نے ایک چھوٹی سی ہندوستانی کی گرامر چھاپی جس میں بڑی غلطیاں کی ہیں۔ پھر اس نے ۱۸۹۹ء میں ہندوستانی کا ایک انتخاب چھاپا جس میں سنگھاسن بتیسی، توبۃ النصوح اور باغ و بہار میں سے اقتباسات لئے گئے ہیں۔ اس کے علاوہ ونسوں نے تامل گرامر اور دوسرے تحقیقی مضامین بھی لکھے وہ بنیادی طور پر تامل کا متخصص تھا۔ اس کے بعد ۱۹۲۱ء سے ژول بلوخ مدرسہ السنہ شرقیہ کی پروفیسری پر مامور ہوا۔ ژول بلوخ پہلا فرانسیسی تھا جو تعلیم حاصل کرنے کے خیال سے ہندوستان آیا اور اس نے کافی عرصہ یہاں قیام کیا۔ گارسین کو کبھی ہندوستان آنے کا اتفاق نہیں ہوا۔ ونسوں اٹھارہ سال کی عمر میں ہندوستان سے واپس چلا گیا البتہ ژول بلوخ نے ہندوستان کے قیام میں سنسکرت اچھی طرح سیکھی اور اردو ہندی میں مہارت پیدا کی۔ وہ مراٹھی زبان کا مورخ تھا اور وسیع دلچسپیوں کا مالک تھا۔ اس نے مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہندوستان کی موجودہ زبانوں کی تعلیم کے نام سے مراٹھی، ہندی اور اُردو کو بیک وقت شروع کیا۔ ژول بلوخ ۱۹۳۷ء میں کولیژ دفرانس منتقل ہوگیا۔ اس کے جانے کے بعد

مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہندوستان کی تینوں زبانوں کے لئے علیحدہ علیحدہ پروفیسر مقرر ہوئے۔

تامل : ژاں فلیوزا

ہندی : مارکووچ

اردو : رحمت علی

یہ سلسلہ دو سال تک چلتا رہا۔ ۱۹۳۹ء میں پیر مایل ہندی اور تامل کے لئے نامزد ہوئے۔ ان کی اردو سے ناواقفیت کی بنا پر اس کو ختم کر دیا گیا مگر اس کے کافی عرصہ بعد یہ انتظام کیا گیا کہ پروفیسر مایل کی زیر نگرانی اردو پڑھانے کے لئے کسی ہندوستانی یا پاکستانی کا تقرر تین سال کے معاہدہ پر کیا جاتا تھا۔ موسیو ماسے کے بیان کے بموجب اپنے مستعفی ہونے سے پہلے گیں برتیئر کا نام اردو کی پروفیسری کے لئے پیش کیا۔ وہ یکم فروری ۱۹۵۹ء سے اس جگہ پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے ساتھ اردو پڑھانے میں دو ہندوستانی عبدالماجد اور مادام محمد معاون ہیں۔

پیرس میں یونیورسٹی کی سطح پر اردو اختیاری مضمون کی حیثیت سے شامل ہے اس کی تدریس مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہوتی ہے جس کا نام بدل کر اب اس کو انستی تیوت دے لانگ اے سیویلیزاسیوں اورنیتال (ادارۂ زبان و ثقافت شرقیہ) کہتے ہیں۔

فصلِ اوّل

حیاتِ گارسیں دتاسی

فرانسیسی میں گارسین دتاسی کے حالات اور زندگی پر کوئی سیر حاصل مضمون یا کتاب موجود نہیں۔ اردو میں ڈاکٹر محی الدین قادری زور کا کتابچہ ناکافی ہے۔ فرانس کی مختلف سوانحی ڈکشنریوں میں کہیں کہیں چند سطریں نظر آجاتی ہیں یا اس وقت کے رسالوں میں کبھی مختصر نوٹ مل جاتے ہیں جو زیادہ تسلی بخش نہیں کیونکہ ان سے ہماری معلومات میں بہت کم اضافہ ہوتا ہے۔ دتاسی کے متعلق مواد جمع کرنے میں مجھے پیرس اور مارسیلز کے کتب خانوں اور محافظ خانوں سے پوری مدد ملی۔ جن میں پیرس کی ببلیوتیک ناسیونال۔ آرکائو ناسیونال اور ایکول اورنیتال لائبریری کے ساتھ ساتھ مارسیلز کی میونسپل لائبریری اور آرکائو قابل ذکر ہیں۔ گارسین دتاسی کی تصانیف بالخصوص سالانہ خطبات بھی اس کے نجی حالات پر روشنی ڈالتے ہیں۔

گارسین دتاسی کے والد ژوزلیف ژاک گارسین، مارسیلز کے ایک خوش حال تاجر ژاں ژوزلیف گارسین کے بیٹے تھے اور خود بھی تاجر تھے۔ ۲۱ جنوری ۱۷۹۳ء کو ان کی شادی کلیر ورژنی تاسی سے ہوئی جو مارسیلز کے ایک رئیس گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ ان کے والد آندرے تاسی شہر کے صاحب حیثیت لوگوں میں سے تھے۔ سال بھر بعد ۲۰ جنوری ۱۷۹۴ء کو ان کے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوا جس کے نام میں والدین کے ناموں کی رعایت رکھی گئی۔ گارسین دتاسی۔

محافظ خانہ مارسیلز میں محفوظ پیدائش نامہ مورخہ ۲۱ جنوری ۱۷۹۴ء کا خلاصہ درج ذیل ہے جو نام اور وقت پیدائش کا تعین کرتا ہے:

"فرنچ ری پبلک کے دوسرے سال بوقت دوپہر ہمارے افسر کے سامنے

ژوزیف ژاک گارسین معہ دو گواہوں کے پیش ہوا اور اطلاع دی کہ کل
سات بجے شام اس کے یہاں لڑکا پیدا ہوا جس کو ژوزیف ایلو دورساجس
ورتو گارسین زناسی نام دیا گیا "۔

پیدائش نامہ پر جن لوگوں نے دستخط کئے ان میں مارسیلز کا زمین دار بلیز ناسی (بچہ کا ماموں) بھی تھا۔

زناسی اپنے بھائیوں میں سب سے بڑا تھا۔ محافظ خانہ مارسیلز کے رجسٹروں سے تصدیق ہوتی ہے کہ اس کے دو بھائی اور تھے۔ منجھلا چارلس ویلینٹ فرانسیس ۲۳ر اکتوبر ۱۷۹۶ء کو مارسیلز میں پیدا ہوا اور چھوٹے بھائی ژوزیف تھیوفیل کی ولادت بھی وہیں ۹ر اگست ۱۸۰۲ء کو ہوئی۔

گارسین زناسی نے مارسیلز چھوڑ کر پیرس میں سکونت اختیار کی مگر اس کے بھائی اور خاندان کے دوسرے افراد اپنے وطن میں ہی مقیم رہے۔ جن میں فارغ البال تاجر ہی نہیں، اچھے افسر بھی ہوئے۔ خود گارسین زناسی کا چھوٹا بھائی ژوزیف تھیوفیل مارسیلز کی میونسپلٹی میں ایک معزز عہدہ (مشیر) پر فائز تھا۔ غرض شہر کا یہ ایک ممتاز اور مقتدر خاندان تھا۔ اس کا بھتیجا اور وارث ایلو دور ۸ر اگست ۱۸۳۶ء کو مارسیلز میں پیدا ہوا۔ یہ بھی تجارت کرتا تھا۔ آخر عمر میں وہ اکیلا اپنے گھر میں دو خادماؤں کی زیر نگرانی رہتا تھا۔ اس کی وفات اپنے وطن میں ۲۶ جنوری ۱۹۱۱ء کو ہوئی۔ وہ لاولد مرا۔ اس کے بعد سے اس خاندان کا کوئی پتا نہیں چلتا۔

گارسین زناسی اپنے آبائی مکان نمبر ۱۳ سڑک بینوار مارسیلز میں رہتا تھا۔ وہیں اس کا لڑکپن گذرا[1]۔ اس کی ابتدائی زندگی کی قطعی کوئی تفصیل نہیں ملتی۔ جنوبی فرانس کی مشہور انسائیکلوپیڈیا صرف یہ کہہ کر خاموش ہو جاتی ہے کہ "اس ذہین اور محنتی مستشرق کے بچپن

---

[1] Novelles Biographies, Generales, Tome XIX, p. 468.

اور نوجوانی کے متعلق کچھ نہیں معلوم ہے[1] بیس سال کی عمر (۱۸۱۴ء) میں اس نے اپنے وطن میں مصر سے آئے ہوئے قبطی عیسائی استاد جبرئیل طویل سے عربی پڑھنی شروع کی اور اس کے بعد ایک اور مصری عیسائی رفائیل دموناشی سے درس لیتا رہا۔

یورپ میں اس وقت مشرق اور مسلمانوں کی دولت کا چرچا عام ہو گیا تھا خصوصیت کے ساتھ سلطنتِ مغلیہ کی ثروت اور حکومت عثمانی کی صولت پرکشش تھی۔ اور ہر نوجوان کو ان ممالک کے خواب دکھایا کرتی تھی۔ گارسین دتاسی کے والد مارسیلز کے تاجر تھے۔ اس اہم بندرگاہ پر مشرق سے ہر وقت آمد و رفت رہتی تھی۔ اسی لئے مارسیلز میں عربی کی تحصیل کا اچھا انتظام تھا کیونکہ تاجروں کو اس کے ذریعے اپنے کام میں مدد ملتی تھی۔ اس لئے تعجب نہیں کہ دتاسی اس طرف کھنچ گیا ہو اور عربی تعلیم شروع کردی ہو فرانس میں السنہ شرقیہ سے دلچسپی پیدا ہو چلی تھی شاید اسی لئے نوعمر گارسین دتاسی نے اس تعلیم کو ترجیح دی۔ چونکہ ایک علمی ذوق رکھنے والے کا تجارت سے نباہ آسان نہیں تھا اس لئے ۲۳ سال کی عمر میں جب اس نے اس سلسلے کو جاری رکھنے کا فیصلہ کرلیا تو اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کی غرض سے ۱۸۱۷ء میں وطن چھوڑ کر پیرس آگیا۔

پیرس کے مدرسہ السنہ شرقیہ میں مشہور مستشرق سلوستر دساسی عربی کا پروفیسر تھا۔ وہ تینوں مشرقی اسلامی زبانوں (عربی۔ فارسی اور ترکی) کا ماہر اور انھیں روانی سے بولتا تھا۔ اس نے فرانس میں السنہ شرقیہ کو متعارف اور مروّج کرنے میں پیش قدمی کی اور نوجوانوں میں اس روایت کا شوق و ولولہ پیدا کیا۔ پیرس آکر جب گارسین دتاسی نے مشورہ لیا تو اس نے نووارد کی ہمت افزائی اور ہر ممکن مدد کی۔ اس نے سلوستر دساسی جیسے شفیق و ماہر استاد کی زیرنگرانی چار سال دن رات ایک کرکے تینوں اسلامی زبانوں میں مہارت و بصیرت پیدا کی اور پیرس کی سوربون یونیورسٹی سے ان زبانوں کا ڈپلوما اعزاز کے ساتھ حاصل کیا۔ اس دوران السنہ شرقیہ کی تعلیم، سلوستر دساسی سے قرب و تعلق اور استاد کی منفرد جاذب شخصیت نے محنتی شاگرد کے ذہن اور علمی مذاق کی تربیت و رہبری کی جس کا اعتراف گارسین دتاسی نے ہمیشہ محبت و شکر گذاری کے ساتھ کیا۔

---

[1] Les Bouches du Rhone, Encyclopedie departmentale, Tome XXI, p. 223.

چار سال کی محنت کے بعد اس نے ۱۸۲۱ء میں عز الدین مقدسی کی کتاب "کشف الاسرار عن حکم الطیور و الازھار" کو بعد مقابلہ و تصحیح شایع کیا اور فرانسیسی میں اس کا ترجمہ بھی کیا۔ اس تصنیف کی اشاعت سے گارسین دتاسی کی علمی زندگی کا آغاز ہوتا ہے۔ ۱۸۲۱ء کے اختتام پر یونیورسٹی تعلیم ختم کرتے ہی وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہوگیا۔ اس وقت سلوستر دساسی کولیژ د فرانس میں فارسی کا پروفیسر تھا۔ اس کی اعانت سے وہاں اس کا شاگرد سکریٹری مقرر ہوگیا۔

گارسین دتاسی نے اپنی ملازمت کی ابتدا پیرس کے ہی مشہور ترین تحقیقی اور علمی ادارہ کولیژ د فرانس سے کی جہاں وہ سکریٹری ہوگیا تھا مگر یہ دفتری ملازمت اس وقت تک کے لئے کر لی تھی جب تک کوئی اور مناسب صورت نہ نکلے۔ یہ ایک صاحبِ ذوق و علم کو مطمئن نہیں کر سکتی تھی اور ایک مستشرق کو جدو جہد اور محنت کے بعد خود ہی اپنا راستہ نکالنا پڑتا ہے۔ اس نے یونیورسٹی سے فارغ ہوتے ہی ملک کی علمی سرگرمیوں میں حصہ لینا شروع کر دیا تھا۔ پیرس کی مشہور انجمن مستشرقین "سوسیتے ازیاتک" کی بنیاد ۱۸۲۲ء میں پڑی وہ اس کے بانیوں میں سے تھا اور اسی سال یکم اپریل سے آنریری طور پر وہ اس کا اسسٹنٹ سکریٹری اور لائبریرین مقرر ہوا[1]۔ اس سے ذرا پہلے دتاسی نے مشرقی ادب پر ایک تفصیلی لکچر "سر کلر دے زار" کے سالانہ جلسے کے موقع پر دیا جو مقبول ہوا اور "یونیورسل میموار" میں چھپا۔ اس میں مشرقی ادب کی ترقی، نشو و نما اور اہمیت کو واضح کیا گیا تھا اور اس کا مقابلہ مغربی کلاسیکل ادب سے کرتے ہوئے اس کا ہم پلّہ قرار دیا تھا۔ اس کے بعد سے وہ برابر متعلقہ موضوعات پر علمی و ادبی مضامین و کتابیں شائع کرتا رہا۔

سلوستر دساسی السنہ شرقیہ کا ماہر تھا اور علم دوست بھی۔ وہ ۱۸۲۴ء تا ۱۸۳۸ء مدرسہ السنہ شرقیہ پیرس کا ڈائرکٹر رہا۔ جہاں عربی وہ خود بھی پڑھایا کرتا تھا اور فارسی ترکی کے عالم پروفیسر بھی موجود تھے مگر کوئی ایسا نہیں تھا جو ہندوستان کے کروڑوں باشندوں کی زبان

---

[1] Le livre du Centenaire de la societe Asiatique, 1822-1922.

"ہندوستانی" سے واقف ہونا۔ چنانچہ اس نے السنہ شرقیہ کے سلسلے کو مکمل کرنے کے لئے اس زبان کی تدریس ضروری سمجھی۔ وہ موزوں افراد کا انتخاب کر کے ان کی سرپرستی کرتا رہا۔ اس نے اپنے ارادے سے گارسین دتاسی کو مطلع کیا اور حکومتِ فرانس کو آمادہ کیا کہ مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہندوستانی کی تعلیم باقاعدہ شروع کی جائے۔

گارسین دتاسی انگریزی سے اچھی طرح واقف تھا اور انگریزی میں اردو سیکھنے کے لئے گرامر، ڈکشنری اور انتخابات موجود تھے۔ ان کی مدد سے بڑی جانفشانی کے ساتھ اس نے اُردو سیکھی۔ وہ انگلستان گیا کہ وہاں اردو عالموں سے ملے۔ اور اس زبان کے رسالے، قلمی اور مطبوعہ نسخے دیکھے اور ان سے استفادہ کرے۔

حکومت فرانس نے ۱۸۲۸ء میں موسیو مارتیانک کے مختصر عہدِ وزارت میں جب اُردو کی پروفیسر شپ منظور کر لی تو استاد نے اپنے شاگرد کو اس کا بجا طور پر مستحق سمجھ کر سفارش کی کہ یہ جگہ گارسین دتاسی کو تفویض کی جائے۔ اس کا تقرر ابتداً عارضی طور پر ہوا۔ سلوستر دساسی کی طرف سے عوام کی توجہ مبذول کرانے کے لئے اخبار مونیٹر مورخہ ۱۶ رجون ۱۸۲۸ء کو ذیل کا مضمون شایع ہوا:-

"السنہ مشرقیہ کی تعلیم جو کئی سالوں سے یورپ میں مروّج ہے اس میں حکومت فرانس نے اور پیش قدمی کی جس سے ان کی ادب و سائنس میں بڑھتی دلچسپی کا ثبوت ملتا ہے اور ان نوجوانوں کی بھی ہمت افزائی ہوتی ہے جو اس تعلیم کے خواہاں ہیں۔ ۲۹ رمئی کو حکومت نے مدرسہ السنۂ شرقیہ میں ہندوستانی کی پروفیسر شپ کا اعلان کیا ہے۔ رایل کولیژ د فرانس میں ۱۸۱۴ء لوئی ہیژدہم کے وقت سے سنسکرت پڑھائی جارہی ہے اور اب اکول اور نیتال دے لانگ وی وانت (جہاں بالخصوص زندہ زبانیں پڑھائی جاتی ہیں) میں ایسی زبان کی تعلیم حاصل کی جاسکتی ہے جو فارسی اور سنسکرت سے مل کر بنی ہے اور یہ مخلوط زبان ہندوستان کی مختلف قوموں میں اس درجہ پھیلی ہے کہ پورے ملک میں بول چال کا یہی عام ذریعہ ہے۔

اس عظیم ملک میں یوں تو دس گیارہ زبانیں بولی جاتی ہیں مگر غیر ملکیوں کے لئے ہندوستانی سیکھ لینا کافی ہے۔ تقریباً سارے ہندوستان میں راس کماری سے لیکر بلوچستان تک اور سندھ سے لے کر برہم پتر کی وادیوں تک سمجھی جاتی ہے۔ دوسری زبانیں مثلاً بنگالی اور تامل وغیرہ اپنے علاقوں تک محدود ہیں مگر ہندوستانی ہی ملک کی عام یا قومی زبان کہی جا سکتی ہے۔ ہندوستانی تہذیب یافتہ زبان ہے اور اپنے طبع زاد کارناموں اور ترجموں کی وجہ سے وسیع اور قابل توجہ ادب کی مالک ہے۔ چنانچہ اس زبان کی ابتدا سے السنہ شرقیہ کی سرپرستی ہوتی ہے..... گارسین دتاسی جن کے ذمے یہ خدمت سپرد ہوئی ہے اس کو بخوبی جانتے ہیں اور انگلستان جاکر انھوں نے ماہرین زبان سے بھی مدد لی ہے اور وسیع معلومات رکھتے ہیں۔ پچھلے پندرہ سال سے تین اسلامی مشرقی زبانوں پر کام کر رہے ہیں۔ ان کے مضامین اور کتابیں مختلف موضوعات پر برابر شائع ہو رہی ہیں۔ چھٹیوں کے ختم ہوتے ہی ہندوستانی زبان کی تعلیم شروع ہو جائے گی اور ابتک جو دیر ہوئی وہ اس لئے کہ پروفیسر موصوف ہندوستانی کی گرامر مرتب کرنے اور اس کی طباعت میں مشغول تھے۔"[1]

اس اعلان کو دیکھنے کے بعد ایک شخص شوم نے اس کا مفصل جواب اڈیٹر کے نام لکھا جس کے کچھ ضروری اور دلچسپ حصے نقل کئے جاتے ہیں:

"حقیقتاً ہندوستانی سوائے مسلمانوں کے اور کوئی نہیں سمجھتا۔ جہاں تک اس کے ادب کا تعلق ہے اس میں عربی فارسی سے ترجموں کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ ہر صاحب ذوق اصل کو ترجموں پر ترجیح دے گا۔ جہاں تک شاعری کا تعلق ہے چاہے وہ طبع زاد ہو یا ترجمے۔ اس کے لکھنے پڑھنے والوں کے لئے ضرور جاذب ہے

---

[1] Le Moniteur Universel,, Lundi, 16 Juin 1828, No. 168. p. 864, Colonne 3.

مگر یورپ کے لئے ہیں۔ ہندوستان میں تاریخی اور عالمگیر دلچسپی کے طبع زاد کارنامے بھی لکھے گئے ..... حکومت سے اس تعلیم کی درخواست اس بنا پر کی گئی کہ یہ ہندوستان کے مختلف حصّوں میں بول چال کے کام آتی ہے مگر یہ نہ تو فرانسیسی مقبوضات میں سمجھی جاتی ہے اور نہ ہی مذہبی نقطۂ نظر سے فائدہ مند ہے کیونکہ مسلمان عیسائیت میں دلچسپی نہیں لیتے اور نہ ہی اس میں کوئی جوش دکھاتے ہیں ..... گارسین ڈتاسی کا انتخاب اس زبان کی پروفیسر شپ کے لئے ہوا ہے اور وہ جلد اس زبان کی گرامر شائع کرنے کا وعدہ کرتے ہیں مگر ہندوستانی اس قدر آسان ہے کہ بغیر گرامر کے سیکھی جا سکتی ہے۔ مصدر، ان کی بناوٹ اور فعل کے کچھ اصول معلوم کر لینے کافی ہیں۔ اس کے علاوہ کچھ پہلے سے کئی گرامریں موجود ہیں مثلاً دو تین گل کرسٹ نے لکھی ہیں۔ ایک جان شکسپیئر کی جو سب سے اچھی ہے۔ ایک پرائس۔ ایک اسمتھ۔ اور سن فورڈ آرنو کی بھی قابل ذکر ہے۔ یہ کتابیں انگریزی میں ہیں اور ہندوستانی پر تحقیق کرنے والے کے لئے انگریزی جاننا ضروری ہے۔ ہندوستان جانا بھی مفید ہوگا...... ہندوستانی فرانسیسی گرامر تیار ہو جائے جب بھی انگریزی کے بغیر کام نہ چلے گا کیونکہ ڈکشنری انگریزی زبان میں ہے ...... یہ یقیناً اہم ہے کہ حکومت ان نوجوانوں کی ہمت افزائی کرے جو مشرقی ادبی زبانوں کو سیکھنا چاہتے ہیں مگر یہ بھی ضروری ہے کہ ہمت افزائی ایسے مقاصد کی طرف رہبری کر سکے جو مذہب، سیاست، تجارت اور ادب کے نقطۂ نظر سے اہم ہوں۔ ہندوستانی کی تعلیم سے بظاہر ان میں سے کوئی مقصد پورا نہیں ہوتا۔ مسلمان عیسائی نہیں بنتے اور کوئی اس زبان سے واقف ہو تو یہ بھی کوئی امتیاز کی بات نہیں سمجھی جاتی اور نہ ہی ہمت افزائی اور قدر دانی کی جاتی ہے"[1]

---

[1] Nouvelles annalles des voyages, Paris, 24 Juin, 1828.

اس طویل خط سے مصنف کی تنگ ذہنیت اور تعصب کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس نے خط پر ہی اکتفا نہیں کی بلکہ کتابچہ کی شکل میں چھپوا کر تقسیم بھی کیا۔ خوش قسمتی سے اس کی کوئی شنوائی نہیں ہوئی اور اعلان کے مطابق ہندوستانی کی تدریس پیرس کے مدرسۃ السنۂ شرقیہ میں شروع ہوگئی۔

۱۸۲۹ء میں گارسین دتاسی نے سوصفحے کی گرامر لکھی۔ ملازمت کے ابتدائی برسوں میں اس کو پے بہ پے دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا مگر اس نے اپنی علمیت، ذہانت اور محنت کی وجہ سے اپنی جگہ بنالی۔ طالب علم جوق در جوق اس زبان کی طرف رجوع ہونے لگے۔ ۷ اردسمبر ۱۸۳۰ء کو ہندوستانی زبان کی پروفیسر شپ مستقل کردی گئی۔ گارسین دتاسی نے اپنے شوق علمی کی ساکھ قائم کردی اور کچھ عرصہ بعد ہی اس کا سنہری دور شروع ہوگیا۔ سالہاسال مدرسہ السنۂ شرقیہ میں اس زبان کی تعلیم کے لئے دور دور سے غیر ملکی طالب علم آتے رہے جن میں بڑی تعداد انگریزوں کی ہوتی جو ہندوستان کی ملازمت کے خواہاں ہوتے۔

تدریس ہندوستانی کی مخالفت میں شوم نے جو مضمون لکھا تھا اس کی چھاپ دتاسی پر اتنی گہری پڑی کہ ہمیشہ دکھتی رگ کی طرح اس کے ساتھ رہی۔ ہر سال یونیورسٹی کھلنے پر جب وہ سالانہ لیکچر دیتا تو اس میں کم وبیش اس بات پر زور دیتا کہ ہندوستانی ملک کی عام زبان ہے جس کو کروڑوں ہندی باشندے بولتے ہیں جس کا ادب ترقی پذیر اور قابل توجہ ہے۔

یورپ کے علمی حلقوں میں آج بھی یہ نقطۂ نظر عام ہے کہ زندہ زبانوں کے مقابلہ میں کلاسیکل زبانیں تحقیق کے لئے زیادہ مفید ہیں۔ اس لئے سنسکرت کو شوق سے پڑھنے والے زیادہ ملیں گے اور ہندوستان کی موجودہ زبانوں میں دلچسپی لینے والے کم ہوں گے حالانکہ اِدھر حال ہی میں ہندوستان اور فرانس میں تعاون باہمی کی وجہ سے ہندی پڑھنے کا چلن بڑھ گیا ہے۔

۱۸۵۷ء کے سالانہ خطبہ میں گارسین دتاسی ایک جگہ مطلع کرتا ہے کہ میں نے ۱۸۱۷ء میں پہلی دفعہ ہندوستانی نسخے لانگلیس کے نادر کتب خانہ میں دیکھے جن میں افسوس کی آرائش محفل قابل ذکر ہے جو اردو کی بہترین کتابوں میں سے ہے۔[۱]

---

[۱] La Langue et la litterature Hindoustanie 1875, p. 24.

اس سے یہ مراد نہیں کہ اس نے اردو سیکھنی اس وقت سے شروع کر دی تھی۔ اس کی ابتدائی تصانیف تو عربی، فارسی سے متعلق ہیں۔ اردو اس نے بعد میں سیکھی مگر جب پڑھی تو بڑی عرق ریزی کی اور اس کا شوق مطالعہ روز افزوں ہوتا گیا۔ اس نے تین بار انگلستان کا سفر کیا اور کافی عرصہ قیام کیا تاکہ اردو دالوں سے تفصیلی ملاقات اور تبادلۂ خیال کر سکے۔ ان سے ادبی رجحانات اور نئی مطبوعات کے متعلق بات چیت ہو سکے۔ وہاں اس کی ملاقات ڈبلیو۔ الیف۔ ایلین سے ہوئی جو "انڈین میل" کا مدیر تھا "ایشیاٹک سوسائٹی لندن کے سکریٹری ایڈون نورس سے ملا جس کو لسانیات اور ہندوستانی زبان سے شغف تھا۔ ڈنکن فوربز سے ملاقات کی جس نے ہندوستانی انگریزی ڈکشنری مرتب کی تھی اور جس نے ارنوٹ کے ساتھ مل کر لندن میں اورنیٹل انسٹی ٹیوٹ قایم کیا تھا اور یہ دونوں گل کرسٹ کے شاگرد ہیں۔"[1]

اپنے خطبات میں وہ کچھ اور مستشرقین احباب کا خلوص سے ذکر کرتا ہے جن میں ڈبلیو۔ ایچ۔ سائیکز۔ ہنری کورٹنر۔ الیگزنڈر کاظم بیگ۔ تھیوڈور گولڈ اسٹکر اور میری کارپینٹر اہم ہیں۔

مشرقی السنہ کے شغف اور یہاں کی زبانوں کے ادب پر اس کے تبصروں کی شہرت رفتہ رفتہ ہندوستان بھی پہنچی اور یہاں باخبر حضرات نے اس کی خدمتوں کا اعتراف کرنا شروع کیا۔ چنانچہ اس کے متعلق اخبار سینٹیفک سوسائٹی علی گڑھ ۱۹ راپریل ۱۸۶۷ء میں مندرجہ ذیل نوٹ چھپا:

گارسین ڈتاسی صاحب

(منقول از اخبار عالم)

والا مرتبت عالی منزلت جناب تجدمآب مسٹر مونیشر گارسین دتاسی صاحب بہادر جو ممبر اعلیٰ دی لا انسٹی ٹیوٹ پیرس دارالسلطنت ملک فرانس کے ہیں، علوم متعارفہ اور زبان مختلفہ میں بڑی لیاقت اور عمدہ فضیلت رکھتے ہیں بلا مبالغہ اظہار کیا جاتا ہے کہ اس لیاقت اور فضیلت کا انسان کم ہوگا۔

---

[1] La langue et la litterature Hindoustanie, 1866, p. 450.

فصاحت عبارت فارسی اور اردو کی باوجودیکہ صاحب ممدوح نے کبھی ملک ہندوستان اور فارس میں تشریف لاکر یہ زبان نہیں سیکھی ہے، پھر بھی ایسی عمدہ ہے کہ جس کی فصاحت اور بلاغت قابل ہزار ہزار تحسین و آفرین کے ہے، سوائے اس کے علوم متداولہ اور السنہ مختلفہ ملک یورپ میں بھی صاحب ممدوح کو استعداد کامل اور ملکہ حاصل ہے۔ زیادہ تر خوبی یہ ہے کہ بحالت ایسے جوہر عمدہ اور فضیلت بے نہایت کے اخلاق کریم اور اشفاق عمیم خداداد حاصل ہے۔ سبحان اللہ انکسار اور فروتنی صاحب ممدوح کی ذات فیض آیات میں اس قدر ہے کہ جیسی بڑے بڑے بزرگوں اور تارک الدنیا اہل دل میں ہوتی ہے، سچ ہے:

تواضع ز گردن فرازاں نکوست
گدا گر تواضع کند خوئے اوست

اللہ اکبر اس فضیلت علمی اور رتبہ عالی پر یہ کچھ خاکساری ہے:

نجابت ہر کرا چوں مہر بارفعت قریں باشد
اگر بر چرخ چارم رفت چشمش بر زمیں باشد

صاحب معزی الیہ ہر آئینہ اس قابل ہیں کہ جس کسی کو ہمت اور توفیق یاوری دے وہ اُس ملک میں پہنچ کر صاحب ممدوح کی خدمت میں رہ کر استفاضہ علوم اور فضیلت کا حاصل کرے۔ صاحب ممدوح ملک فرانس کے رؤسائے والا ہمم سے ہیں اور تمام ممالک دور دراز میں مشہور اور معروف ہیں اور ارباب علم ان کی توصیف اور تعریف میں رطب اللسان اور عذب البیان ہیں۔ کیا خوب ہو اگر ایسے مجمع فضیلت کریم اخلاق ملک ہندوستان میں تشریف لاکر سیاحت فرماویں تاکہ اس ملک کے آدمی بھی اس حال سے واقف ہوں کہ غیر ممالک کے آدمی مجمع فضیلت اور رئیس عالی باوجود ہر طرح کی مخالفت قومی اور مذہبی کے غیر ملک کے آدمیوں سے ایسے اخلاق اور تواضع سے پیش آتے ہیں کہ ان کے ہم جنس اور ہم وطن اور ہم رتبہ بھی ویسے نہیں ہیں۔ راقم اخبار عالم صاحب ممدوح کی کرم فرمائی غائبانہ اور قدر دانی

بے پایانہ کا ممنون اور مشکور ہے کہ صاحب ممدوح نے اپنی اسپیچ یعنی تقریر فوائد تخمیر کی ایک کتاب جو بہ زبان فرانسیسی چھپی ہے، مرحمت فرمائی اور اپنی تصویر بھی جس سے ایک کمال علم اور وقار اور عظمت اور انکسار معلوم ہوتا ہے، فوٹو گرافک کی کھینچی ہوئی عطا کی۔ انشاء اللہ تعالیٰ آیندہ حال مفصل صاحب ممدوح کا بنظر اطلاع اس ملک کے آدمیوں کے زیب صفحۂ اخبار ہوگا۔" (ص ۲۴۸ ۔ ص ۲۴۹)

وہ ہندوستانیوں اور ہندشناسوں سے ملنے کا ہمیشہ خواہش مند رہتا تھا۔ اگر کوئی پیرس آتا تو وہ سمجھتا جیسے یہ اُسی کا مہمان ہو۔ اس کے خطبات اور خطوط میں اکثر ہندوستانیوں سے ملاقات کا ذکر ملتا ہے۔ ۷۲-۱۸۷۱ء میں سرسید احمد خاں کے صاحبزادے سیّد محمود پیرس گئے تو ان کی بڑی خاطر کی، اپنے گھر مدعو کیا اور اپنی کتاب "تاریخ ادبیات ہندوئی و ہندوستانی" بطور تحفہ دی۔ ایسے ہی مولوی مسیح الدین خاں رئیس کاکوروی مشیر شاہ اودھ سے پیرس میں مل کر خوشی کا اظہار کرتا ہے اس کی ملاقات ولیم میور سے بھی پیرس میں ہوئی جن کے بارے میں اطلاع دیتا ہے کہ انہوں نے پانچ ہزار روپے بہترین ہندوستانی کتابوں کے لئے ۷۳-۱۸۷۲ء میں وقف کئے جو سولہ اردو اور دو ہندی کے مصنفین کو ملے۔ ڈبلیو فوکس سیکرٹری معزول نواب مرشد آباد سے بھی پیرس میں ملنے کا ذکر کرتے ہوئے ان کی قدرت زبان کا اعتراف کرتا ہے۔[۱]

گارسین دتاسی کی مراسلات ہندوستان کے مصنفین، ناشرین، اخبار اور رسائل کے مدیروں اور چھاپہ خانہ کے مالکوں سے بھی تھی۔ مثلاً وہ شکر گذار ہے کہ "اخبار الاخیار" اس کے منتظم مولوی سیّد امداد علی نے از راہ عنایت بھیجا۔

اس کی خط و کتابت ہندوستان میں بہت سے ہندشناسوں سے مستقل رہی ہے۔ فیلکس بوتروؔ فرنچ مستشرق جو دہلی کالج میں پروفیسر تھا اور بعد میں اس کا پرنسپل ہوگیا تھا۔ اس کا اچھا دوست تھا۔ اس سے متفرق مسائل بوقت ضرورت پوچھتا رہتا تھا اور پابندی سے

۱۔ La langue et la litterature Hindoustanie, 1877, p. 96.

خط لکھتا تھا۔ اس کے تعلقات باذوق اور علم کے قدر دان انگریزوں سے بھی تھے جو اس کو مطلوبہ کتابیں۔ رسالے اور قلمی نسخوں کی نقلیں بھیجتے رہتے اور تحقیق طلب امور کا جواب بعد دریافت اور کاوش کے دیتے رہتے تھے۔ ان میں سر الیگزنڈر گرانٹ (ڈائرکٹر تعلیمات بمبئی) سر چارلس ٹریولین۔ ایم تسکال۔ میجر جمیز اور میجر فلکر قابل ذکر ہیں۔ اپنے خطبہ میں افسوس سے بیان کرتا ہے کہ فرانسیس ٹیلر (پرنسپل دہلی کالج جو غدر میں شہید ہوئے ہیں) سے علمی امداد متواتر ملتی رہی۔

"فرانسیس ٹیلر مجھے اکثر و بیشتر شمالی ہند کی ادبی تحریکات سے مطلع کرتے رہے۔ ان پر ادبی مسائل کی فراہمی کے لئے بڑا بھروسہ تھا وہ خط کا جواب پابندی سے دیتے اور جو پوچھا جاتا اس میں اپنے حتی الامکان تحقیق کرتے۔ وہ ہندوستانی زبان سے بخوبی واقف تھے اور اس کے عالموں سے ان کے دوستانہ مراسم تھے اس لئے بحث طلب معلومات میں وہ اہلِ زبان عالموں کی رائے بھی لیتے رہتے تھے۔ اس سے ان کے ادبی و علمی معاون ہونے کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔"[۱]

گارسین دتاسی نے اُردو کے لئے جان شیکسپیر کو اپنا استاد تسلیم کیا ہے۔ اس عظیم مستشرق کی موت پر غم کا اظہار کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ " وہ ایسا غیر معمولی عالم تھا جس نے ابتداء صدی سے نہایت کامیابی کے ساتھ ہندوستانی پر لکھنا شروع کر دیا تھا وہ ہندوستانی زبان کے لئے رومن رسم الخط کا بہت مخالف تھا۔ میں جان شیکسپیر کا ذکر کرتا ہوں جو میرے اردو کے استاد تھے ایسے ہی جیسے عربی فارسی کے لئے سلوستر دساسی تھے۔"[۲]

ہر چند کہ وہ جان شیکسپیر کو اپنا استاد مانتا ہے مگر اس کی کوئی یقینی شہادت نہیں ملتی کہ باقاعدہ طور پر اس نے انگلستان میں رہ کر شیکسپیر سے اردو پڑھی ہو۔ وہ اس سے متعدد بار ملا۔ دونوں میں پابندی کے ساتھ مراسلت بھی تھی۔ اس سے کتابیں وغیرہ منگواتا رہتا تھا اور متفرق علمی مسائل میں مشورہ لیتا تھا۔

ا؎ La Langue et la litterature Hindoustanie 1857, p. 126.

۲؎ ibid., 1859, P. 184.

ان ملاقاتوں، علمی تبادلۂ خیال اور قدر دانی کی وجہ سے اسے اپنا استاد سمجھتا ہے۔ یہ تعلق شاید روحانی زیادہ تھا۔

گارسین دتاسی کو سیاست سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ اس کی تصانیف اور تقریروں سے اس خیال کی وضاحت ہوتی ہے وہ اپنی زندگی ہی میں مشہور ہوگیا تھا اور خاطر خواہ قدر دانی بھی ہوئی۔ اس کی علمیت اور لیاقت کے اعتراف میں اسے ۳ راگست ۱۸۳۸ء کو پرنس تالیران کے مرنے پر فرانس کی "اکیڈمی دے زنسکرپسیوں اے بیل لیٹر" کا ممبر مقرر کیا گیا جو کسی بھی فرانسیسی عالم کے لئے سب سے بڑا اعزاز ہے۔ ۲۸ رجون ۱۸۷۶ء کو وہ سوسیتے ازیاتک پیرس کا صدر منتخب ہوا۔ انگلستان سے امپریل اسٹار آف انڈیا کا اعزاز ملا۔ پیٹرز برگ۔ برلن۔ میونک۔ ویانا۔ فلورنس۔ اپسالا۔ امریکن اورینٹل سوسائٹی۔ انجمن اسلام لاہور۔ انسٹی ٹیوٹ گزٹ علی گڑھ۔ پرتگال اور سوئیڈن کی اورینٹل مجلسوں کا بھی رکن مقرر ہوا۔ وہ فرانس کی اورینٹل سوسائٹی اور علم الاقوام کی انجمن کا نائب صدر تھا۔

گارسین دتاسی کو شاہ فرانس کے دربار میں اپنے اولین کارنامے "کتاب کشف الاسرار عن حکم الطیور والازھار" کی طباعت اور اس کے فرانسیسی ترجمہ کے صلے میں حاضری کا شرف نصیب ہوا۔ اس میں شاید سلوسٹر دساسی کی اعانت شامل تھی۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ شاگرد کی بہ نسبت استاد کو دنیاوی اعزاز اور رکھ رکھاؤ سے زیادہ دلچسپی تھی۔

گارسین دتاسی رومن کیتھولک عقائد کا پکا عیسائی تھا۔ اپنے سالانہ خطبات میں وہ عیسائی مشنری کارروائیوں کا ذکر کرتے ہوئے قبول عیسائیت کی تفصیل و تعداد دیتا تھا جس سے اس کے مذہب کے شغف کی شہادت ملی ہے مگر وہ عام اور روایتی قسم کا عیسائی نہیں تھا۔ اس نے مختلف مذاہب کا تقابلی مطالعہ کیا تھا۔ اس کا ایمان تھا کہ سب مذہب انسان کی رہبری ایک ایسی بلند حقیقت کی طرف کرتے ہیں جو کثرت و تنوع کے باوجود وحدت و کلیت کی حامل ہے۔ اس کے خیال میں یہ بنیاد تمام مذہبوں میں مشترک ہے اور بنیادی طور پر ان میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ اسی لئے اسلامی عقائد کو سمجھنے اور سمجھانے میں اس نے صبر اور بڑی ہمدردی سے کام لیا ہے۔

گارسین دتاسی کی شادی اپنی پسند اور خواہش سے ۵ ردسمبر ۱۸۲۱ء کو "میری فیلی سٹ

صوفی سیسے" سے پیرس میں ہوئی[1] وہ اپنی بیوی کو بہت چاہتا تھا۔ ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی، مگر ازدواجی زندگی خوشگوار اور مطمئن گذری، رفیقۂ حیات سے محبت اور اس کی عزت کے جذبہ کا اندازہ ۱۸۷۵ء کے خطبہ سے ہوتا ہے جس میں وہ کہتا ہے کہ:

" میں ہندوستانی مصنفین اور مستشرقین کی وفات کے بیان سے پہلے اپنے ذاتی نقصان اور جانکاہ سانحہ کا ذکر کرتا ہوں کہ میری محبت کرنے والی ہمہ صفت شریک حیات صحیح معنوں میں پتی ورتا، نرم گفتار و خدمت گذار جو باون سال تک میری دلاسائی اور خوش قسمتی کا باعث رہی۔ آج ہمیشہ کے لئے مجھے تیرہ و تار کرگئی۔ تسلی اب تو بقول ایک انگریز کے بس اس خیال سے ہوتی ہے:

"We shall sleep, but not for ever,
There will be a glorious dawn.
We shall meet to part no never
On the resurrection morn".

بیوی کی رحلت کے تین سال بعد گارسین دتاسی نے ۲ ستمبر ۱۸۷۸ء کو چوراسی سال کی عمر میں ایک بجے دن اپنے گھر پیرس میں انتقال کیا۔ اس کی لاش مارسیلز لے جائی گئی جہاں وہ سینٹ پیٹر قبرستان میں ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے ابدی نیند سو رہا ہے۔ اب بھی مارسیلز میں اس کی کشادہ قبر اچھی حالت میں ہے۔ اس پر گارسین دتاسی کے علاوہ تھیوفیل گارسین (چھوٹے بھائی) اور خاندان کے دو افراد کے نام کندہ ہیں۔

اس کی وفات پر جو مضامین فرانس اخبار و رسائل میں شائع ہوئے وہ اس کی ہر دلعزیزی انتھک محنت اور ادبی خدمات کے معترف ہیں۔ ان تعزیتی بیانات کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں جن سے گارسین دتاسی کی شخصیت پر روشنی پڑتی ہے۔ ایڈورڈ رنیر نائب صدر سوسیٹے ازیاٹک

---

[1] Act de Marriage de Garcin de Tassy, Archive de la Seine, 30 quai Henri IV, Paris

پیرس گیارہ اکتوبر ۱۸۷۸ء کے جلسہ کو یوں مخاطب کرتا ہے:

"سالانہ اجلاس منعقدہ جون کے بعد ہم نے اپنا پرانا ساتھی اور بڑا عالم کھو دیا۔ میں اس موقع پر آپ سب کے ساتھ غمگین ہوں۔ وہ سوسیتے ازیاتک پیرس کے بانیوں میں سے آخری تھا جس نے اس کی بنیاد رکھی اور مرتے دم تک سالوں سال نہایت محنت اور ذوق و شوق سے اس کی خدمت و تربیت کی۔ اس کی بے لوث خدمت کی یاد ہمیشہ ہمارے سینوں میں محفوظ رہے گی۔ وہ مستشرقین کی اس نسل سے تھا جس کا محرک سلوسترد ساسی اور اس کا ذوق علم تھا وہ ہر لحاظ سے استاد کا منفرد شاگرد اور غیر معمولی مستشرق تھا۔ عربی فارسی سیکھنے کے بعد اس نے بالخصوص ہندوستانی میں مہارت پیدا کی اور اس کے لئے اپنے کو وقف کر دیا۔ استاد کی درخواست پر اکیول دلانگ اورنیتال ویوانت میں اس زبان کی پروفیسری قایم کی گئی۔ اپنے کو اس خدمت کا مستحق ثابت کرنے کے لئے اس نے ولولہ اور علمی دلچسپی کا ثبوت دیا ہے۔ ہندوستان کے مختلف پہلوؤں، تاریخ حاضرہ اور زبان و بیان کے متعلق اس کا مطالعہ وسیع تھا۔ ہر سال یونیورسٹی کھلنے پر اپنے خطبہ میں وہ ایسے منتخب اور دلچسپ بیانات دیتا جو معلومات سے پُر ہوتے۔ یہاں اس کے کارناموں کا سائنٹفک تجزیہ مقصود نہیں۔ اس کا حق ہمارے سکریٹری اپنی سالانہ رپورٹ میں ادا کریں گے۔ اس نے ہندوستانی کی تعلیم و تصنیفات کو معزز بنا دیا۔ گارسین دتاسی کی قابل، بے لوث اور علم و ادب میں سرگرم زندگی ہمارے لئے اچھی مثال ہے"[1]

سوسیتے ازیاتک پیرس کے سالانہ جلسہ منعقدہ ۲۸ رجون ۱۸۷۹ء ارنسٹ رینان سکریٹری اپنی رپورٹ میں گارسین دتاسی پر پانچ صفحوں میں تفصیلی بیان دیتا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے:

---

[1] ژورنال ازیاتک۔ اکتوبر نومبر ۱۸۷۸ء۔ پیرس صفحہ ۴۵۵

"گارسین دتاسی کے ساتھ سوسیئتے ازیاتک کے بانیوں میں سے آخری، قبر میں اتار دیا گیا۔ وہ ممتاز مستشرقین کے قافلے میں آخری تھا جو سلوستر دساسی کے چاروں طرف جمع ہو گئے تھے اور اپنی متعلقہ زبانوں کے عالم و ماہر ہوئے.....
وہ مارسیلز میں پیدا ہوا۔ السنہ شرقیہ کا شوق اس کو اپنے وطن میں ہی پیدا ہو گیا تھا، وہ اس ذوق کی تکمیل کے لئے پیرس آیا جہاں سلوستر دساسی نے پدرانہ شفقت سے اس کی تعلیم و تربیت پر توجہ دی اور اپنا میدان علمی اس کو سونپا کیونکہ اس زبان و ادب کو وہ خود سیکھنا چاہتا تھا جس کا رسم الخط عربی تھا اور جس پر اکثر فارسی کے اور بیشتر برہمنی اثرات ملتے ہیں اور جس کو ہندوستانی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ گارسین دتاسی با ذوق، ذہین اور محنتی شاگرد تھا۔ اس نے ہندوستانی زبان میں مہارت حاصل کرنے میں کوئی دقیقہ اٹھا نہ رکھا، وہ اس اہم خدمت کے لئے پورے طور پر تیار اور اس کا جائز مستحق تھا۔ اس نے ہمیں مشرقی فلسفیانہ شاعری سے متعارف کرایا جو دلکش و جاذب ہے..... کلیات ولی اور اس کے منتخبات کا فرانسیسی ترجمہ ایک بیش بہا خزانہ ہے جو ہمارے ذہنوں کی رہنمائی ایک نئی سمت کی طرف کرتا ہے۔ گارسین دتاسی نے ہندوستان پر پڑھنے پڑھانے سوچنے اور لکھنے لکھانے کے ساتھ ہر قسم کی نئی معلومات خاص طور پر ادبی رجحانات اور علمی تجربات حاصل کرنے کے لئے اپنے آپ کو وقف کر دیا تھا۔"
"اس نے ہندی مسلمانوں کے سارے اہم پہلوؤں کا عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا اور ہندوستانی کے تمام رجحانات اور تخلیقی کارناموں پر اس کی نظر تھی۔ گارسین دتاسی کی نظر سے کوئی نئی تحریر نہ چھوٹتی تھی۔ کون سا ایسا ہندوستانی اخبار تھا جو وہ نہ پڑھتا تھا۔ کوئی بھی ادبی نشست یا مجلس نہ تھی جس کے کارناموں کا اس نے جائزہ نہ لیا ہو۔ وہ ہم مستشرقین کے لئے ماڈل ۔ ہندوستان میں اسے شہرت ملی۔ ہندوستان کے اخبار و رسائل میں اس کی تصویریں چھپیں اور

اس کے کمال کا اعتراف کیا گیا ہے۔ اس نے وہ کچھ کیا جو انگریز مستشرقین خود کرنا چاہتے تھے مگر نہ کرسکے۔ اس کے ذاتی تعلقات ہندوستانیوں سے وسیع تھے۔ حکومت انگلشیہ نے بھی اس کی ادبی خدمات کی کھلے دل سے قدر دانی کی..... اپنے عقائد و خیالات میں وہ مستحکم تھا مگر اس کے باوجود اس کے ہاں دوسروں کے لئے بڑی گنجائش تھی...... ہم اسے پسند کرتے ہیں۔ کیونکہ جہاں ہم اس کی کمزوریوں اور قدر دانی کی خواہش پر مسکراتے ہیں وہاں یہ بھی قابلِ غور ہے کہ وہ گذشتہ نسل سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے نزدیک زندگی کا نام سنجیدگی تھا اور دنیا سے بے تعلق ہوکر اپنے کام میں لگے رہنا مقصدِ حیات۔ اسے نہ دنیا سے کوئی دلچسپی تھی نہ کسی چیز سے واسطہ۔ اس کے ہاں زبان و ادب کے لئے ایسا خلوص ملتا ہے جو اس کی تحریروں میں حقیقی جاذبیت پیدا کر دیتا ہے۔ وہ کسی موڑ پر گم نہیں ہو جاتا۔ اور ایسا کوئی ریمارک پاس نہیں کرتا جس سے کسی کو صدمہ پہنچے۔ اس کے ہاں خود قابلِ نفرین نہیں۔ سب کے لئے اس کے ہاں مروت و ہمدردی کے جذبات ملتے ہیں۔ وہ کسی کا مخالف نہیں اس کے اندر ہم اپنا ماضی دیکھتے ہیں۔ جو گذر گیا۔ اگلوں کے نزدیک جو خوبیاں تھیں ہم ان کو کمزوریاں سمجھتے ہیں۔ اس کی ذاتی رائے کی آزادی پر روایتی قدروں کی چھاپ گہری تھی۔ وہ کاترمیر (Quatre Mere) سے مشابہ ہے سوائے اس کے وہ ان لوگوں سے بھی صبر و نرمی سے پیش آتا جو اس سے کوئی طبعی مناسبت نہ رکھتے تھے۔ اس کی محبت آمیز مسکراہٹ اور دور دراز کی دنیا پر اس کے طویل دلچسپ بیانات ہمیشہ اس کی یاد دلاتے رہیں گے۔ اس کی وفات ہمیں انتہائی رنج و محن میں چھوڑ جاتی ہے۔"[1]

---

[1] Journal Asiatique, Rapport Annuel 1879, Paris, p. 13-17.

وہ لاولد مرا ۔ اس کے چھوٹے بھائی جوزف تھیوفیل کالرٹ کا ہیلیو دور گارسین دتاسی اس کا وارث ہوا ۔ مال و متاع سے قطع نظر دتاسی کا کتب خانہ بڑا اہم اور بیش بہا تھا ۔ جس کو کسی لائبریری میں محفوظ کرنے کے بجائے پیرس میں نیلام کر دیا گیا ۔ اس کی تفصیل ضمیمہ II میں دیکھی جا سکتی ہے ۔

اورینٹل اسکول لائبریری پیرس میں گارسین دتاسی کے کچھ ذاتی نسخے اس کے قلم سے فٹ نوٹ لکھے ہوئے ملتے ہیں ۔ ممکن ہے وہ اس کا عطیہ ہوں ۔ مارسیلز کی میونسپل لائبریری میں بھی اس کے کتب خانہ کے پچاس قلمی نسخے موجود ہیں ۔ جن کی فہرست میں نے اپنے مارسیلز کے دوران قیام جنوری ۱۹۶۰ء میں تیار کی تھی ۔ شاید یہ نیلام کے بعد بچ رہے ہوں ۔ ان میں زیادہ تر کتابیں اُردو کی ہیں جن میں سے کچھ اہم قلمی نسخے مندرجہ ذیل ہیں :

۱ ۔ باغ و بہار ۔ مولفہ میر امن ۔ اردو قلمی نسخہ ۱۲۱۷ھ میں بڑی تقطیع کے ۹۲ صفحوں میں لکھا گیا ہے ۔

۲ ۔ باغ و بہار ۔ منظوم ۔ امیر اللہ ناظر ۔ مطبوعہ نول کشور لکھنؤ ۔ بڑی تقطیع ۸۳ صفحات ۱۲۷۳ھ ۔

۳ ۔ گنج خوبی ۔ میر امن مترجم ۔ بڑی تقطیع ۱۲۱۷ھ ۔

۴ ۔ نل و دمن ۔ مولفہ سور داس ۔ اردو قلمی نسخہ ۹۳-۱۷۹۲ء دہلی میں لکھا گیا ۔

۵ ۔ دیوان ولی کے تین قلمی نسخے ۔ تین مختلف اشخاص کی نقل شدہ ۔

۶ ۔ پنچھی بھاشا ۔ مولفہ وجیہہ الدین وجدی ۔ اردو نظم کا قلمی نسخہ ۱۱۲۴ھ ۳۳۶ صفحات میں لکھا گیا ۔

۷ ۔ کتاب ریختہ ۔ دیوان رفیع سودا ۔ قصاید ۔ مثنوی اور رباعیات سودا اردو قلمی نسخہ ۱۲۶۰ھ

۸ ۔ قصہ بے نظیر

۹ ۔ قصہ کنور کامروپ ۔ اردو مخطوطہ جس کے تین نسخے ہیں ۔ ایک ۲۶۴ صفحوں میں فضل علی کاتب کا لکھا ہوا ۔

۱۰ ۔ قاطع برہان ۔ مولفہ اسد اللہ خاں غالب مطبوعہ اکمل دہلی ۔ صفحے ۱۵۴ ۔ یہ وہ نسخہ ہے جو غالب نے ۱۸۶۶ء میں میجر فلر کو پیش کیا تھا اور فلر نے بطور تحفہ گارسین دتاسی

کو بھیجا ۔

۱۱۔ تذکرہ میر قدرت اللہ قاسم ۔ اردو مخطوطہ ۱۲۱۲ھ صفحے ۹۱۹ ۔

۱۲۔ مخزن الامثال ۔ مولفہ محمد علی ۱۸۰۳ء اردو مخطوطہ صفحے ۲۹۴ ۔

۱۳۔ کشف الاسرار ۔ مولفہ المقدسی ۔ عربی مخطوطہ ۱۰۳۶ھ

۱۴۔ پدمنی اور علاء الدین کا افسانہ ۔ صفحے ۸۶ ہندی مخطوطہ

۱۵۔ کالیداس کا ناٹک شکنتلا ۱۱۹۸ھ ۔ بڑی تقطیع ۔ ہندی مخطوطہ

گارسین دتاسی کی مشرقی علوم سے دلچسپی کی بنیاد بچپن میں ہی پڑ گئی تھی ۔ اس نے اپنے آبائی وطن میں عربی سیکھنی شروع کی ۔ اور جب پیرس آکر عربی کے بعد وہ اُردو زبان کی شیرینی اور اس کے ادب سے متاثر ہوا تو ذوق مطالعہ اور تحصیل علم کی جستجو میں جس قدر اس زبان کی ادبی میراث سے واقف ہوتا گیا اسی قدر اس کا اردو سے شغف بھی بڑھتا گیا ۔ یہاں تک کہ اردو زبان و ادب کے مسائل میں ایک عام اردو داں ہندوستانی کی طرح حصہ لینے لگا ۔

انگریزوں نے ہندوستان میں اقتدار حاصل کرنے کے بعد زبان کی بنیاد پر ہندوؤں اور مسلمانوں کو الگ کرنے کی سازش کی ، ہندی کا احیاء اور اس کو رواج دینے کی کوشش اس سازش کا ایک حصہ تھیں ، گارسین دتاسی نے اس کی سخت مخالفت کی اور فیصلہ اردو کے حق میں دیا ۔ چنانچہ اس لسانی نزاع کے متعلق لکھتا ہے :

"مسٹر کیمبل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستانی اردو نے جس طرح ہندوؤں کی رجعتی حکمت عملی کا مقابلہ کیا ہے اس طرح ان کی تنقید و تعریض کا بھی مقابلہ کرے گی ۔ ممکن ہے مسٹر کیمبل کے احکام کی بلا چون وچرا پابندی کی جائے تو بہار کے مدارس میں اردو ختم ہو جائے لیکن اور دوسرے مقامات پر اس زبان کے رواج کو کوئی نہیں روک سکتا .... ایسے جلسوں میں جن میں انگریز اور ہندوستانی دونوں شریک ہوں گے ، اس زبان کے ذریعہ تبادلۂ خیالات کیا جائے گا ۔"[۱]

[۱] مقالات گارساں دتاسی ؛ (جلد اوّل) ۱۸۷۲ء ؛ انجمن ترقی اردو ، پاکستان ؛ ص ۱۸۹

ہندوستان میں تو اردو کے لئے جو کچھ ہو رہا تھا یا جو ہونا چاہیئے اس کی حمایت کرنے کے علاوہ دتاسی نے خود انگلستان میں اردو کی تعلیم پر بہت زور دیا ہے۔ اس کے نزدیک ہندوستان پر حکومت کرنے کے لئے انگریزوں کا اس زبان کو سیکھنا ضروری تھا۔ اور جب کبھی اس کی کوشش یا خود ارباب اقتدار کی اپنی مصلحتوں کے نتیجہ میں اردو کے فروغ کی کوئی صورت نکلتی تو نہایت خوش ہوتا۔ لکچروں میں ایسی متعدد علامات ملتی ہیں جس میں کسی نئی جگہ اردو تعلیم کے شروع ہونے پر وہ خوش دکھائی دیتا ہے۔ اپنے خطبات میں اس نے کئی جگہ نئے کالجوں میں اردو تعلیم کے انتظام کے متعلق اپنے سامعین کو مطلع کیا ہے، چنانچہ یکم دسمبر ۱۸۶۲ء کے خطبہ میں کہتا ہے:

"ہیلی بری کالج (Haileybury College) کی جگہ وُولوچ کی فوجی اکاڈمی میں مشرقی علوم کی تعلیم کا انتظام کیا گیا ہے یہاں مسٹر کاٹن ماتھر ہندوستانی زبان کی تعلیم دیتے ہیں۔ مگر اب لندن کے کنگز کالج Kings College میں مشرقی علوم کا ایک علاحدہ شعبہ قایم ہوا ہے؛ ہیلی بری (Haileybury) کالج کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد متعدد اشخاص نے نظم ونسق اور علم وفضل میں بڑا نام پیدا کیا تھا امید ہے کہ یہی روایات اب بھی قائم رہیں گی۔ کنگز کالج کے مشرقی شعبہ میں مسٹر فٹز ایڈورڈ ہال (F. E. Hall) ہندوستانی زبان کی تعلیم دیتے ہیں"[1]

کہیں زبان کی تعلیم شروع ہو، کسی نئی کتاب کی اشاعت ہو، اردو کتاب کا انگریزی ترجمہ ہو، یا کسی نئے اخبار و رسالے کی اشاعت ہو دتاسی خود اپنے خطبات کے ذریعے اپنے سامعین کو اس کی اطلاع دیتا تھا اور تالیف و اشاعت سے متعلق ان اطلاعات کو زبان کی ارتقاء اور مقبولیت کے شواہد کی حیثیت سے پیش کرتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ دتاسی اپنے دیگر ہم مذہبوں کی طرح ایک مخلص عیسائی اور اپنے دین کا پُرجوش مبلغ بھی تھا۔ نہ صرف یہ کہ اس کی نظر عیسائیت کے فروغ کے لئے کی جانے والی مساعی پر رہتی تھی بلکہ اکثر وہ مشورے بھی دیتا تھا اور اسے

---

[1] خطبات گارساں دتاسی؛ حصہ اول (اشاعت ثانی ۱۹۷۹ء) انجمن ترقی اردو، پاکستان؛ ص ۳۴۱

بعض عیسائیوں کے مسلمان ہونے پر افسوس بھی ہوتا تھا جس کا وہ باقاعدہ اظہار کرتا تھا، لیکن اس کے باوجود اسے ہندوستان کے مسلمانوں اور ان کی زبان سے حد درجہ محبت تھی۔ وہ جس قدر افسوس سے عیسائیوں کے مسلمان ہونے کا ذکر کرتا تھا اسی نیکی اور صاف دلی سے اردو زبان کے فروغ اور ہندوستان میں اس کی اہمیت کا بھی ذکر کرتا ہے۔ دتاسی کی شخصیت کا یہ پہلو توجہ طلب ہے۔ طبیعت کی شرافت، نیکی اور خلوص اس کے ہر خطبہ سے نمایاں ہے۔ یہ اس کے خلوص اور خود پر اعتبار کا ثبوت ہے کہ زبان کے سلسلے میں انتہائی اختلافی مسائل پر بھی اس کی رائے نہایت واضح اور دو ٹوک اور اُردو کے حق میں ہوتی تھی۔

دتاسی کے طریقۂ تعلیم میں ادبیات کے بجائے زبان کی تعلیم زیادہ اہمیت رکھتی تھی۔ ادب کا ذوق بھی وہ زبان کے ذریعہ پیدا کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اپنے ایک خطبہ میں اپنے طریقۂ تعلیم کے متعلق کہتا ہے:

> "حضرات! مجھے امید ہے کہ میرے لکچر ہندوستان کی جدید زبان کے علمی ادبی مطبوعات کے پڑھنے میں آپ کی کافی رہنمائی کریں گے۔ میری تعلیم کا طریقہ، جیسا کہ آپ جانتے ہیں، تجزیہ کے اصول پر مبنی ہے۔ میں ہر لفظ کی تشریح کرتا ہوں اور متن کے معنی و مطالب کے ساتھ ساتھ موقع بہ موقع نحوی قواعد پر بھی نظر ڈالتا جاتا ہوں اور ہر محاورے کا تجزیہ کرتا ہوں۔ میری دانست میں یہی ایک طریقہ حقیقی اور ٹھوس ترقی کرنے کا ہے"[1]

تجزیے کا یہ طریقہ، طلبہ کو زبان کے اوصاف و امتیازات سے متعارف کرتا ہے اور زبان پر قدرت حاصل ہونے کے بعد ادب کی تفہیم خود بخود آسان ہو جاتی ہے۔ دتاسی نے ہمیشہ اس اصول کی پابندی کی۔ اس کے لیکچرز میں جس طرح زبان، محاورات نیز ہندوستانی کی صرف و نحو پر کثرت سے مباحث ملتے ہیں اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ خود دتاسی کو زبان کی ساخت اور اس کے

---

[1] خطبہ ۷ فروری ۱۸۶۱ء؛ خطبات گارساں دتاسی؛ حصہ اول (اشاعت ثانی) ۱۹۷۹ء؛ ص ۴۷

امتیازات کی تفہیم سے کس قدر دلچسپی تھی۔ اور وہ کوشش کرتا تھا کہ اس زبان کے اسرار و رموز سے اپنے طلبہ کو پورے طور پر آگاہ کرے۔ جو بالآخر ادب کی آگاہی پر منتج ہوگا۔ زبان کی صرف ونحو اور محاورات وغیرہ کی ضرورت دتاسی کو اس لئے بھی تھی کہ اس کے درس میں بیشتر فرانسیسی اور دیگر یورپی ممالک کے طلبہ شریک ہوتے اور جب تک وہ محاورات وغیرہ کے ذریعہ ہندوستانی کے مزاج سے واقف نہ ہوتے ادب کا سمجھنا ان کے لئے ممکن نہ تھا۔ چنانچہ اپنی کلاس کے لئے اس نے کتابوں کا انتخاب کرتے وقت بھی یہ بات پیش نظر رکھی کہ کتاب زبان کے مزاج کی نمائندہ ہو۔ ایک لکچر میں سال رواں کے لئے کتابوں کے انتخاب کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

"میں اس سال "باغ و بہار" فارسی اور لاطینی ہر دو رسم تحریر میں پڑھاؤں گا۔ یہ کتاب خالص اردو زبان میں لکھی گئی ہے۔ ساتھ ہی کامروپ کے کارناموں کی تحسین الدین والے ایڈیشن سے تشریح کروں گا۔ یہ کتاب دکنی زبان میں ہے۔

ان دو کتابوں کے انتخاب کے ساتھ دتاسی اردو کے دو نمائندہ اسالیب، دکنی اور شمالی اردو کو ایک ساتھ پڑھانا چاہتا ہے۔ یہ دونوں کتابیں اپنے اسالیب کی مکمل نمائندگی کرتی ہیں۔ باغ و بہار کے دیباچے میں میر امنؔ نے اس ترجمے کے محرکات بیان کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ یہ کتاب صاحبان نوآموز (یعنی فرنگی طلبار) کے لئے لکھی جارہی ہے۔ کتاب میں زبان و محاورات پر اس قدر زور اس سبب بھی ہے کہ انگریز زبان سیکھنے کے ساتھ ساتھ ملک کی تہذیبی صورت حال سے بھی واقف ہوتے جائیں۔ دتاسی کے درس میں شریک ہونے والے فرانسیسی بھی انہیں "صاحبانِ نوآموز" کے ہم عمر ہوتے تھے۔ اس لئے یہ کتاب دتاسی کی تعلیمی ضرورتوں کو بدرجۂ اتم پورا کرتی تھی۔

کامروپ کے متعلق خود دتاسی نے اپنے ایک خطبہ میں ذکر کیا ہے کہ یہ کتاب ہندوستانی زندگی کی نہایت کامیاب عکاسی کرتی ہے، وہ لکھتا ہے :

"حضرات! ایک دلچسپ قصے کے پیرایے میں ہمارے لئے نسلیات کی بیش قیمت معلومات پوشیدہ ہیں، ممکن ہے کہ خاص اس علم کی کتابوں میں ہمیں اس قدر مواد نہ ملے جتنا کہ اس قصے میں موجود ہے۔ اس قسم کی خیالی کہانیاں

ہیں اصل مشرق کی زندگی کو سمجھنے اور مزید تحقیق کے کام میں سہولت پیدا کرسکتی ہیں۔"[1]

غالباً ڈناسی ہر تین چار سال بعد کورس تبدیل کر دیتا تھا لیکن جتنی بھی کتابیں اس نے منتخب کیں ان میں یہ وصف مشترک ہے کہ وہ اردو زبان کے ساتھ ہی اس کے بولنے والوں کی تہذیبی زندگی کی بھی مکمل نمائندگی کرتی ہیں۔

نثر سے قطع نظر نظموں کی تدریس میں ڈناسی معنی و مطالب کے ساتھ ساتھ بحور و اوزان کے سیکھنے پر بھی زور دیتا ہے۔ چنانچہ ایک لکچر میں کہتا ہے:

"میں مطالعہ کے دوران میں اس کا خیال رکھوں گا کہ آپ کو اوزان بتاتا جاؤں اور جن اصولوں کا بیان آپ کے سامنے کیا گیا ہے ان کے مطابق تقطیع کرتا جاؤں۔"[2]

گویا نظم شروع کرنے سے قبل تنقید نظم کے اصول بیان کئے گئے ہیں۔ اور بتایا گیا ہے کہ اُردو میں نظم کے لئے بحور مقرر ہیں۔ ہر بحر بعض ارکان پر مشتمل ہوتی ہے۔ ان کی تفصیل بتا دی گئی ہے اور اب جب متن شروع ہو رہا ہے تو ہر نظم کی بحر اور اس کے ارکان پر پہلے سے پڑھائے گئے اصولوں کی روشنی میں گفتگو ہوگی۔ یہ طریقہ تعلیم ڈناسی کے سلیقۂ تدریس پر گہری نظر کا ثبوت ہے۔ خصوصاً اس صورت میں جب طلبہ نوعمر بچے نہیں بلکہ پختہ عمر اور سمجھ دار لوگ ہیں۔

اس طریقۂ تعلیم کے ذریعہ ڈناسی اپنے طلبہ میں زبان پر قدرت پیدا کرنے کے ساتھ ہی مطالعۂ ادب کا ذوق ابھارنے میں بھی کامیاب ہو جاتا ہے اور اس کی کلاس سے نکل کر طلبہ صرف زبان جاننے تک خود کو محدود رکھنے کے بجائے شعر و ادب کی طرف راغب ہوتے تھے۔ چنانچہ اس کے ایسے طلبہ کی فہرست خاصی طویل ہے جن میں ڈناسی نے زبان و ادب کا صحیح ذوق پیدا کیا اور جو مدرسے سے نکلنے کے بعد بھی مشرقی ادب کے متعلق تالیفات شایع کرتے رہے جن میں ریو (مرتب باغ و بہار) ابن بلاں (مرتب "مخزن الاسرار") اور ژراناں نے مستشرقین کی حیثیت سے خاصی شہرت حاصل کی۔

---

[1] خطبہ ۶ فروری ۱۸۶۱ء؛ خطبات گارساں ڈناسی؛ حصۂ اوّل (اشاعتِ ثانی ۱۹۷۹ء) ص ۲۹۴

[2] خطبہ ۴ دسمبر ۱۸۵۱ء: خطبات گارساں ڈناسی؛ حصۂ اوّل (اشاعت ثانی؛ ۱۹۷۹ء) مرتبہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق؛ ص ۳۹

دتاسی کی ساری زندگی علم کے ذوق اور اس کی جستجو کا مثالی نمونہ ہے۔ پیرس آکر ہندوستانی سیکھنے کے بعد وہ تاحیات اس زبان کے متعلق تحقیق اور اس کی ادبیات کے مطالعہ میں مستغرق رہا۔ ہندوستانی اس کا پہلا اور آخری Commitment تھا۔ اس نے ساری زندگی اس زبان کی موافقت، حمایت، فروغ اور اشاعت پر صرف کردی۔ یہ اس زبان سے اس کے شغف اور خلوص کا نتیجہ تھا کہ جب وہ مرا تو خود اپنے ہم وطنوں میں ایک متبحر عالم اور انسان دوست استاد کی حیثیت سے مقبول ہو چکا تھا۔ چنانچہ اس کی وفات کے بعد اکیڈمی دے بیل لیتر کے صدر نے تعزیتی تقریر کرتے ہوئے کہا:

"گارساں دتاسی کا نام انتھک کام کرنے والے ایک پختہ مستشرق کی حیثیت سے ہمیشہ یادگار رہے گا۔ لیکن جس چیز کی ہم (جو انھیں جانتے تھے) تعریف کرنے پر مجبور ہیں وہ ان کا اخلاق، نرم دلی اور ناقابلِ یقین انکسار ہے۔ وہ دوسروں کے مقابلے میں خود کو چھوٹا سمجھنے کے لئے ہمیشہ تیار تھے۔
اپنے آباء و اجداد کے مذہب عیسائیت کے وہ پورے معتقد تھے اور انہوں نے صبر و رضا کے ساتھ انتقال کیا۔"
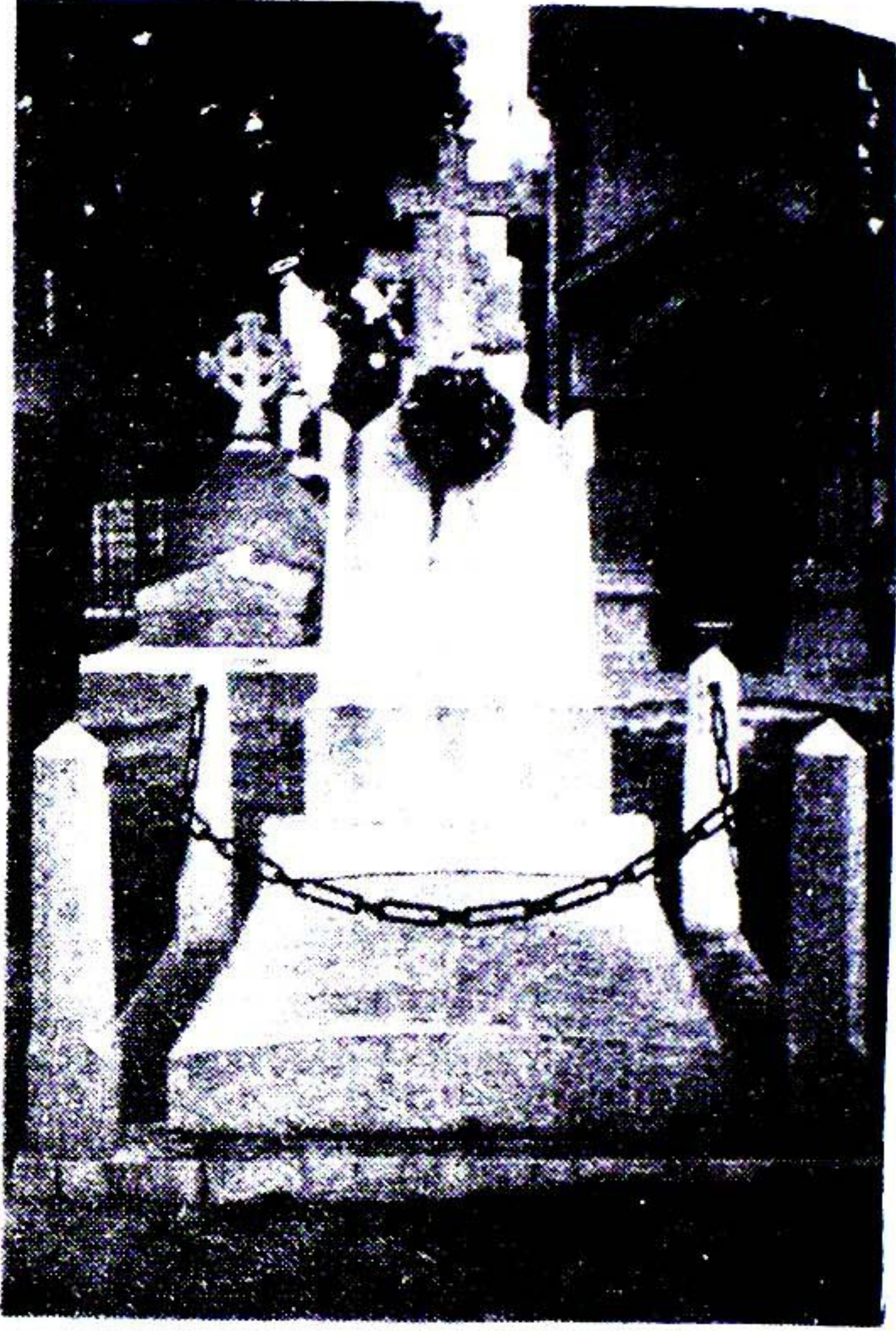
گارسین دتاسی کا مزار، مارسیلز۔ (فرانس)

فصلِ دُوم

گارسیں دتاسی کے علمی کارنامے

اُردو کے دلدادہ ژناسی کی ادبی زندگی ستاون (۵۷) سال کی طویل مدت پر محیط ہے. اس عرصہ میں اس نے مختلف ادبی و نیم ادبی موضوعات پر مقالات لکھے، تقریریں کیں اور پسندیدہ عنوانات پر باقاعدہ کتابیں شایع کیں. جنھیں تفہیم کی آسانی کے لئے ذیل میں تقسیم کیا جاسکتا ہے :

- اُردو زبان و ادب
- تراجم
- عمرانیات و اسلامیات
- متفرق مطبوعات

اُردو زبان و ادب

ژناسی کو اردو ہندی زبان و ادب سے تاحیات دلچسپی رہی. ان زبانوں کے متعلق مختلف موضوعات مثلاً قواعد (صرف و نحو) تنقید و تاریخ ادبیات پر اس نے مقالے اور کتابیں لکھیں نیز شاعروں اور نثر نگاروں کی تخلیقات کا انتخاب بھی شایع کیا. ان مضامین کا تنوع اس کا متقاضی ہے کہ ان کا الگ الگ جائزہ لیا جائے.

چند اہم مقالے :

- "ہندوستانی جسے ہندوستان کی عام زبان کا نام دیا گیا ہے اس کا آغاز و توسیع." یہ مقالہ شہر کاں کی اکیڈمی کی یادداشت میں صفحہ ۳۱۳ - ۳۴۷ پر ۱۸۷۱ء میں شایع ہوا.

اس کا موضوع ہندوستانی کی ابتداء اور ارتقاء ہے جس میں ژناسی نے جدید زبانوں کی ابتداء کے متعلق اس عام نظریے کی توثیق کی ہے کہ یہ جدید زبانیں

سنسکرت سے پیدا ہوئیں۔ شمال میں سنسکرت کے بعد بہت سی پراکرتیں وجود میں آئیں۔ اس تبدیلی کا سبب ڈناسی کے نزدیک یہ تھا کہ سنسکرت صرف و نحو خاصی پیچیدہ ہے اور پیچیدگی سے سادگی کی طرف یہ فطری عمل تھا جس کے باعث آسان مقامی بولیاں بنیں" بالآخر سنسکرت کو خود ہندؤوں نے نظر انداز کر دیا لیکن آہستہ آہستہ وہ کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے قیام کے بعد سے انگریزوں کو متوجہ کرنے لگی ہے"[1] ڈناسی کو سنسکرت میں عام گفتگو کی زبان بننے کی صلاحیت نظر نہیں آتی اور اسے وہ یورپ کی قدیم مردہ زبانوں کی طرح محض تاریخی اہمیت کا حامل سمجھتا ہے چنانچہ اس مضمون میں لکھتا ہے: " مجھے یہ بات بدیہی نظر آتی ہے کہ ہندو رجعت پسند ہیں ایسے ہی جیسے یورپین جو عنقریب یہ خواہش کریں گے کہ جدید قومی زبانوں کی جگہ دوبارہ لاطینی کو رائج کیا جائے"[2]

ڈناسی کے خیال میں " اُردو ادبیات میں شاید اتنی اور یکجلتی (اصلیت) نہیں لیکن بہر حال کثرت سے بولی جاتی ہے"[3]

وہ اردو ہندی کا تقابل کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندی ادب کا بڑا حصہ مذہبی نوعیت کا ہے جبکہ اردو نثر و نظم میں برابر اچھی اور مختلف قسم کی چیزیں لکھی جارہی ہیں۔ ہندوستانی اخبارات میں نہ صرف خبریں بلکہ عام شخصیتوں کے بیانات، مصلحین کی تقریریں اور ادبی تبصرے بھی شایع ہوتے ہیں۔ اُردو کی ادبی تصانیف کا ذکر کرتے ہوئے ڈناسی نے یہ دلچسپ بات کہی ہے کہ " اردو مؤلفوں کی کتابوں کے عنوان میں تکلف اور استعارہ پایا جاتا ہے اور عموماً شاعرانہ نام دیئے جاتے ہیں۔ لیکن اعتراض کی بات یہ ہے کہ عنوانات کا کتاب کے مندرجات سے کوئی تعلق نہیں ہوتا چنانچہ ایک مقبول عام کہانی کا نام ہے باغ و بہار"[4]

---

[1] شہر کان کی اکیڈمی کی یادداشت ۱۸۷۱ء صفحہ ۳۱۶ تا ۳۱۷
[2] ایضاً صفحہ ۳۱۹
[3] ایضاً صفحہ ۳۲۱
[4] ایضاً صفحہ ۳۲۲

اس مقالے کے آخر میں دتاسی نے ہندوستانی ادبیات سے بعض اقتباسات بھی نقل کیے ہیں جو اس کے نزدیک فرانسیسی قارئین کے لئے دلچسپ ہو سکتے تھے۔

● " ہندوستانی کا اوّلین شاعر سعدی " ژورنال ازیاٹک پیرس صفحے ۱ - ۲۷ سنہ ۱۸۴۳ء میں چھپا۔ جس میں ہندوستان کے کسی مصوّر کی بنائی ہوئی سعدی کی تصویر بھی شامل ہے۔

سعدی کی سیاحت کے سبب دتاسی کے نزدیک یہ قرین قیاس ہے کہ سعدی ہندوستان آیا اور " چونکہ سعدی نے اپنی زندگی کا بڑا حصّہ وطن کے باہر گذارا اس لئے حیرت نہیں کہ اس نے اجنبی زبانیں بھی اتنی سیکھ لی ہوں کہ ان کو لکھ سکے۔ یہ دعویٰ کیا جاتا ہے کہ اسے لاطینی بھی آتی تھی "[1]

سعدی کے متعلق ہندوستان سے منسوب چند روایتیں نقل کرنے کے بعد دتاسی نے سعدی کے اشعار دیئے ہیں جن کا ماخذ مجموعۃ الانتخابات مولّف شاہ محمد کمال ہے سنہ ۱۲۱۹ھ مطابق ۵-۱۸۰۴ء کی تصنیف جو بڑی تقطیع کی ضخیم قلمی کتاب ہے۔ لندن کی رایل ایشیاٹک سوسائٹی کی ملکیت ہے اور اس سے ازراہِ عنایت مجھے ملی ہے[2] اس قلمی کتاب کی جس عبارت میں سعدی کے اشعار ملتے ہیں وہ دتاسی کے مقالے میں بجنسہٖ نقل ہیں۔ دتاسی سعدی شیرازی کے ساتھ ہی ایک اور سعدی نامی دکنی شاعر سے بھی واقف ہے۔

" ایک اور فارسی تذکرہ میں جو فتح علی حسینی کا ہے انھیں سعدی نامی ایک دکنی شاعر کی طرف منسوب کیا گیا ہے۔ "[3]

دتاسی کمال کے انتخاب اور تذکرۂ قائم کی شہادت پر سعدی دکنی کے بجائے سعدی شیرازی کو ہی اردو کا اوّلین شاعر تسلیم کرتا ہے۔ ظاہر ہے دتاسی نے ان دونوں

---

[1] ژورنال ازیاٹک پیرس سنہ ۱۸۴۳ء صفحہ ۱۸

[2] ایضاً صفحہ ۲۳

[3] ایضاً صفحہ ۲۵

شاعروں کے ناموں میں خلط مبحث کیا ہے۔ وہ اشعار جو سعدی شیرازی کے نام سے نقل کئے ہیں دراصل سعدی دکنی کے ہیں۔ چنانچہ فتح علی گردیزی تذکرہ ریختہ گویاں میں ناموں کے اس خلط مبحث پر ہوشیار کرتا ہے کہ اس کے زمانے میں ہندوستان میں بھی لوگ سعدی دکنی کے اشعار کو سعدی شیرازی سے منسوب کرتے تھے۔ گردیزی لکھتا ہے:

"سعدی دکنی از شعرائے قرار دادۂ دکن است و آنکہ بعض اعزہ را بسبب اتحاد تخلص مغالطہ افتادہ ریختہائے سعدی دکنی را از عدم اعتنا و قلت تتبع بنام سعدی شیرازی مرقوم ساختہ اند۔ ناشی از جہل و تسفہ است و من ادعیٰ فعلیہ السند"[1]

گردیزی کے علاوہ شفیق، میر اور قدرت، اسد شوق وغیرہ نے سعدی دکنی کے ایک سے شعر نقل کئے ہیں۔

ہمنا تمن کو دل دیا، غم نے لیا اور دکھ دیا
تم یہ کیا ہم وہ کیا، ایسی بھلی یہ ریت ہے
دو نین کے کھپر کروں، رو رو نجوں دل بھروں
پیش سگ کو یت دھروں، پیا سانجا کے میت ہے
سعدی غزل انگیختہ، شیر و شکر آمیختہ
در ریختہ در ریختہ ہم شعر ہے ہم گیت ہے

یہ ہی اشعار ڈناسی نے بھی نقل کیے ہیں۔ ظاہر ہے اس نے کمال کے تذکرہ کے علاوہ یہ تذکرے بھی دیکھے ہیں لیکن اس کے باوجود وہ سعدی دکنی کو سعدی شیرازی ہی فرض کرتا رہا جس کا سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک کمال کی بیان کردہ روایت زیادہ معتبر تھی تب ہی تو وہ کمال کو دوسرے تذکرہ نگاروں پر ترجیح دیتا ہے۔

---

[1] فتح علی حسینی گردیزی۔ تذکرہ ریختہ گویان۔ مرتبہ مولوی عبدالحق
انجمن ترقی اردو اورنگ آباد صفحہ ۸۲

اس مقالے کے عنوان اور اس کے نتائج سے اختلاف کرتے ہوئے انگلستان میں سکونت پذیر فرانسیسی موسیو این بلاں نے ایک خط ۲۸ ر اکتوبر ۱۸۵۲ء کو شایع کیا، جس میں اُردو کے اولین شاعر کی نشاندہی کرتے ہوئے مسعود سعد سلمان کو اُردو کا پہلا شاعر قرار دیا۔ اپنے دعویٰ کے ثبوت میں این بلاں نے مسعود سلمان کی زندگی کے حالات کے ساتھ ہی اس کے کچھ فارسی اشعار نقل کیے ہیں جن میں اردو الفاظ استعمال ہوئے ہیں۔

دتاسی نے اس خط کی اشاعت کے بعد اپنی پچھلی رائے میں ترمیم کی ضرورت محسوس کی اور اس خط کا جواب ژورنال ازیاتک ستمبر اکتوبر ۱۸۵۳ء صفحے ۵۶ - ۷۱ میں شایع کیا۔

" اس دلچسپ ہندوستانی تذکرے کے لکھے جانے کے بعد ڈاکٹر اشپرنگر نے کلکتہ ایشیاٹک جرنل نمبر ۶ ۱۸۵۲ء صفحہ ۵۱۳ اور مابعد پر ایک مضمون شایع کیا جس میں وہ میرے اس بیان کو صحیح خیال کرتا ہے جو میں نے "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" کی جلد اول صفحہ ۴۴۴ پر لکھا ہے مگر اس وقت تک میں نے کمال کا تذکرہ نہیں دیکھا تھا۔ جس نے میرے خیالات بدل دیئے اور میں نے وہ خصوصی نوٹ ژورنال ازیاتک ۱۸۴۳ء میں چھاپا۔ میں نے "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" میں فتح علی حسینی گردیزی کی رائے قبول کی تھی جس میں وہ ایک اور سعدی کی طرف ہندوستانی اشعار منسوب کرتا ہے جو ہندوستان میں زبان زد ہیں مگر غلطی سے مشہور سعدی شیرازی سے متعلق ہوگئے ہیں۔"[1]

موسیو بلاں کا دتاسی پر اعتراض صحیح تھا۔ سعدی شیرازی کے بجائے مسعود سعد سلمان (۱۰۴۶ء - ۱۱۲۱ء) موجودہ تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا شاعر ہے۔

مسعود بن سعد بن سلمان کے متعلق مختلف تذکرہ نگاروں۔ عوفی (لباب الالباب) احدی (کعبہ عرفان) علی قلی خاں داغستانی (ریاض الشعراء) اور غلام علی حسینی (خلاصۃ الافکار) نے لکھا ہے کہ ایک فارسی دیوان میں اس کی تمام تخلیقات یکجا کر دی گئی ہیں جس میں جابجا

---

[1] ژورنال ازیاتک ستمبر اکتوبر ۱۸۵۳ء صفحہ ۳۶۹

اردو الفاظ بکھرے ہیں۔ امیر خسرو (غرۃ الکمال) اور عوفی کی اطلاع کے مطابق مسعود سعد سلمان نے ایک "دیوان ہندوی" بھی ترتیب دیا تھا مگر یہ اب ناپید ہے۔

● "ہندوستان میں شاعرات" ریویو دلوریاں دللجیری اے دے کولونی میں مئی ۱۸۵۴ء میں شایع ہوا جس میں چند ہندو اور مسلم شاعرات کا ذکر کیا گیا ہے مثلاً مبر آبادی، کرما بائی، چھوٹی بیگم دلبر، چندا بائی مہ لقا اور زینت بیگم وغیرہ۔ ان شاعرات کی نظموں کے اصل ماخذ کا حوالہ دیئے بغیر دتاسی نے ان کے فرانسیسی ترجمے دیئے ہیں جس سے اس کا مقصد یہ معلوم ہوتا ہے کہ اپنے ہم وطنوں کو بتائے کہ جیسے فرانس میں بیگمات کے دیوان خانے (سالوں) ہوتے تھے جہاں وہ خود بھی اپنی تخلیقات سناتی تھیں اور دوسرے ادیب و شاعر بھی آکر اپنی تخلیق پیش کرتے تھے جن پر تبصرے و اصلاح ہوتی تھی۔ ایسے ہی ہندوستان میں خواتین میں ادبی بیداری موجود تھی۔ ان خواتین کی شاعری پر تنقید کرنے کے بجائے وہ اس مقالے میں یہ واضح کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ ثقافتی پس منظر کے اختلاف کی بنا پر ہندو اور مسلمان شاعرات کی نظموں میں فرق ہے چنانچہ مسلمان خواتین کی نظموں میں ان پیغمبروں کا ذکر ملتا ہے جن کا تذکرہ بائبل میں ہے جبکہ ہندو خواتین کی شاعری اس سے یکسر خالی ہے۔ ان نظموں کے حوالے سے وہ یہ بھی نمایاں کرتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کی ترقی دیگر اسلامی ممالک کے مسلمانوں سے مختلف ہے۔

تدوینِ کلامِ ولی

● "دیوانِ ولی" مرتبہ گارسین دتاسی، بڑی تقطیع کے ۴۴ صفحات ۲۸ سطری، شاہی مطبع پیرس سے ۱۸۳۳ء میں شایع ہوا۔ اس میں ایک فوٹو میں ولی کے دو اشعار چھ مخطوطات سے بطور نمونہ دیئے گئے ہیں۔ سرورق پر ولی کا ایک شعر:

شہرت ہوا ہے جب سوں ولی تیرے شعر کا
مشتاق تجھ سخن کا عرب تا عجم ہوا

اور اس کا فرانسیسی ترجمہ بھی درج ہے۔

دتاسی کا یہ بڑا کارنامہ ہے کہ اس نے دیوان ولی کو پہلی بار پیرس سے طبع کیا۔ اُسے اس شاعر کا کلام اتنا پسند آیا کہ اس نے ہندوستان سے متعدد قلمی نسخے منگائے اور کم از کم دو تین برس ان پر غور و فکر کرتا رہا۔ ذیل کے نسخوں سے اس نے تدوین ولی میں مدد لی۔

۱۔ قدیم ترین نسخہ جس پر کتابت کی تاریخ نہیں ہے۔ اس میں اشعار صحیح اور ان کی تعداد بھی زیادہ ہے۔

۲۔ ایشیاٹک سوسائٹی کا مملوکہ نسخہ جس کو محمد شاہ عہد میں عبدالکریم کاتب نے سورت میں رام موہن رائے کے لئے ربیع الاوّل ۱۳۲۹ھ (مارچ ۱۹۱۱ء) میں لکھا لیکن کتابت میں بہت غلطیاں کی ہیں۔

۳۔ محمد شاہ کے دور میں شمالی ہند کے کسی جاہل کاتب کا بے پرواہی سے مرقوم نسخہ جو غلطیوں سے پُر ہے۔

۴۔ انگریز مستشرق مسٹر پرائس کا ذاتی دیوانِ ولی کا نسخہ جو دتاسی کو تحفتہً دیا گیا۔

۵۔ الٰہ آباد کے محلہ مٹیا پور نزدیکیلی پور کے کاتب کا رقم کردہ نسخۂ ولی جس میں اشعار کو بدل دیا گیا ہے۔

۶. مخطوطہ دیوانِ ولی جے۔ ڈبلیو۔ رسل کی ملکیت جان شیکسپیئر کے ذریعے دتاسی کو ملا۔ اس کے خیال میں یہ نسخہ دیگر تمام مخطوطات کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔
اور یہ تمام نسخے پیرس کے مختلف کتب خانوں میں آج تک محفوظ ہیں۔

بلاشبہ متن کی تیاری دتاسی نے بڑی محنت اور شوق سے کی۔ چوں کہ اس کو علم عروض سے اچھی واقفیت تھی اس لئے بعد مقابلہ و تصحیح اس نے ولی کا جو اولین دیوان پیش کیا وہ قابلِ اطمینان ہے۔ اس کے تقریباً پچاس سال بعد ۱۸۷۳ء میں مطبع حیدری بمبئی سے کلیاتِ ولی منظرِ عام پر آیا۔ پھر ۱۸۷۸ء میں نول کشور پریس لکھنؤ سے ۱۹۲۲ء میں حیدر ابراہیم سیانی نے پونا سے اور ۱۹۲۶ء میں مولانا احسن مارہروی نے انجمن ترقی اردو اورنگ آباد دکن سے شائع کیا۔ دیوانِ ولی کا جدید ایڈیشن انجمن ترقی اردو پاکستان کراچی مرتبہ نور الحسن ہاشمی معہ مفصل مقدمہ ۱۹۵۴ء میں چھپا ہے۔

دیوانِ ولی مرتبہ دتاسی کا مقدمہ چودہ صفحوں پر محیط ہے جس میں وہ ولی کے حالاتِ زندگی اور کلام کی خصوصیات پر روشنی ڈالتا ہے۔ اس زمانے میں ادبی و تہذیبی افکار کی خوبی کا معیار تصوف سمجھا جاتا تھا۔ ہمہ اوست کا نظریہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی تھا۔ چنانچہ ہندو مسلمان اہلِ دانش کے یہاں تصوف کا رجحان عام تھا۔ ولی نے بہ کثرت فلسفیانہ، صوفیانہ اور عشقیہ غزلیں سادہ و برجستہ اسلوب میں کہیں۔ اس کا نظریۂ ہمہ اوست مادی چیزوں سے بے تعلقی اور زاہدانہ زندگی پر مبنی تھا۔

اس دیوان کا آغاز اس غزل سے ہوتا ہے جس کا مطلع ہے:

وہ صنم جب سوں بسا دیدۂ حیراں میں آ
آتشِ عشق پڑی عقل کے ساماں میں آ

دیوانِ ولی مرتبہ گارسین دتاسی کا مقابلہ جب ہم انجمن ترقی اردو کے جدید ایڈیشن سے کرتے ہیں تو حسبِ ذیل نکات نظر آتے ہیں:

دتاسی کے دیوانِ ولی کے بعد سے قدیم مخطوطات میں بہت سی ایسی غزلیں اور اشعار ملے ہیں جو پیرس کے ایڈیشن میں نہیں پائے جاتے۔

غزلوں کی جو ترتیب دتاسی کے یہاں ہے وہ ہندوستانی، پاکستانی ایڈیشنوں سے مختلف ہے۔

پیرس کے ایڈیشن کے بعد سے یعنی ڈیڑھ سو سال میں مخطوطات کی تدوین کے کام میں ترقی ہوئی ہے چنانچہ اختلاف متن کی مثالیں ہر صفحہ پر ملتی ہیں۔ آج ولی کی زبان کو سمجھنا آسان نہیں۔ اس لیے انجمن ترقی اردو کے کلیات ولی میں بطور ضمیمہ بیس صفحات پر مشتمل متروک الفاظ کی فہرست مع فرہنگ ہے اور قواعد کے نقطۂ نظر سے جو تبدیلیاں وقت کے ساتھ رونما ہوئی ہیں ان سے بھی بحث کی گئی ہے۔

غرض یہ اولین اردو دیوانِ ولی کا فرانسیسی ایڈیشن انیسویں صدی کے یورپی معیارِ تدوین کا اچھا نمونہ ہے اور ماننا پڑتا ہے کہ اُس وقت تک ہندوستان میں تحقیق ابھی اِس معیار تک نہیں پہنچی تھی۔

● "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی"

ادب کی تحقیق و تدوین میں دتاسی کا سب سے اہم کارنامہ اس کی ہندوی و ہندوستانی ادبیات کی تاریخ ہے، جس پر اس نے اپنی زندگی کے کئی سال صرف کیے اور مواد کی فراہمی تحقیق و تدوین میں صرف تذکروں پر قناعت کرنے کے بجائے خطوط، مضامین، رسائل، مختلف فہرستوں (کیتالاگ)، قلمی نسخوں اور گرامر کی کتابوں سے بھی استفادہ کیا۔

اس تاریخ کے دو ایڈیشن خود دتاسی کی زندگی میں شایع ہوئے۔

پہلے ایڈیشن کی جلد اول ۱۸۳۹ء میں شایع ہوئی۔ جو ۱۶ + ۶۳۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور ۳۲ + ۶۰۳ صفحات پر مشتمل جلد دوئم ۱۸۴۷ء میں پیرس سے چھپی۔ تین جلدوں پر مشتمل دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء پیرس میں طبع ہوا جس میں بالترتیب ۶۲۴، ۶۳۰ اور ۶۰۳ صفحات ہیں۔

پہلا ایڈیشن لندن کی اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی سرپرستی میں فرانس کے سرکاری مطبع سے شایع ہوا اور ملکہ انگلستان وکٹوریہ کے نام معنون کیا گیا۔ دونوں جلدوں کے صفحۂ اوّل پر ایچ۔ ایچ۔ ولسن کا حسب ذیل بیان بطور طغریٰ ہے:

" ہندی زبان کی اپنی ادبیات ہیں اور دلچسپ ترین چیزوں میں سے ایک ہیں"
یہ اقتباس میکنزی کلکشن کے مقدمے سے لیا گیا ہے۔
پہلے ایڈیشن کی جلد اول میں ملکہ وکٹوریہ کے نام دو صفحوں میں انتساب کیا گیا ہے۔

" مادام یہ بالکل قدرتی بات ہے کہ میں نے یہ استدعا کی کہ اپنی اس تالیف کو جو ہندوستان کے ایک حصے سے متعلق ہے آں جلالت مآب کے نام معنون کرنے کی عزت حاصل کرسکوں۔ ہندوستان ایک بڑا اور خوبصورت ملک ہے جو آپ کے عصائے حکمرانی کے تحت آگیا ہے۔
ہندوستانی حکمرانوں میں ایک عورت بھی گذری ہے جس نے شاید سب سے زیادہ اپنی شخصی صلاحیت کے باعث امتیاز حاصل کیا تھا۔ یہ معلوم کرکے کہ اب تخت پر آں جلالت مآب جیسی صاحبِ فضل شہزادی جلوہ فگن ہوئی ہیں، ہندوستان کے باشندوں کو یقیناً سلطانہ رضیہ یاد آگئی ہوگی جو بڑی ہر دل عزیز تھی" (پیرس ۱۵ اپریل ۱۸۳۹ء)[1]

گارسین دتاسی کو تاریخ ادبیات کی تالیف کا خیال گلکرسٹ کی اردو قواعد میں تاریخ ادب کے فقدان کی شکایت پڑھ کر ہوا۔ چنانچہ اس نے اس موضوع پر کام کرنے کی غرض سے مختلف ماخذوں کی تلاش و تفتیش شروع کر دی۔ دتاسی اس تحقیق و جستجو کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" متواتر تلاش و تحقیق سے مجھے سات تذکرے دستیاب ہوئے اور باوجود ناکافی سامان کے میں نے ہندوستانی ادب کی تاریخ ۱۸۳۹ء میں شایع کر دی۔ یہ اگرچہ ایک ناقص سی تالیف ہے لیکن اسے عزت حاصل ہوئی کہ اس کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ ہوا اور انگریز مستشرقین میں بھی اس

---

[1] گارسین دتاسی۔" تاریخ ادبیات ہندوی وہندوستانی"
دیباچہ طباعت اول صفحہ 'ا' 'ب'۔

موضوع کا شوق بیدار ہوا۔ ان کی تحقیقات اور میری اپنی تلاش کا نتیجہ یہ نکلا
کہ بکثرت دیگر تذکروں کا پتہ چلا ہے میں ان سے استفادہ جزوی طور پر ہی
کرسکا کیونکہ اس میں متعدد مجھے دستیاب نہیں ہوسکے بعض کا صرف ذکر
تذکروں میں پڑھا۔ ویسے بھی ہیں جو کا ملاً غیر معروف نہیں۔ اس سے آپ کو
اندازہ ہو جائے گا کہ میرے پاس تاریخ ادبیات کے نئے ایڈیشن کے
لیے کس قدر جدید مواد جمع ہو گیا ہے۔"[1]

اس تالیف کا پلان حسب ذیل ہے۔ شروع میں ایک مختصر دیباچہ (ص۳ تا ص۱۶)
میں ہندوستانی زبان کی تاریخ نیز اس تالیف کے ماخذوں کا ذکر ہے۔ پہلی جلد ہندوستانی
زبان کے ایسے تذکروں کے لئے مخصوص ہے جو نسبتاً طویل ہیں۔ ان کی ترتیب زمانہ وار نہیں
بلکہ حروف تہجی کے اعتبار سے کی گئی ہے۔ یہ سلسلہ صفحہ ۵۵۴ تک چلتا ہے پھر ضمیمہ
میں ہندوی و ہندوستانی کی ایسی کتابوں کی فہرست ہے جن کا اس نے تذکروں کے
سلسلے میں ذکر نہیں کیا تھا۔ یہ فہرست بھی حروف تہجی کے اعتبار سے ہے اور صفحہ ۶۰۵ تک
جاتی ہے۔ بعد ازاں دو جلدوں میں مصنفوں کے نام اور تصانیف وغیرہ کے عنوان ہیں
اور حوالے دیئے ہیں کہ ان کو کتاب کے کس صفحہ پر دیکھا جا سکتا ہے۔

پہلی اور دوسری جلد کی طباعت کے مابین طویل وقفہ ہے۔ غالباً دوسری جلد
کا پورا مواد تیار نہ تھا۔ اس جلد کے شروع میں بتیس صفحوں کا دیباچہ ہے جس میں
ہندوی و ہندوستانی کی نثر و نظم کی کتابوں کی وضاحت کی گئی ہے اس کے بعد ۶۰۴
صفحات میں مختلف ادب پاروں کے اقتباسات دیئے گئے ہیں جو موضوع کے لحاظ
سے منقسم ہیں۔ اقتباسات کا صرف فرانسیسی ترجمہ ملتا ہے اور طریقۂ کار یہ ہے کہ
شروع میں ترجمہ پھر تجزیہ اور بعد میں تشریح۔ بعض مقامات پر ان کے ساتھ فٹ نوٹ
پر کچھ تفاصیل ملتی ہیں۔ آخر میں چار صفحوں میں فہرست مضامین ہے۔

---

[1] گارسین دتاسی: پانچواں خطبہ مورخہ ۴ دسمبر ۱۸۵۴ء۔ طباعتِ ثانی پیرس ۱۸۷۴ء صفحہ ۴۲ تا ۴۳

دوسری جلد کے دیباچہ میں مصنف بیان کرتا ہے کہ اس کا ارادہ دو جلدیں لکھنے کا تھا مگر اس اثنا میں اتنا مواد ملا ہے جس کے باعث وہ مجبور ہوگیا ہے کہ تین جلدیں شائع کرے لیکن حیرت کی بات ہے کہ اس نے پہلے ایڈیشن میں صرف دو جلدوں پر ہی اکتفا کی۔

۱۸۴۸ء میں جلد اوّل کے مطالب کو سامنے رکھ کر اردو میں ایک کتاب شایع ہوئی جو ۲۶ + ۵۰۴ صفحوں میں ہے۔ عنوان سے خیال ہوتا ہے کہ الیف۔ فیلن نے اس کا ترجمہ فرانسیسی سے انگریزی میں کیا۔ پھر مولوی کریم الدین نے انگریزی سے اُردو میں منتقل کیا۔ اس اشاعت پر انگریزی میں لکھا ہے:

"A History of Urdu poets chiefly translated from Garcin de Tassy's Histoire de la literature Hindouie at Hindoustanie by F. Fallon esquire and Maulvee Kareem Odeen with additions, Delhi College, 1848, Price 6 Rupees

اس کتاب کے لکھنے کا کام ۱۸۴۷ء کے وسط میں تمام ہوا۔ یہ لفظی ترجمہ نہیں بلکہ کچھ مواد گارسین دتاسی کی تاریخ سے بھی لیا گیا اور مترجم نے اس میں دیگر ماخذوں سے بھی اضافے کئے ہیں۔ اسی صفحے پر انگریزی کے نیچے اردو عبارت دی گئی ہے:

" شعرائے اردو کا مستر الیف۔ فیلن صاحب بہادر اور مولوی کریم الدین نے گارسندتسی کی تاریخ سے ۱۸۴۸ عیسوی میں ترجمہ کیا اور نوسو چوسٹھ شاعروں اردو گو کی اشعار اور حال بھی دواوین مختلفہ میں سے منتخب کر کر اوس میں مندرج کیا گیا۔

باہتمام سیّد اشرف علی مطبع العلوم مدرسہ دہلے میں چھپی۔
قیمت چھہ روپے ۱۸۴۸ء"

اسی طرح کتاب کے بالکل آخر میں:

"تمام ہوا تذکرہ طبقات الشعرار ہند مولفہ مولوی کریم الدین ۱۸۴۷ء"

مولوی کریم الدین نے اپنے دیباچہ میں بیان کیا ہے کہ انہوں نے کن اسباب کی بنا پر کتاب لکھی۔ اس کے چند اقتباسات حسب ذیل ہیں:

"بندۂ کمترین سب ارباب ہنر اور واقفان تاریخ و سیر کے خدمت میں عرض کرتا ہے کہ کتب تذکرہ اور طبقات چونکہ شاخیں فن تاریخ کی ہیں اس لئے اکثر اہل علم وفضل نے بلحاظ تکمیل فن تواریخ کی اس فن کی کتابیں ہر ایک زبان مروجہ میں تصنیف کی ہیں خصوصاً زبان عرب اور زبان فارسی وغیرہ میں اس قسم کی کتابیں بہت تصنیف ہوئی ہیں۔ اون کی دیکھا دیکھی زبان اردو میں بھی اس طریق تصنیف کا استعمال کیا ہے......... سب صاحبوں کی خدمت میں بندہ کمترین کریم الدین یہ عرض کرتا ہے کہ جب ایک تذکرہ شعراء عرب کا زبان اردو میں واسطے سوسائٹی کے لکھہ کر چھپوا چکا اس وقت یہ ارادہ ہوا کہ ایک تذکرہ شعرائے ہند کا بھی تاریخ وار جس سے ہر ایک شاعر کے سن زندگانی کا حال معلوم ہو جاوے اور یہہ معلوم ہو کہ وہ شاعر کس زمانہ میں موجود تہا مع اور حالات صادقہ اوس کے کی جہاں سے پاؤں جمع کر کے چھپواؤں اس لئے یہ تذکرہ چند تذکروں سے تالیف کر کے نام اوس کا طبقات شعرائے ہند کہا..... گرچہ میں نے یہہ ارادہ کیا تھا کہ بہت تذکرہ جمع کر کے اس تذکرہ کو فراہم کروں لیکن پہلے مجھ سی چونکہ دی ٹاسی نے زبان فرنچ میں درمیان ملک فرانس کے ایک تذکرہ ان تذکروں مفصلہ ذیل سے بہت اچھی طرح پر تالیف کر لیا تہا اس لئے اور دو تذکروں سے جو اوس کے دستیاب نہیں ہوئے اور اوس کے تذکرہ سے مدد لے کر یہہ تذکرہ میں نے فراہم کیا جن شعراء کا حال اپنی معاصرین میں سی میں نے لکھا ہے یقیناً اسیطرحکا حال کسی تذکرہ نویس نی شائقین میں سی نہیں لکھا۔"

طبقات الشعراء ایک مستقل تالیف ہے جس میں گارسین دتاسی کے نام سے انتساب

کی خاطر فائدہ اٹھایا گیا ہے۔

مزید مطالعہ سے بعض شاعروں کے حالات کا باہم مقابلہ کریں تو واضح ہو جاتا ہے کہ دونوں کتابوں میں کوئی ربط نہیں۔ کریم الدین کی کتاب خلاصہ بھی نہیں چہ جائیکہ ترجمہ۔ گارسین دتاسی کی تاریخ سے مولوی کریم الدین نے مختلف ماخذوں میں سے ایک کے طور پر استفادہ کیا ہے اور بس۔ اس کتاب کا معیار دوسرے تذکروں سے کسی طرح علاحدہ اور بہتر نہیں ہے۔

دتاسی کی تاریخ کا دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء تین جلدوں میں بعد نظر ثانی، تصحیح اور کافی اضافہ کے ساتھ طبع ہوا۔ یہ بھی اغلب ہے کہ انگلستان یا اس ادارہ کی طرف سے کوئی مالی مدد نہیں ملی جس کی سرپرستی میں اس کو تیار کیا گیا تھا۔

پہلی جلد کے چار صفحوں کے دیباچے میں نئی اشاعت کے اسباب بتائے گئے ہیں پھر اکہتر صفحات پر مشتمل تمہید ہے جس میں ہندوستانی زبان کے آغاز وارتقا سے بحث کی گئی ہے۔ طباعت کے دوران حاصل شدہ مواد کی تفصیل ضمیمے میں ہے۔ ایک اور ضمیمے میں حروف تہجی پر مرتب تالیفات کا ذکر ہے جن کو کتاب میں شامل نہیں کیا جا سکا تھا۔

آخر میں مولفین کے ناموں کا باسٹھ ۶۲ صفحات میں اشاریہ ہے اور ترپن ۵۳ صفحوں میں کتابوں کے عنوانات کا دوسرا اشاریہ ہے۔ دونوں میں ہر صفحہ پر دو کالم بیالیس سطری ہیں۔ جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کتنی کثیر تعداد میں تالیفات اور مؤلفین کا ذکر ہوا ہے۔

مصنفین کے یہ تزجمے حروف تہجی پر مرتب ہیں۔ ہر شاعر کے حالات میں وہ معلومات کے ماخذوں کا حوالہ نہیں دیتا۔ زیادہ تر فٹ نوٹ میں لوگوں کے ناموں اور کتابوں کے عنوانات کا مفہوم بیان کرتا ہے، بعض اوقات اشخاص کے متعلق بھی کچھ دلچسپ معلومات ملتی ہیں۔

تاریخ کے دونوں ایڈیشنوں میں یہی طریقہ اختیار کیا گیا ہے کہ وہ ماخذوں کا صرف ایک بار کتاب کے دیباچہ میں ذکر کرتا ہے۔ پہلے ایڈیشن میں سات تذکروں کا حوالہ دیتا ہے۔ دوسرے ایڈیشن میں ان کی تعداد چھپن ہے۔ اس کے علاوہ بطور ماخذ اس نے کتب خانوں کی مطبوعہ یا قلمی فہرستوں سے کام لیا ہے۔ البتہ اس کا پتہ نہیں چلتا کہ اس نے دیگر زبانوں کی

کتابوں سے بھی تاریخی اور دیگر معلومات حاصل کی ہیں یا نہیں۔

پہلے ایڈیشن کی دونوں جلدوں میں ایک تاریخی اور ادبی دیباچہ ملتا ہے۔ یہی اجمالی نکات مزید تفصیل سے دوسرے ایڈیشن کی پہلی جلد میں بیان کئے گئے ہیں۔ یہ طویل اور عالمانہ مقدمہ دلچسپ اور معلومات افزا ہے۔

وہ ہندوستانی زبانوں کی تاریخ کا آغاز سنسکرت سے کرتا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ جب آریوں کے ساتھ سنسکرت ہندوستان میں داخل ہوئی تو دوسری مقامی بولیوں کا رواج یکسر ختم نہیں ہوا۔ بلکہ اس کے نزدیک تو شمال ہو یا جنوب، سنسکرت کبھی بھی عوام کی زبان نہیں رہی۔ چنانچہ قدیم ناٹکوں میں صرف اعلیٰ طبقے کے کردار سنسکرت بولتے ہیں جبکہ عوام الناس اور عورتوں کے مکالمے "پراکرت" میں ہیں۔

یہ پراکرتیں عوام میں اس قدر مقبول تھیں کہ سنسکرت علماء کی گفتگو اور مقدس کتابوں سے آگے نہیں بڑھی۔ پراکرت کے معنی ہی معمولی یا قدرتی ہیں۔ جبکہ سنسکرت سے مراد وہ چیز ہے جو پوری طرح بن چکی ہو، پختہ ہو۔ ملک کے شمال میں ان پراکرتوں سے جس بولی نے ترقی کی اسے "بھاشا" کا نام دیا گیا جس کے معنی زبان کے ہیں۔ یہی زبان بعد میں ہندوی کہلانے لگی۔ محمود غزنوی کی آمد کے بعد اس زبان کا رنگ آہنگ بدلنے لگا۔ تیمور لنگ کے حملے اور پھر ۱۵۰۵ء میں بابر کے قیام سلطنت کے بعد تو نووارد افواج سے ربط و تعلق کے بعد اس زبان پر فارسی کے اثرات نمایاں ہونے لگے جس کے توسط سے عربی الفاظ کی کثرت بھی بھاشا میں نمایاں ہوئی۔ اگرچہ اردو ہندی میں محاوروں کے انتخاب میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن یہ کوئی دو مختلف زبانیں نہیں بلکہ ایک صرف و نحو پر مبنی ہیں۔ چاہے ایک حد تک ان میں عناصر مختلف ہوں۔ اسی زبان کو اہل یورپ نے ہندوستانی کا عام نام دے دیا ہے جس میں ہندوی۔ ہندی۔ اردو اور دکھنی سب شامل ہیں۔

دتاسی کے خیال میں ہندوی اور ہندی دونوں مترادف نام ہیں لیکن اسے دھوکا ہوا کیونکہ خود اس ملک کے ماخذ اس رائے کے حق میں نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ لفظ ہندوی کو

اردو اور ریختہ کے مترادف سمجھا گیا یعنی وہ ہندوستانی زبان جو عربی خط میں لکھی جاتی ہے۔[1]
وہ پہلے ایڈیشن کے دیباچہ میں اس زبان کے لئے اردو اور ریختہ کے ساتھ "ہندوستانی" کا اضافہ کرتا ہے کہ اہل یورپ نے یہ نام دیا ہے۔ اس کا بیان صحیح ہے کہ ناموں کا اختلاف جو اس زبان کے متعلق پایا جاتا ہے وہ رسم الخط کی بنا پر ہے یعنی وہ عربی میں لکھی جائے یا دیوناگری میں۔

مزید یہ کہ گارسین دتاسی نے گوریزیو کی تقسیم کی اتباع کرتے ہوئے ہندوستان کی پرانی شاعرانہ وراثت کو چار حصّوں میں بانٹا ہے۔

"آکھیانا" (قصّے کہانیاں) وہ نظمیں جن کا مقصد عوام الناس کی روایات اور کہانیوں کو مدون کرنا ہے۔

"آدی کاویہ" (مروّج پرانی نظمیں) بالخصوص راماین وغیرہ

"اتہاسا" (تاریخ اور مختلف واقعات) اس سے مراد وہ بڑے مجموعے جن میں نیم تاریخی اور نیم دیومالا قسم کی روایتیں ملتی ہیں مثلاً مہا بھارت۔

"کاویہ" (عام نظمیں) یہ ایک عام اصطلاح ہے جس میں ساری چھوٹی بڑی نظموں کی فہرست حروف تہجی پر مرتب اکسٹھ صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے۔

بعدہٗ گارسین دتاسی ہندوستانی کی مروج اقسام شاعری کا ذکر کرتا ہے:

رزمیہ نظمیں: مرثیہ۔ مثنوی
اخلاقی اور نصیحتی نظمیں
عشقیہ نظمیں: غزل
بیانیہ و مدحیہ نظمیں: قصاید و ہجو

اس تمہید کے بعد وہ بیان کرتا ہے کہ "یہ بتانا میرا فریضہ ہے کہ ہندوستانی قواعد عروض وہی ہیں بجز خفیف اختلاف کے جو فارسی اور عربی میں ہیں"۔[2]

---

[1] ہم نے قارئین کی آسانی کی خاطر اس مقالے میں گارسین دتاسی کی استعمال کردہ اصطلاحیں برقرار رکھی ہیں۔

[2] گارسین دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی۔ دوسرا ایڈیشن ۱۸۷۰ء پیرس۔ ص ۲۶

نظم کی طرح اس نے نثر کی بھی تین قسمیں بتائی ہیں:

۱. مرجز یا شاعرانہ نثر میں آہنگ تو ہوتا ہے مگر قافیہ نہیں ہوتا۔

۲. مسجع یا سجع نثر میں قافیہ ہوتا ہے مگر وزن نہیں ہوتا۔

۳. عاری یا معریٰ نثر نہ قافیہ ہوتا ہے اور نہ آہنگ۔

لیکن وہ ہندوستانی نظموں پر زیادہ توجہ دیتا ہے اور چھیالیس چھوٹی بڑی قسموں کا ذکر کرتا ہے کہ ان میں ایسی دلچسپ چیزیں ملتی ہیں جن کی توقع نہیں کی جاتی تھی۔

وہ اعتراف کرتا ہے کہ ہندوستانی ادبیات کا بڑا حصہ فارسی، عربی اور سنسکرت کے تراجم پر مشتمل ہے لیکن ان ترجموں کو بھی خاصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ یہ اصل کی مبہم اور غیر واضح عبارتوں کو سمجھنے میں مدد دیتی ہیں۔ اور بعض اوقات تو وہ اصل جگہ لے لیتے ہیں اگر بدقسمتی سے اصل کتاب ناپید ہو چکی ہو[1]

دتاسی کو ہندوستان آنے کا کبھی موقع نہیں ملا۔ وہ بیان کرتا ہے کہ "میں نے کوشش کی ہے کہ جتنی قلمی کتابیں ممکن ہو مہیّا کروں۔ میں تین بار انگلستان گیا تاکہ ہندوستانی کتابوں کے ذخیروں کا سرکاری اور نجی کتب خانوں میں پتہ چلاؤں۔ ہندوستانی مخطوطات کا سب سے اہم ذخیرہ جو میں دیکھ سکا وہ ایسٹ انڈیا آفس لائبریری ہے[2]۔ میں نے خاص کر سوانح عمریوں اور نظموں کے مجموعوں کو جنہیں عام طور پر تذکرہ کہا جاتا ہے، دیکھا۔ مجھ پر شاید اعتراض ہو کہ میں نے اپنی تحقیق میں بہت سے غیر اہم شاعروں کا ذکر کیا ہے لیکن میری دانست میں ان میں سے ہر ایک پر ایک ایک مضمون ہونا چاہیئے خواہ وہ چند سطری ہی کیوں نہ ہو[3]"۔

وہ مؤلفوں کے نام کے ساتھ ان کی تصانیف کی فہرست بھی دیتا ہے۔ اور اسے ہندوستانی و فارسی کے چھیاسٹھ تذکروں کا پتہ چلا ہے[4]

---

[1] گارساں دتاسی: تاریخ ادبیات۔ پیرس ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء صفحہ ۳۸

[2] 〃 〃 〃 〃 〃 ۳۹

[3] 〃 〃 〃 〃 〃 ۴۰

[4] 〃 〃 〃 〃 〃 ۴۰ تا ۵۰

اس کی رائے میں یورپ میں سوانح عمری کے مولّف کی کوشش یہ ہوتی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو مصنفین یا شعرار کے ذاتی حالات تفصیل سے بیان کئے جائیں اس کے برخلاف ہندوستانی تذکروں میں ذاتی حالات کی تفصیل مطلق نہیں ہوتی۔ صحت کا بھی خیال نہیں رکھا جاتا۔ اکثر شاعر کا نام اور اس کے چند اشعار کے سوا کچھ نہیں ہوتا ان کی تاریخِ ولادت کا کبھی ذکر نہیں ہوتا۔ اور تصنیفات کا بھی نام نہیں لیا جاتا اور نہ ہی ان کے موضوعات بتائے جاتے ہیں۔ اہل مشرق پیدائش کا رجسٹر نہیں رکھتے اور عموماً اپنی عمر نہیں جانتے۔ چنانچہ اندازہ لگانا پڑتا ہے کہ یہ کس زمانے اور کس صدی کا شخص ہے لیکن اس میں بڑی دشواری ہوتی ہے کیونکہ کتابوں کی نقل در نقل میں بہت سے الفاظ کچھ کے کچھ ہو جاتے ہیں۔ بس ان تذکروں کا بنیادی فائدہ یہ ہے کہ ان شاعروں کی نظموں کے چند اقتباسات پیش کئے جائیں جو یورپ میں غیر معروف ہیں۔[1]

دتاسی نے سوانح عمریوں کو شاعروں کے تخلص کی مناسبت سے بہ حروف ابجد ترتیب دیا ہے اور چند الفاظ ہر عہد سے متعلق اور ہر صدی کے شاعروں کی تعداد و اہمیت پر تحریر کئے ہیں۔ البتہ اس نے یہ ضرورت محسوس نہیں کی کہ شاعروں میں شمالی اور جنوبی بولیوں کے لحاظ سے امتیاز کرے حالانکہ اس نے تاریخ میں جگہ جگہ دکھنی پر زور دیا ہے اور اس نے تحقیق و تنقید سے کام لیا ہے۔ ہندوستانی زبان کے شاعروں میں وہ بعض عیسائی (جن میں کچھ یورپی نسل کے بھی ہیں) پارسی، یہودی افراد اور ایک حبشی شاعر سدّی حامد لبسمل کا ذکر کرتا ہے۔[2]

اس تاریخ میں ہندوستانی شاعرات کا بھی ذکر ہے اور ان پر اس نے ایک الگ مضمون بھی لکھا ہے۔ بحث کے اختتام پر لکھتا ہے کہ " اوپر دی ہوئی مختصر تفصیل سے اندازہ ہو گا کہ میری کتاب میں کیا چیزیں بیان ہوئی ہیں۔ میں دنیائے علم وفضل خاص کر سنسکرت کے دلدادہ لوگوں

---

[1] گارسین دتاسی: تاریخ ادبیات پیرس ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۱ء صفحہ ۵۱

[2] دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی۔ صفحہ ۶۶

سے جو ملک کی عام بولیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں باادب درخواست کروں گا کہ وہ ملحوظ رکھیں کہ یہ عام بولیاں بھی ایک نہ ایک دن اہم علمی زبانیں بن جائیں گی۔ بہرحال یہ بولیاں ملک کے تمدن کی حامل ہیں اور اس زنجیر کی ایک کڑی ہیں جو حال کو مستقبل سے ملاتی ہے"۔[1]

گارسین دتاسی کی تاریخ ادبیات یقیناً اس کا شاہکار ہے اس تالیف میں تحقیق و جستجو کی جس قدر صبر آزما منزلوں سے اسے سابقہ پڑا اور اس نے جس عمیق نظر اور وسیع علم وفضل کا مظاہرہ کیا ہے اس کی جتنی بھی داد دی جائے وہ کم ہے۔ بدقسمتی سے وہ کبھی ہندوستان نہیں آیا۔ وہ دور بیٹھا لکھ رہا تھا۔ اسے اردو کے سوشل کلچرل ماحول، مغل ہندوستان اور مشرق کا پورے طور پر اندازہ نہیں ہوسکا اس لئے کچھ غلط فہمیوں کا پیدا ہونا لازمی تھا۔ تذکروں کی مرصع اور مبالغہ آمیز عبارتوں سے وہ کہیں کہیں مغالطہ میں پڑ جاتا ہے۔

دتاسی کی تاریخ کے متعلق مولوی عبدالحق کی یہ رائے خاصی متوازن ہے:

"مصنف نے اس امر کی کوشش کی ہے کہ جہاں تک ممکن ہو قدیم تذکروں اور کتابوں سے ہر مصنف کی معلومات جمع کی جائیں۔ اس کے علاوہ ایک بات جو ہمارے تذکروں میں مفقود ہے وہ یہ کہ اس نے ہر مصنف یا شاعر کے کلام سے بعض ایسے نتائج اور معلومات اخذ کئے ہیں جن سے اس کی زندگی اور سیرت پر روشنی پڑتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اس کتاب میں جابجا غلطیاں پائی جاتی ہیں اس کی ایک وجہ تو یہ ہے کہ اس زمانے میں بہت سی ایسی معلومات ظہور میں نہیں آئی تھیں جو اس وقت ہماری دسترس میں ہیں۔ دوسرے آخر وہ غیر ملک کا شخص تھا اور کبھی ہندوستان آنے کا اتفاق نہیں ہوا تھا۔ اس سے ہمارے ادب اور ہمارے معاملات کے سمجھنے میں کہیں کہیں غلطی کا سرزد ہو جانا کوئی تعجب

---

[1] دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی۔ صفحہ ۱۷

کی بات نہیں۔ تعجب اس امر پر ہے کہ اس اجنبی نے ہندوستان سے ہزار میل کے فاصلے پر پیرس میں بیٹھ کر ہمارے ادبیات پر ایسی بے مثل اور عجیب کتاب لکھ ڈالی۔" [1]

مولوی عبدالحق نے برسبیل تذکرہ خامیوں کا ذکر کیا ہے۔ مثالیں نہیں دی ہیں۔ حالانکہ اس کی بعض تسامحات بہت واضح ہیں۔ مثلاً گارسین دتاسی نے اضافوں اور تصحیحوں کے باوجود میر انیس جیسے بڑے اور مشہور شاعر کو چھوڑ دیا ہے گویا وہ ان کی اہمیت سے ناواقف تھا۔

گارسین دتاسی نے "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" جلد دوم سیکنڈ ایڈیشن مطبوعہ ۷۱-۱۸۷۰ء صفحہ ۳۰۵ تا ۳۲۲ میں میر محمد تقی کے حالات زندگی۔ سراج الدین خاں آرزو سے قرب، معاصر شعراء سے تعلقات اور میر کی شاعری سے مفصل بحث کی ہے اور مختلف اصناف سخن بطور نمونہ پیش کئے ہیں مثلاً "مثنوی شعلۂ عشق" کا فرانسیسی ترجمہ سات صفحوں میں کیا ہے۔ پھر دو صفحوں میں "مثنوی در ہجو خانۂ خود کہ بسبب شدت باراں خراب شدہ بود" کے فرانسیسی ترجمے میں میر کی مفلوک الحالی اور ان کے گھر کی تباہی کا نقشہ کھینچا ہے بعد ازاں دو صفحوں میں "مثنوی دیگر در بیان کذب" کا مفہوم واضح کیا ہے۔ اس کے علاوہ غزل۔ قطعہ رباعی اور فردیات کا فرانسیسی ترجمہ دیا ہے۔

میر کی غزل کے پانچ اشعار کا ترجمہ کیا ہے جن میں سے چار میں اسے غلط فہمی ہوئی ہے مثلاً:

۱۔ صحرا میں سیلِ اشک مرا جا بجا پھرا
مجنوں بھی اس کی موج میں مدت بہا پھرا

پہلے مصرعہ کے معنی تو صحیح ہیں مگر دوسرے میں غلطی کر دی ہے کہ "مجنوں کے اشکوں کی طرح میرے سیلِ اشک سے صحرا بھر گیا۔"

---

[1] خطباتِ گارسین دتاسی حصہ اوّل مرتبہ ڈاکٹر مولوی عبدالحق۔ اشاعتِ ثانی ۱۹۷۹ء سلسلہ مطبوعات انجمن ترقی اُردو۔ کراچی۔ صفحہ ۲۴

۲۔ طالع جو خوب تھے نہ ہوا کچھ جاہ نصیب

سر پر مرے کروڑ برس تک ہُما پھرا

دتاسی: "مجھے کوئی بڑائی نصیب نہ ہوئی ہر چند کہ میرے ستارے ٹھیک تھے اور ہُما بھی کروڑ برس تک میرے سر پر سے گذرا" یہاں "طالع جو خوب تھے" میں میر کے یہاں جو طنز ہے اس طنزیہ پہلو کو دتاسی نہیں سمجھ سکا۔

۳۔ ٹک بھی نہ مڑ کے میری طرف تو نے کی نگاہ

اک عمر ترے پیچھے میں ظالم لگا پھرا

اس شعر میں دتاسی نے: "قاصد واپس آگیا مگر تو بالکل نہیں پلٹا" کا اضافہ کیا ہے جس کی وجہ سے مفہوم غلط ہو گیا ہے۔

۴۔ دیر و حرم میں کیونکر قدم رکھ سکے گا میر

ادھر تو اس سے بت پھرے اودھر خدا پھرا

دتاسی: اے میر تو کیسے دیر و مکہ میں قدم رکھ سکے گا۔ یہاں اللہ کے ساتھ بت بھی ہیں اور وہاں صرف اللہ۔ جبکہ میر کا کہنا ہے کہ بت اور خدا دونوں ان سے ناراض ہیں۔

دتاسی میر کی دنیا سے بے تعلقی کو اس رباعی کے مفہوم کی صحیح ادائیگی سے واضح کر دیتا ہے۔

روئے کوئی کیا، گئی جوانی یوں کر   جاتی ہے نسیم و گل کی نکہت جوں کر

پیری آندھی سی میر ناگہ آئی   ہم برگِ خزاں سے اس میں ٹھیریں کیونکر

دتاسی نے میر کے چار فردیات کا فرانسیسی ترجمہ کیا ہے جس میں پہلے فرد کا ترجمہ تو بالکل صحیح ہے بقیہ تین فردیات میں کچھ نہ کچھ تبدیلی کی ہے مثلاً

تری زلف سیہ کی یاد میں آنسو جھمکتے ہیں

اندھیری رات ہے برسات ہے جگنو چمکتے ہیں

دتاسی: تیرے سیاہ بالوں کی یاد میں میرے رخساروں پر آنسو ایسے چمکتے ہیں جیسے

برسات کی اندھیری رات میں جگنو۔ یہاں دتاسی نے فرانسیسی ترجمہ میں وضاحت کے لئے "رخساروں" کا اضافہ کر دیا ہے۔

مرے رنگِ شکستہ پر ہنستے ہیں مرداں سارے
ہوا ہوں زعفران کا کھیت ترے عشق میں پیارے

دتاسی: سب میرے بدلے ہوئے رنگ پر ہنستے ہیں۔ اے محبوب تیری محبت نے میرے چہرے کو "زعفران کے کھیت" میں بدل دیا ہے۔ دتاسی اس شعر کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ محبت نے عاشق کے چہرے کے رنگ کو "زعفران کے کھیت" کی طرح پیلا کر دیا ہے جس کو دیکھ کر سب لوگ ہنستے ہیں۔ شاید وہ "زعفران کے کھیت" کے محاورے سے واقف نہیں کہ جس کو دیکھ کر آدمی کو خود بخود ہنسی آجاتی ہے۔

دتاسی نے تاریخوں میں بھی غلطی کی ہے۔ مثلاً اس کی تحقیق ہے کہ "بیدل کی وفات دہلی میں ۱۱۳۳ھ میں ہوئی"[1] یہ صحیح نہیں ہے۔ بیدل نے ۱۱۳۷ھ میں انتقال کیا۔ وہ مزید لکھتا ہے کہ "غالب کو مرزا عبدالقادر بیدل سے تلمذ تھا"[2] اگرچہ غالب کی ابتدائی شاعری پر مرزا بیدل کے اسلوب کا اثر نہایت واضح ہے لیکن غالب مرزا بیدل کی وفات کے تقریباً پچھتر[3] سال بعد ۱۲۱۲ھ میں پیدا ہوئے۔ تلمذ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ایک شعر

کیا خاک ہو صفائی بھلا ہم میں یار میں
خط بھی لکھا جو ہم کو تو خطِ غبار میں

تشریح کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "اپنے معشوق سے تعلقات میں خاک ایک پسندیدہ چیز ہے جس وقت وہ مجھے لکھنا چاہے تو اپنے خیالات کو ریت پر درج کرتا ہے" دراصل

---

[1] دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی صفحہ ۵۰۲ (فٹ نوٹ)
[2] ایضاً صفحہ ۳۵۰
[3] ایضاً صفحہ ۲۱۱

"خاک ہو صفائی" کا محاورہ اس کی سمجھ سے باہر ہے اور عربی رسم الخط کے مختلف طرز تحریر سے بھی وہ بے خبر معلوم ہوتا ہے ورنہ "خط غبار" کی یہ تشریح نہ ہوتی۔ ایسے ہی ایک اور شعر:

سررشتہ محبت ہم سب سے توڑ بیٹھے
اپنا ہی سراب اپنے زانو سے جوڑ بیٹھے

کی تشریح میں 'سر' 'اب' کو سراب بمعنی نظر کا دھوکا سمجھ کر شعر کے معنی غلط بیان کیئے ہیں[1]

قاضی عبدالودود نے دتاسی پر کئی عالمانہ مضمون لکھے ہیں اور انہوں نے دتاسی کی غلطیوں کی نشان دہی کی ہے کہ اس نے بعض الفاظ کے معنی بالکل الٹے لیئے ہیں اور ان کا تفصیلی ذکر کیا ہے مگر بحیثیت مجموعی اس کو اپنے مقصد میں کامیاب بتایا ہے لیکن یہ دتاسی کے علمی مرتبے کے تعین میں انصاف نہیں ہے۔

البتہ گارسین دتاسی سے یہ توقع کی جاتی تھی کہ مشرقی شاعری (خاص کر) اردو ہندی شاعری) کا یورپی شاعری سے خیالات۔ جذبات اور ہیئت کے اعتبار سے مقابلہ کرے گا لیکن اس نے ایسا نہیں کیا۔ کہیں کہیں صرف اشارے کر دیئے ہیں۔

اس نے بڑے خلوص سے کوشش کی کہ صحیح اور ضروری معلومات ، مختلف مولفوں کی حیات ، ذہنی ارتقاء اور ان کی قوت تنقید کے بارے میں فراہم کرے۔ برخلاف مروجہ تذکروں کے اس نے مصنفین کی خصوصیات ، شخصی دلچسپیاں ، پسندیدہ مشاغل اور اشیاء متعلقہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے جس سے پڑھنے والے کو ہر لکھنے والے کے رجحانات اور انفرادی امتیازات معلوم ہو جاتے ہیں۔ یہ اس کا یورپین تنقیدی رویہ تھا جو ان ترجموں کو ہندوستانی تصانیف سے ممتاز کرتا ہے۔ "تاریخ ادبیات معلومات کی ایک کان ہے جس میں صرف شاعر ہی نہیں نثر نویس بھی ہیں۔ ان کے علاوہ مدیر اور پبلشرز بھی۔ اس میں اردو کے ساتھ زبان ہندی کا ارتقاء اور ہندی

---

[1] دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی صفحہ ۲۴۸

مصنفین کو بھی شامل کیا گیا ہے۔

دتاسی نے اپنی تالیف کو "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" کا نام دیا ہے۔ جس میں ۱۸۳۶ صفحات میں سے تین سو صفحے ہندوی کے لئے مختص ہیں۔ جن میں ۹۰ مصنفین کا ذکر کیا ہے۔ بہت سے اہم لکھنے والے اور ان کی کتابیں نظر انداز ہو گئی ہیں۔ مثلاً جگ ناٹک۔ ودیا پتی، رحیم، بھوشن اور دین دیال گری وغیرہ۔ اس نے ناموں، تاریخوں اور مقامات کو بھی خلط ملط کر دیا ہے لیکن اس کے باوجود "تاریخ ادبیات ہندوی" لکھ کر اس نے ادب کی بڑی خدمت کی ہے۔ اس موضوع پر یہ اولین کتاب شمار کی جاتی ہے۔

ہندی سے متعلق حصہ کا ترجمہ ڈاکٹر ایس ایل وارشنی نے ہندوستانی اکیڈمی الہ آباد سے شائع کیا ہے۔ بقول ان کے گارسین دتاسی کی ہندی دانی اچھی تھی اس نے ہندی اشعار کا مفہوم سمجھ کر صحیح ترجمہ کیا ہے۔ مثلاً کبیر

कबीर कानि राखी बर्णाश्रम षट दरशनी ॥
भक्ति बिमुख जो धर्म से अधर्म करि गायो ।
योग यज्ञ ब्रत्तदान भजन बिन तुच्छ दिखायो ॥
हिन्दु तुरक प्रमान रमैनी सबदी साखी ।
पक्षपात नहिं बचन सबहि के हित की भाषी ॥
आरूढ़ दशा है जगत पर मुख देखी नाहिन भनी ।
कबीर कानि राखी नहीं बर्णाश्रम षट दरशनी ॥

ان کا ترجمہ گارسین دتاسی نے یوں کیا ہے[1]

"کبیر نے ذات پات کے فرق کو اپنے کانوں میں گھسنے نہیں دیا اور نہ ہی چھ فلسفی نظاموں[2] کے فرق کو،

---

[1] گارسین دتاسی: تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی۔ پیرس ۱۸۷۰-۱۸۷۱ء صفحہ ۱۲۱

[2] قدیم ہندی فلسفے کے چھ نظاموں کو شڈ درشن کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے جو حسب ذیل ہیں:
۱۔ نیائے ۲۔ ولیشیشک ۳۔ سانکھیہ ۴۔ یوگ ۵۔ میمامسا ۶۔ ویدانت۔

اس نے بیان کیا ہے کہ مذہب میں اختلاف رکھنے والے شخص کی عادتیں اچھی نہیں۔ وہ
زہد، قربانی، کفارہ اور مذہب پر ظاہری عمل کو بے سود قرار دیتا ہے۔
اس کے رمینی۔ اس کے سبدی اور ساکھی (مختلف اصنافِ سخن) کی ہندو
مسلمان دونوں قدر کرتے ہیں۔
اس کے بیانات کسی خاص فرقہ سے مختص نہیں ہیں بلکہ ہر ایک سے متعلق ہیں۔ دنیاوی
مفاد سے بالا رہتے ہوئے اس نے کسی کی خوشامد نہیں کی ہے۔
کبیر نے ذات پات کے فرق کو اپنے کانوں میں گھسنے نہیں دیا اور نہ ہی چھ فلسفی
نظاموں کے فرق کو۔"
یہ لفظی ترجمہ تو نہیں لیکن مفہوم کی پورے طور پر ادائیگی ہو جاتی ہے۔
دتاسی کی تاریخ ادب کی اہمیت اردو اور ہندی ادبیات کے اہل زبان کے
لئے ہمیشہ برقرار رہے گی۔
فرانس کی سوسیٹی ازیاتک کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۷۱ء-۷۲ء ژورنال ازیاتک
۱۸۷۲ء میں شایع ہوئی جس میں ارنسٹ رناں خاص کر گارسین دتاسی کی تاریخ ادبیات
کے نئے ایڈیشن کا ذکر کرتا ہے کہ " اس حوالوں کی کتاب کو دوبارہ لکھنے کی ضرورت نہیں
ہوگی اور وہ خود ایک وسیع تذکرہ بن کر ایک ایسی زبان کے ادبیات پر معلومات مہیا کرے گی
جو بلا شبہ قدیم ایشیا کی پرانی ادبیات کے مقابلے میں فروتر درجہ رکھتی ہے
لیکن ان کے مقابلے میں زیادہ دلچسپ ہے اور وہ ہمارے زمانے میں نسلِ
انسانی کے ایک خاصے بڑے طبقے کے لئے غذائے ذہنی فراہم کرتی ہے۔ بعض وقت تو
واقعی اس میں ساحرانہ دلکشی پائی جاتی ہے...... اس میں فطرت کا عمیق جذبہ اور انسان کی
قسمت کے ساتھ بلند پایہ صوفیانہ فلسفہ بھی ملتا ہے۔ وہ تمام مستشرقین جو سلوستر دساسی
کے بڑے مکتب سے نکلے ہیں اور جن میں اس ممتاز استاد نے ایشیا کی مختلف سلطنتوں کو
بانٹ دیا ہے۔ غالباً گارسین دتاسی وہ شخص ہے جس نے اپنے حصے میں آئے ہوئے فرض

کو ذمہ داری سے انجام دیا۔ اپنے متعلقہ ملک کے لوگوں سے تعلق قائم رکھنے کی پوری کوشش کی ہے اور ہمارے ملک میں وہ ان لوگوں کا ادبی سفیر ہے۔ امسال برطانوی ہند کے ادبی حالات کا جو خلاصہ دیا ہے وہ ان دلچسپ امور پر جو ہندوستان میں حرکت پذیر ہیں معلومات سے لبریز ہے ..... موسیو گارنرلیو کی طرح اس کی رائے میں بھی ہندوستانی ہی وہ زبان ہے جو اپنی ساخت کے باعث ان سارے تاریخی متعلقہ امور کی جن سے ہندوستان گذر چکا ہے حامل ہے..... اور سنسکرت سے ساری زندہ بولیوں کے مقابلہ میں قریب تر ہے[1]

ارنسٹ رناں نے ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۷۰ء میں گارسین دتاسی کے حوالے سے لکھا ہے کہ انگلستان وسیع القلبی کے ساتھ ہندوستان کی سرپرستی کر رہا ہے اُس سے وہاں ایک علمی تحریک پیدا ہو گئی ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "میری رائے میں انگلستان نے اس مطمحِ نظر کو تحقق پذیر کر دیا ہے جو نہ تو ہندوستان کے مفاد کے خلاف ہو اور نہ اس بڑی یورپی سلطنت کے مفاد کے خلاف ہو..... غرض اس ملک میں نئی زندگی پیدا ہو جو پست ہمتی اور بدنظمی کا شکار ہو گیا ہے۔ برطانوی ہند ایشیا کا وہ ملک ہے جو ہمارے زمانے میں ایک نہایت مکمل اور جدت پسند زندگی گذار رہا ہے اور جہاں یورپ کا اثر زیادہ قوی بھی ہے اور سب سے کم ظالمانہ بھی۔[2]

دتاسی کے ادبی کام اور شرقیات خصوصاً ہندوستانی سے اس کی دلچسپی کی شہرت رفتہ رفتہ ہندوستان میں عام ہونے لگی۔ چنانچہ سرسید احمد خاں نے اخبار سائنٹفک سوسائٹی علی گڑھ مورخہ ۱۱ ستمبر ۱۸۶۸ء کو دتاسی کی ادبی خدمات پر باقاعدہ اڈیٹوریل لکھا۔ سرسید لکھتے ہیں:

> "گارسین ڈٹاسی صاحب نے جن کا نام نامی یورپ کے علمی مجالس میں نہایت مشہور ہے اور جنھوں نے اپنی زندگی کا بڑا حصہ مشرقی زبانوں کی تحصیل میں صرف کیا ہے، ملک فرانس سے ہمارے پاس ایک ایسی کتاب بھیجی ہے

---

[1] ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۷۲ء صفحہ ۲۵

[2] " " " ۱۸۷۰ء صفحہ ۱۹ تا ۲۰

جس میں ہندوستانی زبان کی تحقیق کی گئی ہے مگر اس کے مصنف نے ، ہندوستانی زبان سے ایک ایسے وسیع معنی مراد لیے ہیں جس میں ہندی اردو دکھنی زبانیں سب شامل ہیں۔ فی زمانناجو قدر و منزلت دیسی زبان کی تصنیفات کو حاصل ہیں اس کے لحاظ سے ہم نے اس کتاب پر نہایت توجہ کی ہے اور چونکہ ملک یورپ کے صاحب کمال لوگ ہندوستان کی دیسی زبانوں کو بہت کم تحصیل کرتے ہیں اور نہ اس سے علم زبان کی ترقی کا نفع مدنظر رکھتے ہیں نہ علم انشا کے کمال کا خیال کرتے ہیں اس سبب سے اس کتاب کا مطبوع ہونا ہم کو نہایت خوش معلوم ہوا ہے اور اسی وجہ سے ناظرین اخبار کو بھی اس کے حال سے مطلع کرنا پسندیدہ معلوم ہوا۔

یہ بات سب لوگ بخوبی جانتے ہیں کہ جب قوم ایرین ہندوستان کے میدانوں میں مغرب کی جانب سے آکر بسی اور ہندوستان کے اصلی باشندوں کو مشرقی پہاڑوں کی طرف رفتہ رفتہ مار کر بھگا دیا اور ان کے اصلی موطن کے سمت پہنچا دیا تو ان ملکوں میں قوم ایرین کے سبب سے ایک ایسی جدید زبان قائم ہو گئی جو ہندوستانی اور انگریزی سے مخلوط تھی اور سنسکرت جو ان لوگوں کی اصل زبان تھی ہندوستان میں علی العموم مروج نہ ہوئی بلکہ اس کے قایم مقام ایک پراکرت زبان مستعمل ہو گئی اور ایک مدّت کے بعد پراکرت زبان کی جگہ ہندی زبان رائج ہو گئی اور اس میں بہت سے ایسے الفاظ مستعمل ہوئے کہ ان کا مخرج سنسکرت نہیں معلوم ہوتی بلکہ قرین قیاس یہ ہے کہ اس ملک کے اصلی باشندوں کی زبان سے وہ لفظ ہندی میں آ گئے ہیں۔ بعد اس کے جب مسلمانوں نے حملہ کیا اور خصوصاً جب کہ اکبر کی سلطنت کا عہد آیا اور مسلمانوں کی سلطنت جم گئی تو یہ فارسی زبان جس میں پہلے ہی سے عربی کے لفظ بہت سے ملے ہوئے تھے ، ہندوستان کی زبانوں سے بلا تکلف مل جل کر ہندوستان

کے جنوبی حصہ میں ایک نئی زبان مستعمل ہو گئی جس کو دکھنی کہنے لگے اور شمالی حصّہ میں ایک اور زبان قائم ہو گئی جس کو اردو کہنے لگے اور گو انجام کار اردو زبان کو بڑی ترقی حاصل ہوئی مگر ابتدا میں دکھنی زبان سے بہت پیچھے رائج ہوئی تھی اور دکھنی زبان جس طرح پہلے سے رائج ہو گئی تھی ایسے ہی وہ اب گمنام بھی ہو گئی۔ دربار دہلی کی قدردانی اور حمایت سے اٹھارویں صدی تک مورخ لوگ فارسی تصنیفات میں مشغول رہے اور اس عرصہ میں دکھن کے تین مورخ گولکنڈہ کے بادشاہ تھے اور ان میں وؔلی اور اوری اور افضل نامی مورخوں نے ریختہ زبان میں سولہویں صدی کے اندر بڑی بڑی نظم کی کتابیں لکھیں اور گارسن ڈتاسی صاحب نے اردو زبان کے شمالی شاعروں میں سے حاتم کو اعلا درجے کا شاعر شمار کیا ہے جو سترہویں صدی کے آخر میں گذرا ہے اور جو اس امر کا مقر ہے کہ طرزِ شعر گوئی میں نے وؔلی کی تصنیفات سے حاصل کیا ہے۔

اس کتاب کے مصنف کا مقصود یہ نہیں ہے کہ اردو زبان کی مشہور نظموں کی تشریح کرے بلکہ اس کا اصل مقصود یہ ہے کہ ہملوگ ہندوستان کے علم انشا کی جانب متوجہ ہوویں اور اس کی تاریخ کے وسیع میدان کی طرف مایل ہوویں۔ اسی کتاب کے مضامین کو گارسن ڈتاسی صاحب نے اردو زبان کے تذکروں اور ہندی کے کب مالاؤں میں بہت جگہ پایا ہے چنانچہ صاحب موصوف نے قریب ستر تذکروں کے دیکھے ہیں جن کا حال انھوں نے اسی مختصر میں کچھ لکھا ہے اور تین ہزار مصنفوں کے نام جو اب تک حجاب خفا میں مستور تھے انھوں نے بیان کیے ہیں چنانچہ ان میں بعض ایسے لوگ ہیں جن کا نام صرف فراموشی کے واسطے ہی ہوا تھا۔ اور ان کے مرتے ہی ان کے نام کا نشان نہ رہا اور اس فراموشی کا سبب صاحب موصوف

نے ان تذکروں کا نقصان قرار دیا ہے جو لوگوں کی زندگی کے حالات کے ایسے
تذکرے ہیں جن کو اس قسم کے یورپ کے اور تذکروں سے کسی طرح کی مناسبت
نہیں ہے کیونکہ ہر ایک تذکرہ لکھنے والا اپنی طبیعت کو طرح طرح کے خیالات
میں استعاروں اور تشبیہوں کی تلاش کے لئے اس غرض سے وسعت دیتا
ہے کہ ان کے ذریعہ سے اپنے دوستوں اور ان شاعروں کی مدح کرے جن
کی تعظیم و تکریم سے اس کا جی خوش ہوتا ہے اور عمدہ عمدہ شعروں کے
انتخاب میں ایسی رائے ظاہر کرتا ہے جس میں بجز تفریح اور مذاق اور کچھ نہیں
پایا جاتا اور وہ اپنے یاروں اور دوستوں میں اپنا نام بھی شامل کر دیتا ہے
اسی وقت بعض اور لوگوں کے حالات بھی بصحت تمام شامل کر دیتا ہے۔
اصل یہ ہے کہ ایسے تذکرہ میں شعرار کے نام فخر اور شیخی کے ساتھ زیادہ
لکھے ہوتے ہیں اور جو امور اصل حقیقت کے متعلق ہوتے ہیں وہ
چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ ہم کو افسوس آتا ہے کہ گارسن ڈتاسی صاحب
نے اپنی تصنیف کو صرف ان کتابوں کے ناموں کے شمار پر محدود رکھا
ہے جو اس کتاب میں لکھے ہیں مگر ہم امید کرتے ہیں کہ صاحب موصوف
اپنی تحقیق اور تفتیش کو متروک نہ کریں گے اور دیسی زبان کی نکتہ چینی
کے میدان میں قدم بڑھاکر جو انھوں نے ہندوستانی زبان کی ترقی کے
باب میں ایک احسان کیا ہے اس احسان کو یوماً فیوماً ترقی دیں گے"۔

تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی محض ایک طویل تذکرہ نہیں بلکہ اردو مصنفین
کی ضخیم سوانحی تالیف ہے۔ سولھویں۔ سترھویں اور اٹھارویں صدی عیسوی میں وسیع
المشرب صوفیائے کرام مذہب کے خارجی فارم سے بالاتر ہوکر روحانیت کو نظریہ
وحدت الوجود کے ذریعے تمام انسانوں میں عام کرنا چاہتے تھے جس کے سبب مذہب
کے ظواہر کے ساتھ ہی زبان و ادب کا فرق بھی کم سے کم ہوتا گیا۔ مثلاً ہم دیکھتے ہیں کہ

افضل نے دوہے اور کبت ہندی میں لکھے۔ ایسے ہی دلہارام اور دیگر ہندؤں نے صوفی مسلمانوں کی تعریف میں سکھیاں لکھیں۔ کبیر ہندو مسلمانوں میں یکساں طور پر ہر دل عزیز تھا اور سورداس کی شاعری فارسی رسم الخط میں بھی ملتی ہے۔

دتاسی کی تاریخ ادبیات سے ہندو مسلم اتحاد کا اندازہ ہوتا ہے اور متحد قومیت کا بھی تصوّر ابھرتا ہے بلاشبہ یہ ہندوستان کی سماجی تاریخ۔ طرز زندگی۔ عقاید و روایات اور شعر و ادب کا قیمتی ماخذ ہے اور اردو دانشوری میں قابلِ قدر اضافہ ہے۔

اشپرنگر نے اپنی فہرست کتب میں تاریخ ادبیات سے مدد لی ہے اور گریرسن نے سروے آف انڈیا کی جلد نہم میں اس کی کتب کا حوالہ دیا ہے۔

گارسین دتاسی کی تاریخ ادبیات کا تیسرا ایڈیشن[1] تین جلدوں پر منطبق امریکہ سے ۱۹۶۸ء میں شائع ہوا ہے۔

● سالانہ خطبات

ہر تعلیمی سال کے آغاز میں دتاسی ہندوستان کی ادبی و ثقافتی سرگرمیوں کے جائزے پر مشتمل ایک خطبہ دیتا تھا۔ یہ خطبات ۱۸۵۰ء سے ۱۸۷۷ء تک ہر سال پابندی سے دیئے گئے۔ صرف ۱۸۵۸ء میں غدر (جنگ آزادی) کے باعث یہ خطبہ ممکن نہ ہوسکا۔ اس طرح خطبات کی مجموعی تعداد ستائیس (۲۷) ہوتی ہے۔ ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کے خطبات کتابی صورت میں پیرس سے ۱۸۷۴ء میں شائع ہوئے۔ بقیہ خطبات علاحدہ کتابی صورت میں چھپے۔ ان میں بعض خطبات مختصر ہیں (مثلاً ۳ر دسمبر ۱۸۵۰ء کا خطبہ صرف چار

---

[1] Garcin de Tassy

: Histoire de la litterature Hindouie et Hindoustanie, Oriental translation Fund, 1870-71. Reprinted 1968, Published by Burt Franklin, New York.

صفحات پر مشتمل ہے) اور بعض خاصے طویل ہیں، جن کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ خطبہ جو ۳ر دسمبر ۱۸۵۰ء کو دیا گیا۔ نئے ایڈیشن میں صفحہ ۱ تا ۴
۲۔ 〃 ۴ر دسمبر ۱۸۵۱ء 〃 〃 〃 ۵ 〃 ۱۲
۳۔ 〃 ۵ر دسمبر ۱۸۵۲ء 〃 〃 〃 ۱۳ 〃 ۲۰
۴۔ 〃 ۲۵ر نومبر ۱۸۵۳ء 〃 〃 〃 ۲۱ 〃 ۳۶
۵۔ 〃 ۴ر دسمبر ۱۸۵۴ء 〃 〃 〃 ۳۷ 〃 ۹۵
۶۔ 〃 ۲ر دسمبر ۱۸۵۵ء 〃 〃 〃 ۹۶ 〃 ۱۰۵
۷۔ 〃 ۴ر دسمبر ۱۸۵۶ء 〃 〃 〃 ۱۰۶ 〃 ۱۱۵
۸۔ 〃 ۱۰ر دسمبر ۱۸۵۷ء 〃 〃 〃 ۱۱۶ 〃 ۱۳۲
۹۔ 〃 ۵ر مئی ۱۸۵۹ء 〃 〃 〃 ۱۳۳ 〃 ۱۵۱
۱۰۔ 〃 ۷ر فروری ۱۸۶۱ء 〃 〃 〃 ۱۵۲ 〃 ۱۷۱
۱۱۔ 〃 ۲ر دسمبر ۱۸۶۱ء 〃 〃 〃 ۱۷۲ 〃 ۱۸۶
۱۲۔ 〃 یکم دسمبر ۱۸۶۲ء 〃 〃 〃 ۱۸۷ 〃 ۲۰۷
۱۳۔ 〃 ۷ر دسمبر ۱۸۶۳ء 〃 〃 〃 ۲۰۸ 〃 ۲۳۹
۱۴۔ 〃 ۵ر دسمبر ۱۸۶۴ء 〃 〃 〃 ۲۴۰ 〃 ۲۶۷
۱۵۔ 〃 ۴ر دسمبر ۱۸۶۵ء 〃 〃 〃 ۲۶۸ 〃 ۳۰۳
۱۶۔ 〃 ۱۳ر دسمبر ۱۸۶۶ء 〃 〃 〃 ۳۰۴ 〃 ۳۴۷
۱۷۔ 〃 ۲ر دسمبر ۱۸۶۷ء 〃 〃 〃 ۳۴۸ 〃 ۳۸۴
۱۸۔ 〃 ۷ر دسمبر ۱۸۶۸ء 〃 〃 〃 ۳۸۵ 〃 ۴۵۲
۱۹۔ 〃 ۶ر دسمبر ۱۸۶۹ء 〃 〃 〃 ۴۵۳ 〃 ۴۸۸
۲۰۔ خطبہ ۱۸۷۰ء ۴۸ صفحات
۲۱۔ 〃 ۱۸۷۱ء ۸۳ 〃
۲۲۔ 〃 ۱۸۷۲ء ۱۰۹ 〃

۲۳۔ خطبہ ۱۸۷۳ء ۸۶ صفحات
۲۴۔ " ۱۸۷۴ء ۱۱۶ "
۲۵۔ " ۱۸۷۵ء ۱۲۷ "
۲۶۔ " ۱۸۷۶ء ۱۲۸ "
۲۷۔ " ۱۸۷۷ء ۱۰۴ "

یہ سالانہ تقریریں پہلے خطبات کے نام سے اور پھر ہندوستانی زبان و ادب پر سالانہ تبصرے کے نام سے شائع ہوئیں۔ اپنے ان تبصروں کے متعلق دتاسی وضاحت کرتا ہے:

"میرے ابتدائی تبصرے ۱۸۶۹ء تک خطبات کے نام سے تھے۔
میں نے ۱۸۶۷ء کے خطبہ میں ابتدائی دس خطبات کی فہرست دی ہے۔
۱۸۷۰ء سے تبصرہ شروع ہوتا ہے جو شہر پیرس کے محاصرہ کے وقت
شہر کان سے شائع ہوا تھا[1] بعد ازاں ۱۸۷۱ء ۱۸۷۲ء کے اور بالآخر
موجودہ تبصرہ۔"

ان خطبات میں جو بحث سب سے زیادہ نمایاں ہے اور تقریباً ہر خطبہ میں کہیں نہ کہیں اس کا ذکر ضرور آتا ہے، اردو زبان سے متعلق ہے۔ دتاسی کو ہندوستانی سے بے پناہ دلچسپی تھی اور اس کی کوشش تھی کہ یہ زبان اپنی فطری صلاحیت کے نشوونما کے لئے سازگار فضا پائے۔ لیکن انگریزوں نے اپنی سیاسی ضرورتوں کے تحت ہندوستان میں جو ہندی اردو نزاع کھڑا کر دیا تھا۔ اس کے سبب زبان کے مسئلہ پر ہندوستان میں دو گروہ ہو گئے تھے۔ ایک کے نزدیک اس ملک میں سنسکرت آمیز ہندی جو دیوناگری رسم الخط میں لکھی جائے، رواج پانی چاہیئے۔ جبکہ دوسرے گروہ کا خیال تھا کہ اردو جو اب اس ملک میں خاصی مروّج ہو چکی ہے اور ملک کے ایک گوشے سے دوسرے گوشے تک ہر جگہ سمجھی اور بولی جاتی ہے، اسے مزید ترقی کے مواقع ملنے چاہئیں۔ دتاسی نے اس بحث میں ایک ہندوستانی کی طرح حصہ لیا اور بہت واضح الفاظ میں اپنے موقف کی وضاحت کی۔

"مجھے اُردو زبان اور مسلمانوں کے ساتھ جو لگاؤ ہے وہ کوئی چھپی

[1] اس زمانہ میں دارالسلطنت پیرس سے کان منتقل ہو گیا تھا

ہوئی بات نہیں ہے۔"[1]

اسی خطبہ میں ایک اور جگہ کہتا ہے:

"اگر کوئی ہندو پرانی طویل اسلامی حکومت کو منتقمانہ اثر کے ساتھ بُرا کہے اور انگریزی نظم و نسق کا مداح ہو تو ہمیں اس پر کوئی اعتراض نہیں، لیکن عربی، فارسی اور اردو جیسی زبانوں کے خلاف تعصب برتنا کسی طرح بھی مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے"[2]

اس واضح اعلان کے بعد یہ بتانے کی ضرورت نہیں رہتی کہ دتاسی نے اپنے خطبات میں نہایت جوش و خروش کے ساتھ اردو کی حمایت کی۔ اور ان لوگوں کی پُر زور مذمت کی جو اردو کی جگہ ہندی کو رواج دینا چاہتے تھے۔ ہندی کو رواج دینے کی ان کوششوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے دتاسی کہتا ہے:

"یہ عجیب بات ہے کہ جس طرح آجکل یورپ میں ایک تحریک اٹھی ہے جس کا نصب العین یہ ہے کہ پھر سے ازمنہ وسطیٰ کی طرف رجوع کیا جائے اور ان زبانوں کو زندہ کیا جائے جو اب بولیاں ہوکر رہ گئی ہیں اسی طرح ہندوستان میں بھی ازمنہ وسطیٰ کی ادبیات کو قدر اور احترام کے ساتھ دیکھا جا رہا ہے۔ اس وقت ہندی کی حیثیت بھی ایک بولی کی سی رہ گئی ہے جو ہر گاؤں میں الگ الگ طریقے سے بولی جاتی ہے۔ چنانچہ ہندوؤں کی کوشش ہے کہ اردو کے بجائے ہندی کو فروغ دیا جائے حالانکہ اردو بہ نسبت ہندی کے زیادہ شستہ ہے۔ لیکن ہندی ان کے نزدیک خالص ہندوستان کی زبان ہے اس واسطے کہ وہ سنسکرت سے نکلی ہے ان کو یہ نہیں سوجھتا کہ اردو زبان میں فارسی اور عربی کی ساری خوبیاں جمع ہو گئی ہیں۔ یہ دونوں زبانیں

---

[1] اُردو ترجمہ۔ مقالات گارساں دتاسی ۱۸۷۰ء صفحہ ۵۴

[2] ایضاً صفحہ ۵۳

(فارسی و عربی) اسلامی مشرق کی قابل احترام السنہ ہیں اور دنیا کے تمام علمار فضلار
ان دونوں کو اسی نظر سے دیکھتے آئے ہیں۔"

اُردو کی اس پر جوش تائید کی مثالیں خطبات میں قدم قدم پر ملتی ہیں۔ اور ہر جگہ وہ ایک مخلص "اُردو داں" کی حیثیت سے اردو کی حمایت کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مسٹر جی کمبل لفٹننٹ گورنر بنگال نے اُردو کے خلاف بہار میں ایک نہایت احمقانہ تقریر کی۔ ژناسی نے اپنے ۱۸۷۲ء کے خطبہ میں اس تقریر کے بیشتر حصے نقل کئے جن کا خلاصہ یہ ہے کہ:

۱۔ اردو ایک غیر صحیح النسب دوغلی زبان ہے۔

۲۔ یہ کبھی بھی ہندوستان میں عوام کی زبان نہیں رہی۔

۳۔ اسے اردو کا جو نام انگریزوں نے دیا وہ غلط ہے۔

اور اس بنا پر

۴۔ اس زبان کی تعلیم یکسر بند کر دینی چاہیئے۔

ژناسی نے اس تقریر پر جگہ جگہ حاشیہ لگایا ہے اور گورنر بہادر کا مذاق اڑایا ہے تقریر نقل کرنے کے بعد اپنے رد عمل کا اظہار کرتے ہوئے ژناسی لکھتا ہے:

"مسٹر کمبل کو معلوم ہونا چاہیئے کہ ہندوستانی اُردو نے جس طرح ہندوؤں کی رجعتی حکمت عملی کا مقابلہ کیا ہے اس طرح وہ ان کی تنقید و تعریض کا بھی مقابلہ کرے گی۔ ممکن ہے مسٹر کمبل کے احکام کی بلاچون وچرا پابندی کی جائے تو بہار کے مدارس میں اُردو ختم ہو جائے لیکن اور دوسرے مقامات پر اس زبان کے رواج کو کوئی نہیں روک سکتا ملک کے دوسرے تعلیمی اداروں میں اس کی تعلیم برابر جاری رہے گی۔"[1]

اردو دوستی کی یہ مثال خود اہل زبان کے یہاں بھی کم ملتی ہے۔ ژناسی نے اردو کی حمایت کرتے ہوئے اس زبان کے جو اوصاف اپنے مختلف خطبات میں بتائے ہیں ان میں:

---

[1] مقالات گارساں ژناسی ۱۸۷۲ء صفحہ ۱۸۹

۱۔ اس زبان کی شستگی ،
۲۔ اظہار کی تمام ضرورتوں پر قدرت ،
۳۔ استعمال کی کثرت

اور

۴۔ عربی و فارسی کی طویل روایت سے استفادہ کے سبب اس زبان میں پیدا ہو جانے والی قوت

اہم ہیں ۔ اور یہی وہ دلائل ہیں جو آج بھی محبانِ اُردو ، اس زبان کی تائید میں دیتے ہیں ۔

اس زبان سے اس کی محبت آخر دم تک قائم رہی اور اس کے حق میں دلائل دینے کے ساتھ ہی اس کی اشاعت میں اس نے عملی طور پر بھی حصہ لیا ۔ طرفدارانِ اُردو میں حمایت کے اس جوش و خروش کی مثالیں نادر ہیں ۔

یہ خطبات ہندوستان کی ادبی تاریخ کے لئے نہایت اہم ماخذ کی حیثیت رکھتے ہیں کہ ان کا تعلق ایک ایسے زمانے سے ہے جو اس برصغیر میں انتہائی خلفشار کا تھا ۔ ۱۸۵۷ء کی بغاوت کے بعد جب انگریز برسرِ اقتدار آئے تو اس میں خوں ریزی بھی ہوئی اور کتب خانے اور علمی دستاویزیں بھی ضائع ہوئیں ۔ لاکھوں قلمی نسخے جو مغل بادشاہوں ، امیروں اور عالموں کے پاس تھے ، تہس نہس ہو گئے ۔ اس زمانے سے قبل کی بعض کتب کے متعلق اطلاعات ہمیں صرف دتاسی کے خطبات سے ملتی ہیں ۔

ہر خطبہ میں گارسین دتاسی اس سال شائع شدہ تصانیف کی تفصیل دیتا ہے ۔ ان کے مولفوں کے متعلق ضروری اطلاعات فراہم کرتا اور کتاب کی قدر و قیمت کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے ۔

کتابوں کی اس تفصیل کے علاوہ نئے قایم ہوئے چھاپہ خانوں اور نئے جاری ہوئے اخبار و رسائل کا ذکر بھی دتاسی ضروری خیال کرتا ہے ۔ ان رسائل کے ایڈیٹروں اور خود رسالے کی خصوصیات سے متعلق اسے جس حد تک اطلاعات فراہم ہو جاتی ہیں اپنے خطبہ میں ان کا ذکر کرتا ہے ۔ مثلاً ' اودھ اخبار ' کے متعلق لکھتا ہے :

"اودھ اخبار لکھنؤ کا ایک بڑا اخبار ہے۔ اس میں کافی تازہ خبریں ہوتی ہیں اور اچھے علمی مقالے بھی۔ ایڈیٹر کو اپنے پیشے سے واقفیت ہے اور اس کا اسلوبِ تحریر سنجیدہ اور واضح ہے۔"

نئی کتابوں کی اشاعت اور نئے اخباروں کے اجرار کے علاوہ اپنے خطبات میں وہ ان ادبی شخصیتوں کے انتقال کی اطلاع بھی ضروری خیال کرتا ہے، جو اس عالمِ فانی سے رخصت ہوئیں۔ اس میں ہندوستانی یا یورپی مستشرقین کی کوئی قید نہیں۔ مثلاً ۱۸۶۹ء اردو کے دو ممتاز ادیبوں رجب علی بیگ سرورؔ اور اسد اللہ خاں غالبؔ کے بارے میں لکھتا ہے کہ:

"اس نے وہ مشہور قصہ لکھا جس کا نام فسانۂ عجائب ہے اور جس میں عجیب و غریب واقعات بیان کیے گئے ہیں جسے اہلِ ہند فرصت کے اوقات میں پڑھ کر محظوظ ہوتے ہیں۔ دوسرا مولف اسد اللہ خاں غالبؔ جس نے سرورؔ سے دو ماہ قبل ۷۳ سال کی عمر میں وفات پائی وہ ہم عصر اردو شعراء میں سب سے ممتاز سمجھا جاتا ہے۔ ہندوستانیوں کا خیال ہے کہ اس کی تخلیقات اسے حیاتِ جاوید عطا کریں گی۔"[1]

ان ہندوستانی ادیبوں اور تصانیف کے علاوہ یورپ کے کتب خانوں اور ان میں موجود ہندوستانی تصانیف کی تفصیل بھی ان خطبات میں کئی جگہ ملتی ہے۔ چنانچہ وہ لندن کے کتب خانے ایسٹ انڈیا لائبریری کی بعض قلمی کتابوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:

"ایسٹ انڈیا ہاؤس کے کتب خانے میں آٹھ ہزار قلمی کتابیں ہیں جن میں ہندوستانی کا بڑا حصہ ہے...... اس میں وہ قرآن مجید ہے جو خلیفہ حضرت عثمان نے خط کوفی میں لکھا تھا۔ اس پر مشہور مشرقی بادشاہوں کی مہریں بھی ہیں جن سے اس نسخہ کی انمول قدر و قیمت کا پتہ چلتا ہے....

---

[1] خطباتِ گارساں دتاسی حصہ دوم، جدید ایڈیشن ۱۹۶۹ء (انجمن ترقی اردو پاکستان، کراچی) صفحہ ۳۰۹

وہاں قرآن مجید کا ایک اور نسخہ موجود ہے جو حضرت علی کی طرف منسوب ہے اس پر تیمور کی مہر ہے اور شاہجہاں کا یہ بیان بھی کہ اس نے یہ نسخہ پندرہ سو مہر (یعنی ساٹھ ہزار فرنک) میں خریدا تھا" (خطبہ ۱۸۵۷ء)

ادبیوں اور ان کی تخلیقات کے علاوہ ان خطبات میں ہندوستان کی علمی و ثقافتی سرگرمیوں کا جائزہ بھی ملتا ہے۔ یہ دتاسی کی فراست اور ہندوستان میں اس کی دلچسپی کا ثبوت ہے کہ ان تخلیقات کے پس پشت جو ممکن سماجی محرکات ہوسکتے ہیں ان پر بھی نظر رکھتا ہے۔ اور اس طرح کی کسی اطلاع کو نظر انداز نہیں کرتا جو ہندوستان کی ثقافتی زندگی پر روشنی ڈالتی ہو۔ چنانچہ سر سید احمد خاں کی قائم کردہ انجمن کے متعلق اس کی اطلاع ہے۔

"پچھلے سالوں میں ہندوستان میں جو علمی و ادبی انجمنیں قایم ہوئی ہیں وہ برابر اپنا کام کئے جا رہی ہیں۔ ان میں سب سے اہم علی گڑھ انجمن ہے جس کے بانی ایک ممتاز مسلمان سید احمد خاں صدر الصدور بنارس ہیں"

وہ مزید اطلاع دیتا ہے کہ اس انجمن نے اہم انگریزی تصانیف کے اردو ترجمے کا انتظام کر رکھا ہے۔ اس کے علاوہ ہفتہ وار اخبار پابندی سے نکلتا ہے۔ جس سے سالانہ خطبہ کی تیاری میں مدد ملتی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ کی طرف سے ایسا مدرسہ کھولنے کی پختہ تجویز ہے جہاں اعلیٰ تعلیم کا انتظام ہوگا۔ مزید یہ کہ اس مدرسہ میں ایک پنڈت سنسکرت اور ہندی کی تعلیم کے لئے رکھا جائیگا۔

ثقافت سے متعلق ان اطلاعات کے ضمن میں وہ ہندوستان میں مختلف اصلاحی تحریکات کا بھی ذکر کرتا ہے، جو اس ملک کے مختلف حصوں میں مختلف سماجی مسائل سے متعلق جاری ہیں۔ مثلاً دتاسی بتاتا ہے کہ "سارے ہندوستان میں جدید تعلیم خصوصاً انگریزی زبان کے مخالف ہیں لیکن انگریزوں کی موجودگی سے روزمرہ کی زندگی کے لئے یہ زبان ناگزیر ہوگئی ہے۔ جس کے سبب کلکتہ، بمبئی اور مدراس میں تین یونیورسٹیاں قائم کی گئی ہیں۔ خصوصاً مسلمان، جو ہندوستان کے سابق حکمراں تھے، انگریزوں کے شدید دشمن ہیں۔ اس لئے وہ زحمت نہیں کرتے کہ انگریزی زبان سیکھیں"۔ ان مسائل کے پیش نظر وہ ہندوستانیوں کو مشورہ بھی دیتا ہے کہ ان کی تعلیمی اصلاح ضروری ہے اور یہ خوش خبری بھی سناتا ہے کہ "آٹھ جنوری ۱۸۶۷ء

کو والسرائے ہند ہز ایکسیلنسی لارڈ لٹن نے بڑے محمڈن اینگلو اورینٹل کالج کا سنگ بنیاد رکھا۔[1]

۲ر دسمبر ۱۸۶۷ء کے خطبہ میں دتاسی ہندوستان میں تعلیم نسواں کی ترویج کا حال بتاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف صوبوں میں لڑکیوں کے مدارس میں اضافہ ہو رہا ہے اور ایک مس کارپنٹر کا ذکر کرتا ہے کہ وہ خاص طور پر تعلیم نسواں کی ترویج کے لیے ہندوستان گئی ہیں اور انہوں نے کلکتہ، مدراس، بمبئی میں زنانہ تعلیم کی ضرورت پر تقریریں کیں۔ ان کی کوشش سے بمبئی میں ایک اعلیٰ انجمن قایم ہوئی۔ اسی سلسلے میں وہ عورتوں کے لیے الگ میڈیکل کالج کھولنے کی تجویز کا خیر مقدم کرتا ہے۔

ان خطبات میں دتاسی کے مذہبی رجحانات کی جھلک بھی بہت نمایاں ہے۔ وہ اصلاً ایک کامل اور سچا عیسائی ہے۔ اسے اپنے مذہب سے گہری دلچسپی ہے اور وہ اس بات کا خواہاں ہے کہ ہندوستان کے ہر گوشے میں عیسائیت کا بول بالا ہو جائے۔ چنانچہ ان خطبات میں عیسائی مشنریوں کی تبلیغ مذہب کے لیے کی جاری مساعی کا بالتفصیل ذکر ملتا ہے۔ اس کی تحریروں میں بین السطور ان مبلغین کے لیے تحسین کے رویئے کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔

آہستہ آہستہ اہل ہند پر ان الفاظ کا اثر ہو رہا ہے:

"ان کے بت خانے جہاں ہزاروں خداؤں کی پرستش کی جاتی ہے مسمار ہو رہے ہیں اور باوقار عقل انسانی فتح حاصل کر رہی ہے۔ ابھی بہ مشکل پچاس برس ہوئے ہیں کہ انگریز مبلغین نے ہندوستان میں اپنا کام شروع کیا ہے اس عرصہ میں ۸۰ ہزار اہل ہند انگلیکن کلیسا میں شامل ہو چکے ہیں۔ جن ہندوستانیوں نے عیسائی مذہب قبول کیا ہے ان میں بعض نہایت مشہور لوگ شامل ہیں جیسے کلکتہ کے بنرجی اور نحمیا، جبل پور کے صفدر علی، دہلی کے رام چندر اور تارا چندر، امرت سر کے عبداللہ اثیم اور عماد الدین، پشاور کے دلاور خاں، گوپا ندموہن ٹیگور بھی (کلکتہ کے رہنے والے ہیں اور آج کل انگلستان میں ہیں) وغیرہ مسیحی حلقے میں شامل ہو گئے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بھی ہیں جنھوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا ہے جن میں بعض مصنف بھی ہیں جن کی نسبت میں اپنے خطبوں میں ذکر کر چکا ہوں۔" (مقالات گارسین دتاسی ۱۸۶۹ء صفحہ ۶۱)

اپنے مذہب سے دلچسپی کے سبب دتاسی کو وہ لوگ گمراہ دکھائی دیتے ہیں جنہوں نے عیسائی مذہب چھوڑ کر اسلام قبول کر لیا۔ ان کا ذکر وہ انتہائی مایوسی اور کسی قدر جھنجھلاہٹ کے لہجہ میں کرتا ہے:

"مجھے یہ دیکھ کر سخت ملال ہوتا ہے کہ بعض عیسائی لوگ اندھے پن اور بے شرمی سے اسلام قبول کر لیتے ہیں اور حقیقت کو چھوڑ کر گمراہی میں پڑ جاتے ہیں مثلاً ایک انگریز رابرٹ گرین نے جو برمنگھم کا باشندہ ہے اور ایک سرجنٹ کا بیٹا۔ اس کا باپ ۱۸۵۷ء کے غدر میں باغیوں کے ہاتھوں سے مارا گیا۔ اس سال شروع میں بمبئی میں دین اسلام قبول کر لیا۔ اسلامی روایات کے مطابق اس نے بپتسمے کے وقت کا عیسائی نام بھی بدل ڈالا اور اب اپنا نام عبداللہ رکھا ہے۔ اس طرح ایک معزز نوجوان انگریز خاتون مس ڈونلی نے حال ہی میں لکھنؤ میں اسلام قبول کر لیا اور ایک انگریز خاتون مس چارلوت ہل بھی حلقۂ اسلام میں داخل ہو گئی ہیں اور اب وہ مسز غلام قادر ہیں۔ مجھے یہ پوری توقع ہے کہ مسلمان لوگ سورۂ فاتحہ میں جو دعا مانگتے ہیں وہ بارگاہِ رب العزت میں ضرور قبول ہوگی اور یہ پوری جماعت محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کی شفاعت کے بجائے ہمارے سردار مسیح ابن مریم کو حقیقی اور واحد نجات دہندہ کی حیثیت سے قبول کرے گی۔

(مقالات گارسیں دتاسی ۱۸۷۱ء ص ۷۵-۷۶)

اس حد تک تو کچھ حرج نہیں معلوم ہوتا۔ لیکن وہ اس مذہبی جوش میں اس قدر آگے بڑھ جاتا ہے کہ دیگر مذاہب کے بنیادی اعتقاد اور بعض مذہبی کتب پر اعتراض کرنے لگتا ہے جو دتاسی جیسے عالم سے کسی حد تک غیر متوقع ہے۔

عیسائی مشنریوں کے علاوہ ہندوستان کی دیگر مذہبی تحریکات کا ذکر بھی دتاسی کے خطبات میں کہیں کہیں ملتا ہے۔ خصوصاً برہمو سماج کی تحریک کا ذکر دتاسی نے کئی موقعوں پر تفصیل سے کیا ہے۔ مثلاً ۱۸۷۱ء کے مقالے میں اطلاع ہے:

"۲۸ جنوری ۱۸۷۱ء اتوار کے دن برہمو سماج کے پیروؤں نے اپنی مذہبی جماعت کے قائم ہونے کی کلکتہ میں ۴۱ ویں سال گرہ منائی اس روز اس جماعت کے ہزاروں ارکان نے کلکتہ کی سڑکوں پر ہاتھوں میں جھنڈے لئے جلوس نکالے، جلوس کے وقت وہ اپنی دعائیں گاتے جاتے تھے دوسرے روز وہ سب اپنے مندر میں جمع ہوئے اور ان کے مذہبی خطیب نے ان کے روبرو تقریر کی......

راجہ کالی کرشن بہادر نے برہموں سماج کے ارکان کو دعوت دی تھی کہ وہ درگا پوجا کے موقع پر ان کے ہاں آکر جشن و رقص کی محفل میں شریک ہوں لیکن ان لوگوں نے یہ ظاہر کرنے کے لئے کہ وہ صرف نظری حیثیت سے بھی نہیں بلکہ عملاً اس قسم کی محفلوں کو خلاف اخلاق تصوّر کرتے ہیں اور بت پرستی سے تعبیر کرتے ہیں، شرکت گوارا نہیں کی"[1]

ہندوستان کی تہذیبی زندگی کے اس پہلو پر دتاسی کی نظر بہت گہری تھی۔ اگرچہ وہ عیسائیت کے معاملے میں جذباتی ہوجاتا ہے اور اپنی مذہبی تعبیروں کی روشنی میں ہی دیگر تمام مذاہب اور ان کی رسوم پر نظر ڈالتا ہے لیکن بہرحال وہ اس سے واقف معلوم ہوتا ہے کہ مذہب ہندوستانیوں کی روح میں پیوست ہے اور اس سے انہیں علاحدہ کرنا ممکن نہیں ہے۔

دتاسی ہندوستان کبھی نہیں آیا۔ یہاں کی ادبی، تہذیبی سرگرمیوں کے متعلق اس کی اطلاعات مختلف کتابوں، رسائل اور احباب کی فراہم کردہ تفصیلات پر مبنی ہیں۔ اس لئے اس سے بعض جگہ ناموں اور سنین کے سلسلے میں غلطیاں بھی ہوئیں۔ مثلاً ایک جگہ نثر و نظم کی جدید مطبوعات کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے:

" اجمیر والے ایم۔ ایس۔ ڈبلو فیلن نے کلکتہ میں ایک لغت شائع کی جو انگریزی

---

[1] مقالات گارسین دتاسی ۱۸۷۱ء صفحہ ۱۴۲

ہندوستانی میں ہے اور جس میں قانونی و تجارتی اصطلاحات ہیں ..... یہ مستشرق
وہی ہے جس نے کریم الدین کی اعانت سے میری تاریخ ادبیات ہندوی و
ہندوستانی کا ترجمہ کیا ہے "

ظاہر ہے یہاں دتاسی سے غلطی ہوئی۔ وہ فیلن جنھوں نے اس کی کتاب کا اردو میں ترجمہ کیا ایف. فیلن تھے۔ ایم۔ ایس۔ ڈبلو فیلن نہیں۔ آدمیوں کے ناموں میں خلط ملط کی ایک اور مثال قایم ہیں۔ اپنے پانچویں خطبہ میں اس نے قائم کا نام دوبار لکھا ہے گویا وہ دو شخص ہوں۔ لیکن قائم چاند پوری واقعتاً ایک ہی شخص ہے جو اردو کا شاعر اور تذکرہ نویس تھا۔ ایسے ہی وہ ۱۸۷۴ء کے خطبہ میں نورتن کو رنگین کی تالیف بتاتا ہے جو معلوم ہے کہ مہجور کی کتاب ہے۔ ۱۸۵۶ء کے خطبہ میں اس نے مخزن نکات کو ۱۷۵۴ء کی تالیف کہا ہے اور تذکرہ شورش کو ۱۷۶۴ء کی۔ لیکن اسی خطبہ میں آگے چل کر وہ تذکرہ شورش کا سالِ تالیف ۱۷۷۹ء بتاتا ہے جو صحیح نہیں۔

غلطیاں کرنے کے باوجود دتاسی کے خلوص اور صداقت پسندی میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ وہ جن کتابوں یا اشخاص کے متعلق اپنی رائے کا اظہار کرتا ہے اس میں شخصی پسند و ناپسند کے بجائے ایک معروضی انداز نظر نمایاں ہے اور اگر اس کے نزدیک کوئی بات غلط ہے تو اس کے اظہار میں اسے کوئی تکلف نہیں ہوتا۔ چنانچہ ایک جگہ وہ اپنے استاد پر تنقید کرنے سے گریز نہیں کرتا۔ وہ لکھتا ہے:

> " لانگلیس ایک بڑا فاضل شخص تھا۔ لیکن بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اس نے اپنے پڑھنے والوں کو خوش کرنے کے لئے سطحی چیزیں لکھی ہیں۔ میں نے اس کے درس سے فائدہ اٹھایا ہے جس طرح اپنے استاد اور علمی سرپرست سلوستر دساسی کے درسوں سے "

اس بے لاگ تنقید اور زبان و ادب سے دلچسپی کے سبب یہ خطبات فرانس کے باہر خصوصاً ہندوستان میں بھی خاصے مقبول ہوئے۔ اور اس کے سالانہ خطبات کا ہندوستان و یورپ میں استقبال کیا گیا۔ اور اکثر اس کے اجزا کا ترجمہ ہندوستانی اخبارات میں شائع ہوا۔

خود وہ اپنے خطبات کے ترجموں کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے :

"میرے ۱۸۷۱ء کے خطبے کے کئی صفحات مظفر پور کے اخبار الاخبار مورخہ ۱۵ر جولائی میں چھپے ہیں، نیز اخبار انجمن پنجاب مورخہ ۹ر اگست میں مسٹر ایڈمند کے انگریزی ترجمہ کے واسطے سے (شائع ہوئے ہیں)"

خطبات کے اجزا کا ترجمہ شائع کرنے کا یہ سلسلہ بالآخر اس کے تمام خطبات کے اردو ترجمے شائع کرنے پر منتج ہوا۔ دتاسی کے تمام خطبات اور تقاریر کا اردو ترجمہ تین جلدوں میں ہوا۔ پہلی جلد ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء صفحات ۸۱۳ بمقام اورنگ آباد ۱۹۳۵ء میں چھپی۔ دوسری جلد ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۳ء صفحات ۴۰۶ بمقام دہلی میں طبع ہوئی۔ تیسری جلد ۱۸۷۴ء تا ۱۸۷۷ء صفحات ۳۹۴ دہلی ۱۹۴۳ء میں شائع ہوئی۔

پہلے چھ خطبوں کا ترجمہ سید راس مسعود نے کیا۔ خطبہ ۷، ۸ اور ۹ کا ترجمہ اخبار بمبئی کرانیکل کے معاون عبدالباسط نے کیا۔ پانچویں خطبہ کا ترجمہ مسز پکھتال نے کیا۔ دتاسی نے اس خطبہ کو نظر ثانی کے بعد دوبارہ شائع کیا۔ اسی فرانسیسی دوسرے ایڈیشن کے خطبے کو اردو ترجمہ میں شامل کیا گیا ہے۔ انگریز خاتون مسز پکھتال نے اس کا ترجمہ فرانسیسی سے انگریزی میں کیا۔ اور پھر کسی نے انگریزی سے اردو میں منتقل کیا۔ خطبہ نمبر ۱۰ تا ۱۹ کا ترجمہ یوسف حسین خاں نے کیا جو اُس وقت جامعہ عثمانیہ حیدرآباد میں پروفیسر تھے۔ ۱۸۷۰ء تا ۱۸۷۲ء کے خطبوں کا بھی انھوں نے ہی ترجمہ کیا۔ ۱۸۷۳ء اور ۱۸۷۴ء کے دو خطبات کا ترجمہ عزیز احمد نے کیا جو اس وقت عثمانیہ میں پروفیسر تھے۔ ۱۸۷۵ء تا ۱۸۷۷ء کے خطبات کا ترجمہ اختر حسین رائے پوری نے کیا جو یونسکو پیرس میں پاکستان کے نمائندے رہ چکے ہیں۔

ان تراجم میں کبھی کبھی فٹ نوٹ بھی بڑھائے گئے ہیں جو یا تو ان مترجمین کے ہیں یا کسی اور شخص کے تاکہ اصل کی بعض غلطیوں کی اصلاح کی جائے۔

اشاعتِ ثانی چار جلدوں میں ۱۸۷۰ صفحات پر مشتمل انجمن ترقی اردو پاکستان سے ڈاکٹر حمید اللہ کی نظر ثانی اور اضافوں کے بعد ۱۹۶۴ء تا ۱۹۷۹ء کراچی سے شائع ہوئی۔ فاضل محقق و نقاد مولوی عبدالحق نے ان دونوں ایڈیشنوں کی طباعت میں غیر معمولی

دلچسپی لی۔ پہلی جلد کے مقدمے میں لکھتے ہیں :

"میں ان خطبات کے متعلق چند الفاظ کہنا چاہتا ہوں۔ انھیں بھی اُردو ادب کی تاریخ کا جُز سمجھنا چاہیے .... ان میں ہمیں بعض باتیں ایسی نظر آئیں گی جن سے اس وقت کی دوسری کتابیں اور تاریخیں خالی ہیں۔ ان خطبات میں کہیں کہیں ایسی غلطیاں پائی جاتی ہیں جنھیں پڑھ کر تعجب ہوتا ہے لیکن ان خفیف اسقام سے کتاب کی عظمت اور اہمیت پر کوئی حرف نہیں آتا۔

" ان خطبوں کے پڑھنے سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ اسے اردو زبان سے دِلی لگاؤ تھا وہ اسے ہندوستان کی ترقی پذیر اور عام زبان خیال کرتا ہے اور ہر موقع پر ہندی کے مقابلے میں اس کی حمایت کرتا ہے اور اس کے فروغ و ترقی کا دل سے خواہاں ہے ......

" نیرنگیٔ تقدیر دیکھیے کہ آج ہمیں اپنی زبان کی تدریجی ترقی کے حالات کے لیے ایک فرانسیسی سے رجوع کرنا پڑتا ہے جس نے ۱۰۸ سال قبل اس طرف توجہ کی تھی۔ ہماری ادبی تاریخ میں جو کمی نظر آتی ہے وہ اس ترجمہ سے بہت کچھ پوری ہو جائے گی۔ گارسین دتاسی بلاشبہ بڑا آدمی تھا اس نے عمر بھی بڑی پائی۔ ۸۴ سال کی عمر ۱۸۷۸ء میں انتقال کیا۔ وہ عمر بھر علمی مطالعہ اور تصنیف و تالیف میں مصروف رہا۔ ہندوستانی زبان سے اس کا شغف عشق کی حد تک پہنچ گیا تھا۔ اس کا کارنامہ اس قدر وقیع ہے کہ وہ ہماری زبان کی تاریخ میں ہمیشہ زندہ رہے گا۔[1]"

قاضی عبدالودود صاحب کی رائے میں گارسین دتاسی کے خطبات اس کی دوسری تالیفوں بلکہ تاریخ ادبیات ہندوستانی سے بھی زیادہ اہم ہیں کیونکہ اس کی تاریخ ادبیات سے دلچسپی اگرچہ بہت دن جاری رہی لیکن تقریباً وہ سارے تذکرے چھپ چکے ہیں یا چھپنے

---

[1] خطبات گارسین دتاسی حصہ اوّل۔ اشاعتِ ثانی ۱۹۷۹ء۔ انجمن ترقی اردو پاکستان۔ کراچی صفحہ ۲۵ تا ۲۶

والے ہیں۔

ہندوستان میں اس کے خطبات کا بڑا چرچہ رہا لیکن مغرب میں بھی ان کی قدر کچھ کم نہیں ہوئی۔ مثال کے طور پر بارتیلمی سین ہلیر نے ایک طویل مقالہ لکھا جو فرانسیسی رسالہ ژورنال دے ساواں کے تین نمبروں مئی ۱۸۷۵ء صفحے ۲۸۵ تا ۲۹۸، جون صفحے ۳۴۹ تا ۳۶۵ اور بابت جولائی صفحے ۴۲۰ تا ۴۳۷ میں شائع ہوا جس میں وہ ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کے خطبات نیز ۱۸۷۴ء کے خطبہ کا خلاصہ دیتا ہے اور نئے ملاحظات یا مزید قابل ذکر معلومات بھی پیش کرتا ہے مثلاً " انگلستان کے بعض مدرسوں اور تیاری کرانے والی تعلیم گاہوں میں اس (اردو) زبان کا بھی امتحان لیا جاتا ہے تاکہ مشرق کے اس بڑے مقبوضے (برطانوی ہند) میں ملازمت حاصل کی جا سکے۔ آکسفورڈ، کیمبرج، لندن اور ڈبلن میں تو اس زبان کی باقاعدہ تعلیم دی جاتی ہے جو طلباء یہاں سے نکلتے ہیں وہ زبان کے متعلق اپنی معلومات مشرق کو لیجاتے ہیں جن کے باعث انھیں شہرت ہے یا وہ سرکاری ملازمت سے زیادہ علمی خدمت میں مشغول رہتے ہیں۔ ہندوستانی اور دیگر بولیوں کے متعلق اپنی تحقیقات کے نتیجے شائع کرتے ہیں جو نہایت مفید بھی ہوتے ہیں اور بالکل نئے بھی۔ یہ ایک اور فائدہ ہے جس سے گارسین دتاسی یورپ میں واقفیت حاصل کرتا ہے اور ہندوستانی زبان کے مصنفوں سے حاصل شدہ معلومات اس کے علاوہ ہیں۔[1] آگے چل کر سین ہلیر یہ بھی لکھتا ہے کہ پیرس کے اس استاد کی طرف یورپ کے لوگ رجوع کرتے ہیں کہ اس کا فیصلہ معلوم کریں۔ ۱۸۶۹ء کے خطبہ میں گارسین دتاسی نے ہندی پر اردو کو ترجیح دی اور یورپ کے علاوہ جس کا ترجمہ علی گڑھ اخبار اور لکھنؤ کی تہذیب میں بھی شائع ہوا۔ اس کے علاوہ ۱۸۷۱ء کے خطبہ کا بیشتر حصہ مظفر پور کے اخبار الاخبار مورخہ ۱۵ ؍ جولائی ۱۸۷۲ء اور اخبار انجمن پنجاب مورخہ ۹ ؍ اگست ۱۸۷۲ء میں ترجمہ ہو کر طبع ہوا۔

وہ فخر کے ساتھ بیان کرتا ہے:

---

[1] بارتیلمی سین ہلیر: ژورنال دے ساواں بابت مئی ۱۸۷۵ء صفحہ ۲۸۶

"۱۸۲۸ء میں موسیو دمار تنیاک کی مختصر وزارت کے دوران مدرسۃ السنۂ مشرقیہ میں ہندوستانی کی پروفیسر شپ قائم ہوئی جو خاص طور گارسین دتاسی کے لئے تھی۔ ممتاز فاضل سلوستر دساسی نے تحریک کی اور منظور بھی کیا گیا کہ اس کے شاگرد کو متعین کیا جائے جو شہرت حاصل کر چکا تھا اور جس کے علمی مستقبل کے متعلق کوئی شبہ نہیں تھا۔ استاد کو بعد میں مایوسی بالکل نہیں ہوئی اور اب تقریباً ۵۰ سال سے گارسین دتاسی ہندوستانی زبان کی تدریس میں منہمک ہے۔"[1]

اردو ہندی کے جھگڑے سے سین ہیلیر کو اتنی دلچسپی تھی کہ اس نے اپنے مضمون کے ۳ صفحے ۲۹۵ تا ۲۹۸ اس کے لئے مخصوص کیئے۔ اسے ہندوستانی اخباروں سے بھی دلچسپی تھی۔ اس نے ایسے بہت سے شہروں کے نام لکھے ہیں جہاں سے اخبارات نکلتے ہیں۔ اس نے مدرسوں اور تعلیم گاہوں کا بھی ذکر کیا ہے۔ جو ہندوستان کے مختلف مذاہب سے متعلق ہیں۔ اس سلسلہ میں عیسائیت کی کارگذاریوں کا ذکر کیا ہے۔

سوسیتے ازیاتک کی ۱۸۷۲ء تا ۱۸۷۳ء سالانہ رپورٹ جو ژورنال ازیاتک بابت جولائی ۱۸۷۳ء میں شائع ہوئی، دتاسی کے سالانہ تبصروں پر روشنی ڈالتی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ہندوستانی زبانوں کو لکھنے کے لئے عربی اور ناگری رسم الخط میں کشمکش جاری ہے۔ چنانچہ ژناں لکھتا ہے کہ" ہمارے محترم رفیق نے اس جھگڑے میں ایسے جوش و خروش سے حصہ لیا گویا وہ خود ہندوستان کے رہنے والے ہوں۔ وہ قطعی طور پر ہندوستان کی جو اچھی اردو کہلاتی ہے تائید میں ہیں۔"[2]

اس کے بعد کی سالانہ رپورٹ جو ژورنال ازیاتک ۱۸۷۵ء میں شائع ہوئی وہ مزید مدح و ستائش کے ساتھ دتاسی کے سالانہ خطبات کا ذکر کرتا ہے۔" یہ ایک اچھا خیال تھا

---

[1] بار تلیمی سین ہیلیر: ژورنال دے ساواں بابت مئی ۱۸۷۵ء صفحہ ۲۸۷

[2] ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۷۳ء صفحہ ۲۵

کہ ان سارے خطبات کو جو ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک سال تعلیمی کے آغاز پر دیئے جاتے رہے ہیں یکجا طبع کیا جائے۔ اس سے بہتر اور اس سے زیادہ سبق آموز، دلچسپ اور مخلصانہ چیز ذہن میں نہیں آتی۔ یہ نہایت غیر جانب داری اور سادگی سے لکھے گئے ہیں اور ان چیزوں پر قابلِ ترجیح ہیں جو مصنوعی انداز اور ضرورت سے زیادہ فصاحت اور بلاغت سے لکھی گئی ہیں[1]

رُناں آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ گارسین دتاسی کی نگرانی میں دلونکل نے فرانسیسی ہندوستانی اور ہندوستانی فرانسیسی کی جو لغت مرتب کی ہے اس کا فرما شائع ہوگیا ہے۔ وہ ہر سال اپنی رپورٹ میں دتاسی کی علمی زندگی کا ذوق و شوق سے ذکر کرتا ہے "ہمارے محترم صدر کا سالانہ تبصرہ ہندوستان کی علمی اور ذہنی بیداری و حرکت کے متعلق حسب سابق دلچسپی اور استعجاب سے پڑھا جائے گا...... اس تبصرے سے مذہبی مباحث کی آزادی اور باہمی رواداری واضح ہوتی ہے جو ابتک کسی اور ایشیائی ملک میں اس کی نظیر نہیں ملتی"[2]

موسیتے ازیاتک کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۷۷ء تا ۱۸۷۸ء میں رُناں اپنے قارئین کو یقین دلاتا ہے کہ گارسین دتاسی کی معلومات اتنی ہی عمدہ ہوتی ہیں جتنی کلکتہ میں رہنے والے کسی انگریز کی ہوسکتی ہے[3]

گارسین دتاسی نے اپنے خطبات کے لئے مواد سرکاری اخباروں، ہفتہ وار اور ماہانہ رسالوں، مختلف کتب خانوں کی فہرستوں، کتابوں اور ذاتی خطوط سے لیا ہے۔ ہندوستان سے ڈاک اسے پابندی سے موصول ہوتی تھی۔ فی الوقت ان پرانے ماخذوں کا دوبارہ دستیاب ہونا ممکن نہیں کیونکہ ان کا بیشتر حصہ تو ضائع ہوچکا ہے اور جو تھوڑا بہت پایا جاتا ہے وہ اس قدر منتشر ہے کہ اس کو جمع کرنا دشوار ہے۔

---

[1] ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۷۵ء صفحہ ۲۱

[2] " " " ۱۸۷۷ء صفحہ ۲۴

[3] " " " ۱۸۷۸ء صفحہ ۲۰

● "ہندوستانی مولّف اور ان کی تالیفات تذکروں کے اساس پر"

(طباعتِ دوم ۱۸۶۸ء صفحات ۱۱۱)

یہ اصل میں مدرسہ السنہ شرقیہ پیرس میں ۴ر دسمبر ۱۸۵۴ء کو دیا ہوا پانچواں سالانہ تبصرہ ہے۔ جو دوبارہ کتابی صورت میں شائع کیا گیا۔ بعد میں ۱۸۵۰ء سے ۱۸۶۹ء تک کے تبصرے یکجا طور پر ہندوستانی زبان اور ادبیات کے نام سے چھپے۔ اس کتاب میں زیر بحث تبصرہ صفحہ ۴۷ تا ۵۹ پر ملے گا۔ تازہ معلومات کی روشنی میں دتاسی نے اس اہم تبصرہ کی نظر ثانی کی چنانچہ ۱۸۶۸ء کے ایڈیشن میں بہت سی اصلاحیں اور اضافے کیئے گئے ہیں۔

شروع میں ہندوستانی زبان کی مختصر تاریخ بیان کی ہے کہ کس طرح سنسکرت زبان سے پراکرت بنی پھر برج بھاشا اور آخر میں دو بولیوں کی شکل اختیار کرلیتی ہے۔ ایک شمالی، دوسری جنوبی اور ان ہی کو علی الترتیب ہندوستانی اور دکنی کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ تاریخی توضیح ۷ صفحات پر پھیلی ہوئی ہے۔ اس کے بعد ۷، تذکروں کی لمبی فہرست ہے بعد ازاں دتاسی تذکرہ نگاروں کے حالات کو چوبیس صفحوں میں بیان کرتا ہے اور اسے جب بھی کوئی بات دلچسپ معلوم ہوتی ہے تو وہ اسے اپنے یورپین ناظرین کے لئے نمایاں کرتا ہے مثلاً ہندوستانی زبان کے یورپین شاعر یا ہندوستانی زبان کی شاعرات کی تفصیل خاص یورپی قارئین کی دلچسپی کی چیزیں ہیں۔ اگرچہ اس مقالہ میں نہ تو تاریخ ادبیات سے بحث ہے اور نہ سوانح عمریوں سے۔ لیکن یہ خطبہ ہندوستانی زبان کے بڑے شاعروں سے متعلق دلچسپ معلومات فراہم کرتا ہے۔

پھر اس نے ان کتابوں کا جو ماخذوں میں بیان ہوئی ہیں صفحہ ۷۵ سے ۱۱۱ تک ذکر کیا ہے۔ اور اسی پر کتاب ختم ہوتی ہے۔ اس حصے میں وہ پہلے نظم کی مختلف اصناف سے بحث کرتا ہے اور ان کا مقابلہ یورپ کی شاعری سے کرتا ہے۔ ہندوستان کی شاعری کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ ہندی اردو نظم کی خصوصیات الگ ہیں۔ ہندی میں سنسکرت اور ہندو تہذیب کا اثر ملے گا۔ اُردو میں فارسی اور عربی نمونوں کا چربہ نظر آئے گا جن میں اسلامی تہذیب کے عناصر بہ کثرت ملیں گے۔ طبع زاد کے علاوہ ہندوستانی میں ترجمے بھی ملتے ہیں جو نہ صرف فارسی،

عربی اور سنسکرت جیسی کلاسیکل زبانوں سے کیے گئے ہیں بلکہ ہندوستان کی دیگر زبانوں سے بھی جیسے تامل۔ بنگالی اور مرہٹی وغیرہ۔ مغرب کی زبانوں میں بالخصوص انگریزی سے ترجمے ہوئے ہیں۔

دتاسی اس خطبے میں عیسائی مشنریوں کے کام کو نظر انداز نہیں کرتا۔ ۱۸۲۹ء میں شاہ عبد القادر کا ترجمۂ قرآن مجید ہگلی (کلکتہ) میں شائع ہوا۔ اس زمانہ میں عیسائیوں اور مسلمانوں میں مذہبی مباحثے جاری تھے۔ ایک طرف سید احمد خاں نے ۵۰۴ صفحات میں بائبل کا ترجمہ عبرانی زبان سے کیا۔ یہ بائبل کی اسلامی تفسیر کہی جاسکتی ہے تو دوسری طرف امریکہ کے پرسبی ٹیرین فرقے کے مشنری ۱۸۴۴ء میں الہ آباد سے قرآن شائع کرتے ہیں۔

کتاب کے خاتمہ پر وہ بیان کرتا ہے کہ دہلی کا مطبع ۱۸۳۷ء میں شروع ہوا۔ مزید تفصیل دیتا ہے کہ اخبار اور رسائل جو قدیم زمانے میں نامعلوم تھے اب ان میں اضافہ ہو گیا ہے اور دیسی اخبارات کی یورپ میں فراہمی کی خواہش کرتا ہے تاکہ ہندوستان میں پیش آنے والے واقعات سے واقفیت حاصل کی جاسکے۔

دتاسی نے فرانس میں بیٹھے معلومات حاصل کرنے کے جو وسیع اور ہر ممکن وسائل اختیار کیے ان پر اتنا عرصہ گذرنے کے بعد بھی داد دیئے بغیر نہیں رہا جاسکتا۔

اس کتاب کا اردو ترجمہ دہلی میں چھپا۔ اشاعت کی تخمینی تاریخ اور توثیق خود گارسین دتاسی ۴ر دسمبر ۱۸۵۶ء کے خطبہ میں کرتا ہے:

"میں ایک کتاب کے اضافے کی جسارت اور کروں گا اور وہ میری کتاب "ہندوستانی زبان کے مصنفین کا تذکرہ" کا اردو ترجمہ ہے۔ یہ ابھی حال میں ہی دہلی سے شائع ہوا اور اس کے مترجم محمد ذکاء اللہ ہیں۔ ابھی تین دن ہوئے اس ترجمہ کی تین جلدیں مجھے وصول ہوئی ہیں۔ اعتراف کرنا پڑتا ہے اور مجھے یہ دیکھ کر بہت خوشی ہوئی کہ دلکش ہندوستانی زبان پر میری یہ ادنیٰ درجہ کی تصنیف خود ہندوستانیوں میں مقبول ہوئی۔ میری تصنیف کے ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیے جانے کا یہ پہلا موقع نہیں ہے چند سال پہلے میری ایک اور کتاب "تاریخ ادبیات ہندوستانی"

کا "طبقات شعرائے ہند" کے نام سے اردو ترجمہ ہوچکا ہے"[1]

اُردو ترجمہ "تذکرہ مختصر احوال مصنفین ہندی" کے نام ۱۸۵۶ء سے مطبع مظہر العجائب میں بہ اہتمام سرفراز حسین طبع ہوا۔ اس کے شروع میں ذکر ہے کہ یہ در اصل فرانسیسی میں ہے۔ ایک فاضل شخص نے اس اہم کتاب کو پڑھ کر انگریزی میں ترجمہ کیا تاکہ ہندوستانی لوگ بھی اس سے استفادہ کرسکیں اور محروم نہ رہیں۔ لیکن یہ پتہ نہیں چلتا کہ انگریزی ترجمہ کس نے کیا؛ (اغلباً دہلی کالج کے پرنسپل ٹیلر نے یہ خدمت انجام دی)" اس کتاب میں ہندی اردو تذکروں کا ذکر ہے اور ان کے مصنفین کا حال بہت تحقیق و تدقیق سے لکھا ہے۔ اصل کتاب فرانسیسی زبان میں تھی۔ ایک صاحب کمال نے اس کے مضامین دل نشیں کو ملاحظہ فرماکر انگریزی زبان میں ترجمہ کیا...... اُردو میں خاکسار محمد ذکاء اللہ نے ترجمہ کیا"

یہ کتاب صرف اٹھارہ صفحوں پر مشتمل ہے اور محض حصہ دوم کا ترجمہ کیا گیا ہے جس میں ذکاء اللہ نے ہندی اردو ۶۳ تذکروں کی فہرست دی ہے جبکہ دتاسی نے ۷۰ تذکروں کے بارے میں مواد فراہم کیا تھا۔ اس کے علاوہ ذکاء اللہ کے یہاں تذکروں کی ترتیب میں فرق ہے انہوں نے کچھ ہندی اردو تذکروں کو چھوڑ بھی دیا ہے۔

مولوی ذکاء اللہ کے اردو ترجمہ کا فرانسیسی سے مقابلہ کرنے پر پتہ چلتا ہے کہ انہوں نے اصل مفہوم کو اچھی طرح برقرار رکھا ہے لیکن مترجم نے فرانسیسی نسخے میں جو فٹ نوٹ تھے ان کو حذف کر دیا ہے۔

اس کا ایک نیا ایڈیشن بعد اضافے اور تشریح "رسالہ تذکرات گارسین دتاسی" مترجم مولوی ذکاء اللہ مرتبہ ڈاکٹر تنویر احمد علوی دلی مجلس دہلی ۱۹۶۸ء میں شایع ہوا۔

"اُن مولفین کے تذکرے جنہوں نے ہندوستانی میں کچھ لکھا ہے"

یہ مقالہ پیرس کی اکیڈمی ڈزنسکرپسیوں اے بیل لیٹر (۱۸۵۶ء ۲۸ صفحات) سے شائع ہوا۔

---

[1] خطبات ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء صفحہ ۱۱۴ (اردو ترجمہ خطبات جلد اوّل صفحہ ۲۱۳)

اس تصنیف میں ساٹھ سے زیادہ تذکروں اور ہندوستانی مولفین کی سوانح عمریاں ملتی ہیں جن کو اہمیت حاصل ہے ان میں ہندوستان کی ادبی تاریخ سے متعلق معلومات ملتی ہیں۔ قدیم ترین اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط کی ہے۔ اس تمہید سے گارسین دتاسی ان سارے تذکروں کی تاریخ وار توضیح وتشریح کرتا ہے اور آغاز میر تقی میر کی نکات الشعراء سے کرتا ہے آخر میں شعراء کے مجموعوں کے نام ہیں اور پھر کتب خانوں کی فہرستیں کیوں کہ کتابوں کے متعلق معلومات حاصل کرنے کے لئے یہ بھی اہم ہیں۔

یہ مقالہ گارسین دتاسی کی کتاب تاریخ ادبیات کے مقدمہ کا خلاصہ ہے اور مخاطب وہ لوگ ہیں جنہیں اس موضوع سے کوئی خصوصی تعلق نہیں۔ یہ ہی معلومات اس کے ایک اور مضمون " ہندوستانی مصنفین اور ان کی تصانیف" میں ملتی ہیں، جو ریویو کونتاپورین میں ۱۸۵۵ء میں چھپا۔ اور یہ معلومات دتاسی کے پانچویں سالانہ خطبہ میں بھی ہیں جو مدرسہ السنہ شرقیہ کے سال تعلیمی کے آغاز پر ۱۸۵۴ء میں دیا گیا تھا

● منتخبات ہندوستانی

(اردو دکھنی اقتباسات)

۱۲۸ + ۱۰۴ صفحات پر مشتمل تالیف ہے جو پیرس شاہی مدرسہ برائے مشرق کی زندہ زبانوں کے طلباء کے لئے ۱۸۴۷ء میں شائع کی گئی۔

اس کے دیباچہ میں گارسین دتاسی بیان کرتا ہے کہ یہ کتاب اس کی نگرانی میں تیار کی گئی جس کا ایک حصہ تھیودور پادری اور دوسرا پادری برتراں کا مرہون منت ہے۔ برتراں نے محنت سے پوری کتابت کی تصحیح بھی کی ہے۔ ماخذوں سے متعلق وہ اشارہ کرتا ہے کہ سوائے قرآن مجید کے اقتباسات اور دس قصوں کے جو شروع کتاب میں ہیں سارا مواد غیر مطبوعہ ہے۔

جہاں تک قرآن مجید کا تعلق ہے دتاسی اس کے مترجم کا ذکر نہیں کرتا۔ بظاہر یہ شاہ عبدالقادر کا ترجمہ ہے جسے سید احمد شہید نے کلکتہ سے چھپوایا ہے۔ اس کتاب میں جو نظم و نثر

کے اقتباسات دیئے گئے ہیں وہ شمالی اور جنوبی ہند دونوں زبانوں سے ہیں۔

ان اقتباسات میں کچھ واقعی انتخابات ہیں۔ مثلاً سورۂ یوسف کا ترجمہ۔ مگر بعض اقتباسات بہ ظاہر دتاسی نے عربی یا فارسی سے خود ترجمہ کر کے شامل کئے ہیں۔ مثال کے طور پر کتاب کا پہلا جملہ "کوئی کہیں کو خط لکھتا ہے"۔ یہ کہنا چاہتا تھا کہ "ایک شخص کسی کو خط لکھ رہا تھا" ایسے ہی آگے لکھتا ہے " اس واسطی کچھ بھید کی بات نہیں لکھی" (صحیح: " اس لئے کوئی راز کی بات نہیں لکھنا") پھر صفحہ ۵ پر " سرندیپ شہر مون ایک بادشاہ ہوا کہ جس کی بخشش کی سرسای سمن تر کے سرندیپ روشن تھا" (سراندیپ شہر نہیں بلکہ ملک ہے اور دتاسی سرسای سے بہتات مراد لے رہا ہے)۔

کتاب میں طلبہ کے لئے ایک تفصیلی لغت بھی ہے جس میں اردو الفاظ کے معنی فرانسیسی میں دیئے گئے ہیں اس میں " ابرق" کو " ابرک" لکھا ہے۔ " اپنا" کا فعل یا مصدر " اپانا" دیا ہے۔ " اپجاؤ" کے معنی Fertile (زرخیز) دیئے ہیں۔ اپجنا کے معنی بتائے ہیں: Croitre pousser (پودے کا نشوونما پانا)۔" ازمانی" temporal (وقتی، زمانے سے متعلق) " از دھات" metal de cloche (گھنٹی کی دھات) سے معلوم نہیں کیا مراد ہے۔ ایسے ہی " خدای" کو divinite لکھا ہے جس کے معنی الوہیت کے ہیں۔

اس ایک سو چار صفحے کی لغت میں کتاب کے اندر مستعملہ سارے ہی الفاظ کا فرانسیسی ترجمہ دے دیا گیا ہے۔ الفاظ کی اصل بھی بتائی گئی ہے کہ وہ عربی کے ہیں یا فارسی یا ترکی یا سنسکرت وغیرہ کے۔ لیکن سنسکرت الفاظ کے لئے ضرورت نہیں سمجھی کہ ان کو دیوناگری رسم الخط میں درج کرے۔

دتاسی نے اس انتخاب میں مختلف النوع موضوعات سے بحث کی ہے۔ مثلاً تاریخ داستان۔ عمرانیات اور قرآن شریف سے اقتباسات۔ انتخاب کی طباعت اچھی ہے لیکن الفاظ پر اعراب نہیں لگائے گئے۔

کتاب میں کچھ طباعتی غلطیاں ملتی ہیں اور لغت میں بھی یہ موجود ہیں مثلاً صفحہ ۱۱۸ پر

لفظ "کمانا" کا ترجمہ "کھونا" کیا ہے حالانکہ اس کے معنی حاصل کرنے کے ہیں۔

● "ہندی و ہندوی منتخبات"

(ہندوی اقتباسات کا مجموعہ جو مشرق کی زندہ زبانوں کے خصوصی مدرسہ کے طلباء کیلئے تیار ہوا اور یہ قومی کتب خانہ کے قریب واقع ہے) مطبوعہ پیرس ۱۸۴۹ء۔ ۴ + ۱۴۰ + ۱۴۴ صفحات۔

یہ ہندی کتاب جو پہلی بار فرانس میں چھپی طالب علموں کی ضرورت کے نقطۂ نظر سے لکھی گئی۔ اس میں منتخبات کو دیوناگری رسم الخط میں دیا گیا ہے جو ۱۴۰ صفحات پر پھیلے ہیں اور ایک مکمل لغت ۱۴۴ صفحوں میں ہے جس میں سارے مستعمل الفاظ کا فرانسیسی ترجمہ کیا گیا ہے۔ کبھی کبھی ہندی الفاظ کا مترادف عربی حروف میں بھی دے دیا گیا ہے۔ خاص طور پر جبکہ لفظ کی اصل عربی یا فارسی ہو۔

اس مجموعہ کے اسباق نثر و نظم پر مشتمل ہیں اور ان میں سے زیادہ تر اس وقت تک غیر مطبوعہ تھے۔ اقتباسات حسب ذیل ہیں:

نثر:

۱۔ سنگھاسن بتیسی کی سترہویں تاریخ۔

۲۔ راج نیتی کے دو ٹکڑے۔

۳۔ ہتیوپادس کی پانچ کہانیاں۔

۴۔ پریم ساگر کا پچیسواں باب

۵۔ دیو مولف گیت گوبند کی سوانح عمری
بھگت مال غیر مطبوعہ کتاب کے پانچ اقتباسات

نظم:

۱۔ نرائن داس کی کتاب بھگت مال سے پیپا کی سوانح عمری کے متعلق کچھ منظوم کہانیاں۔

۲۔ کل یگ کا بیان۔

۳۔ اوشا چرتر کے دو ٹکڑے۔

۴۔ مہا بھارت کے ہندی ترجمہ سے شکنتلا کا قصہ۔

تمہید میں گارسین دتاسی نے صراحت کر دی ہے کہ انتخاب تو اس نے کیا ہے لیکن اس کی مفصّل لغت کو موسیو لانسرو نے بڑی محنت سے تیار کیا ہے۔ اور پوری کتاب کے پروف خود مولف نے دیکھے اور جا بہ جا تصحیح کی ہے۔

لُغت

● ـ " ہندوستانی فرانسیسی اور فرانسیسی ہندوستانی لغت جس میں ہندوستان کی دیو مالا، تاریخ اور جغرافیہ کے الفاظ بھی ہیں "

مولف فرانسوا آدلونکل۔ زیر نگرانی گارسین دتاسی۔

مطبوعہ پیرس ۱۸۷۶ء ۱۲+۳۲ صفحے۔

سنسکرت کے ساتھ ساتھ عربی فارسی سے لئے گئے ہندوستانی الفاظ کی یہ لغت مفید مطلب ہے اور اس میں گنجائش ہے کہ ایک زندہ زبان کی ضرورتوں کے مطابق نئے الفاظ و اصطلاحیں وضع کی جاسکیں۔

لغت کے دیباچہ میں گارسین دتاسی لکھتا ہے کہ " ہندوستان کے متعلق انگلستان اور فرانس میں رقابت رہی۔ فرانس کے نمائندے لابور دونے اور دوپلے تھے۔ اس وقت سے ہی فرانس نے ہندوستانی زبان کی اہمیت محسوس کر لی تھی اور یہ اس بنا پر قدرتی بات تھی کہ فرانسیسیوں کو سب سے بڑی کامیابیاں دکن میں ہوئیں جو ولی کا وطن تھا اور ولی ہندوستانی شاعری کا بادا آدم سمجھا جاتا ہے۔ انگریزی کتابوں کے چھپنے سے بہت پہلے انکتل دیو پروں نے اپنے سورت کے قیام کے دوران ہندوستانی زبان کی ایک لغت تیار کی جو ہے تو مختصر لیکن جس کا مخطوطہ ابتک ببلوتیک ناسیونال میں محفوظ ہے۔ اس میں شک نہیں کہ ہندوستانی کی آبیاری میں انگلستان فرانس سے آگے بڑھ گیا ہے اور انگلستان اس کے لئے مجبور بھی تھا۔ ۱۷۹۶ء میں مشہور مولف گل کرسٹ نے

گرامر شائع کی جو قیمتی معلومات کا گنجینہ ہے۔ اسی طرح ہنٹر اور ٹیلر کی انگریزی لغت شائع ہوئی۔ پھر ۱۸۱۷ء میں شیکسپیئر کی لغت چھپی جو اول الذکر پر مبنی تھی۔ بہرحال ۱۸۲۸ء میں ممتاز مستشرق سلوسٹر دساسی (جو مدرسہ کا ناظم تھا) نے جسے انکتل دیو پروں سے خاصی واقفیت تھی اور جسے اس بات کا یقین تھا کہ فرانس کو اپنے ذاتی مفاد کے لئے اس زبان سے دلچسپی لینی چاہیئے چنانچہ سنِ مذکور میں اس نے حکومت فرانس سے یہ بات منظور کرالی کہ مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہندوستانی زبان کی پروفیسری قائم کی جائے۔ اس تاریخ سے پہلے ہی یوجین برنوف اور میں نے منصوبہ بنایا تھا کہ انکتل دیو پروں کی لغت کو شائع کیا جائے[1] لیکن دیگر مشغولیتوں کی بناء پر اس تجویز کو عملی جامہ پہنانے کا موقع نہ مل سکا اور اس بات پر اکتفا کرنی پڑی کہ ایک چھوٹی سی فرانسیسی کتاب "ہندوستانی زبان کے مبادیات" شائع کر کے فرانس میں اس زبان کی تعلیم کا آغاز کردوں۔ یہ زبان تقریباً سارے ہندوستان میں بولی جاتی ہے[2]۔"

آگے چل کر وہ لغت کی ضرورت و اہمیت بتاتا ہے "ہمارا مقصد ہے کہ ہندوستانی زبان کی ایک ایسی لغت شائع کریں جو تاحال شائع شدہ لغتوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ مکمل ہو۔ اسی لئے ہم نے بول چال کی زبان کو بھی اتنا ہی حصہ دیا ہے جتنا تحریری زبان کو۔ اس طریقۂ کار کے باعث ہم لغت سے ان عربی اور فارسی الفاظ کو خارج کریں جو روزمرہ کی

---

[1] سیاح انکتل دیو پروں نے ۱۷۵۸ء سورت کے دوران قیام پہلوی ژند کتابوں کا ترجمہ کیا۔ وہیں اس نے کاپوچین مشنری کے یہاں ایک لغت چار زبانوں لاطینی۔ ہندی۔ فرانسیسی اور اُردو میں دیکھی تھی جو بعد میں پاپائے روم کے پاس بطور تحفہ پہنچی۔ وہاں سے مستعار لے کر اس کی نقل خود دیو پروں نے بڑی محنت سے تیار کی۔ یہ پیرس کی قومی لائبریری کے کیٹلاگ نمبر ۸۳۹ میں موجود ہے۔ دیو پروں اسی قسم کی ایک زیادہ تفصیلی لغت لکھنا چاہتا تھا۔ ۱۷۸۹ء انقلاب فرانس کے ہنگامی حالات نے کام کے مکمل ہونے کی مہلت نہ دی اور ۱۸۰۵ء میں اس کا انتقال ہوگیا۔

[2] دلونکل کی لغت۔ مطبوعہ ۱۸۷۶ء۔ پیرس صفحہ ۱-۲

زبان میں بہت ہی کم استعمال ہوتے ہیں۔ اس کے برخلاف ان الفاظ کو شامل کریں جو ہیں تو عوام الناس کی بولی یا ہندوستانی زبان کی صوبائی شاخوں میں لیکن جنہیں قبولِ عام حاصل ہو گیا ہے۔ نئے الفاظ کا مفہوم واضح کرنے کے لئے ہم نے کلاسیکل مولفوں کے زبان زد اشعار، ضرب الامثال، علم ہیئت کی کہاوتوں، علم نجوم کی پیشین گوئیوں، پہیلیوں اور خواب کی تعبیروں کے بہ کثرت اقتباسات شامل کئے ہیں۔ یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی فرانسیسی لغت کے بعد ایک چھوٹی سی لغت اور شائع کریں جس میں دیو مالا، تاریخ اور جغرافیہ کی اصطلاحیں ہوں اور اس طرح مبتدیوں کو اس تلاش سے بچائیں جو ہمیشہ مشکل اور طویل ہوتی ہے۔[1]"

گارسین دتاسی اور اس کے شاگرد دلونکل کے سامنے بطور نمونہ انکتل دیو پرون کی نقل کردہ کاپوچین مشنری کی لغت کا مسودہ اور اوساں کی فرانسیسی اردو ڈکشنری مطبوعہ ۱۷۸۴ء موجود تھی۔ اوساں بنگال میں شاہی مترجم تھا اس کی مختصر لغت پیرس ببلیوتک ناسیونال نمبر ۳۴۳ میں ملتی ہے۔ گارسین دتاسی کی لغت میں شروع میں لفظ عربی حروف میں دیا گیا ہے پھر لاطینی خط میں۔ اس کے بعد اس کا فرانسیسی مترادف ملتا ہے۔ جو لفظ سنسکرت یا ہندی اصل کے ہیں ان کو دیوناگری خط میں بھی لکھا گیا ہے۔

افسوس کہ اس لغت کے بتیس سے زیادہ صفحات شائع نہیں ہو سکے اور یہ بھی پتہ نہیں چلتا کہ آیا اصل مخطوطہ موجود ہے یا نہیں؟ ۱۸۷۶ء کے اس مختصر ایڈیشن کے بعد سے اس پر توجہ نہیں کی گئی۔ گارسین دتاسی اور دلونکل نے جو کام شروع کیا تھا وہ ادھورا پڑا ہے۔ مادام بلبیر (موجودہ صدر شعبۂ ہندی مدرسہ السنہ شرقیہ پیرس) کی زیرِ نگرانی فرانسیسی ہندی ڈکشنری تو مرتب ہو رہی ہے جو عنقریب شائع ہو جائے گی۔ مگر اردو لغت کی تیاری معرضِ التوا میں پڑی ہے۔ توقع ہے کہ نئی نسل کو خواہش بھی ہوگی اور اس کے پاس وسائل بھی ہوں گے کہ اس خلا کو پُر کر سکے جو فرانس میں اس زبان کی تعلیم میں پایا جاتا ہے۔

★ ★ ★

---

[1] لغت دلونکل۔ مطبوعہ ۱۸۷۶ء پیرس صفحہ ۸ - ۹

علم بلاغت

● "مسلمان مشرق کی زبانوں میں بلاغت و عروض"۔ فارسی سے ترجمہ مضمون کی صورت میں بالاقساط ۱۸۴۴ء تا ۱۸۴۸ء ژورنال ازیاتک میں چھپتا رہا۔ دتاسی نے اس کو تصحیح اور اضافہ کے بعد ۱۸۷۳ء میں کتابی صورت میں شائع کیا۔

یہ ضخیم کتاب ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس میں دتاسی ایک ایسے موضوع سے بحث کرتا ہے جو اس وقت تک مغربی اہل علم کے لئے تقریباً بالکل غیر معروف تھا۔ عربوں کو ہمیشہ سے اپنی بلاغت پر اتنا فخر رہا ہے کہ وہ سارے غیر عربوں کو عجم (گونگا) سے موسوم کرتے ہیں اور عرب سے مراد ایسے شخص سے ہے جو اپنے مفہوم کو اچھی طرح ادا کرسکے۔ اہل مغرب بھی عربوں کے بلند پایہ معیار بلاغت پر متعجب ہوئے تھے۔

دتاسی "حدائق البلاغت" کے ترجمہ کی ابتدا میں کہتا ہے کہ "یہ کتاب مختصر المعانی فارسی کتاب کی اساس پر کلکتہ میں ۱۸۱۳ء میں کوارٹو سائز (چوورقی تقطیع) پر لمسڈن نے شائع کی۔ اس میں بزبان انگریزی لمسڈن نے اعتراف کیا ہے کہ اس کتاب کے اصل کو پڑھنے سے ہمارا دل جذبات سے مالا مال ہوئے بغیر نہیں رہتا کیوں کہ عربوں نے علم بلاغت کو درجۂ کمال تک پہنچا دیا تھا۔[1]

گارسین دتاسی نے جس فارسی کتاب سے ترجمہ کیا اس کے موضوعات حسب ذیل ہیں:

۱۔ بیان
۲۔ بدیع
۳۔ عروض
۴۔ قافیہ
۵۔ معمہ
۶۔ سرقات

---

[1] مسلمان مشرق کی زبانوں میں بلاغت و عروض۔ مطبوعہ ۱۸۷۳ء صفحہ ۵

کتاب کا پہلا حصہ چار ابواب میں منقسم ہے جس کا پہلا باب چھ اور دوسرا باب چار فصلوں پر محیط ہے۔

حصہ دوم بھی دو ابواب میں تقسیم ہے۔ پہلے میں بتیس اور دوسرے باب میں ستائیس فصلیں ہیں۔

حصہ سوم میں پانچ اور

حصہ چہارم میں تین ابواب ہیں۔

زاسی نے اس ترجمہ میں ایک اور کتاب کا بھی اضافہ کیا جس کا فرانسیسی نام "مسلمان مشرق کی زبانوں کا علم عروض" ہے۔ اس کے بعد ضمیمہ کے طور پر ایک اور کتاب "ہندوستانی زبان کی خصوصیات پر چند ملاحظات" فرانسیسی عنوان سے شامل کی۔ آخر میں عربی اصطلاحوں کی فہرست بہ لحاظ حروف تہجی دی گئی ہے۔ مصنف تمہید میں بیان کرتا ہے کہ "میں فرانسیسی میں ایک ایسی کتاب کا ترجمہ کر رہا ہوں جس پر کسی مستشرق نے ابھی تک توجہ نہیں کی۔ یہ موضوع اہل یورپ کے لئے بالکل نیا ہے۔ میرا ترجمہ ایک حد تک آزادانہ ہے تاکہ قابل فہم ہو سکے۔ اس میں بعض چیزیں محذوف اور اکثر حصوں کی تلخیص کی گئی کہ کتاب کی ضخامت کم ہو سکے۔ چنانچہ میں نے حسب ضرورت بہت سے اقتباسات نکال دیئے ہیں جن سے بطور شواہد استدلال کیا گیا تھا اور میں نے کسی قاعدہ کی مثال میں صرف ایک شعر پر اکتفا کی جبکہ اصل میں کئی کئی اشعار سے مثالیں دی گئی ہیں۔ عروض وقافیہ کو میں نے علاحدہ کتابی صورت میں کر دیا ہے۔ ان کا اور بلاغت کا مواد میں نے بالخصوص "حدائق البلاغت" سے لیا ہے اور ذاتی تحقیق کے نتائج کا بھی اضافہ کر دیا ہے۔ یورپ میں اس موضوع پر مستشرقین نے جو کام کیا اس کو میں نے بہ نظر غائر دیکھا۔ چنانچہ میری اس تالیف میں عربی کے قواعد کا مسلمان مشرق کی مختلف زبانوں پر انطباق کیا گیا ہے بالخصوص فارسی ترکی اور اردو پر میں ہی پہلا شخص ہوں جس نے ترجمہ میں مثالوں کے ذریعہ بیان کردہ قواعد کی توضیح کی ہے جس سے مفہوم کو سمجھنے میں سہولت ہو جاتی ہے"۔[1]

---

[1] مسلمان مشرق کی زبانوں میں بلاغت وعروض۔ مطبوعہ ۱۸۷۳ء دیباچہ صفحہ ۷

گارسین دتاسی کا ترجمہ لفظی نہیں اور بعض جگہ پر اشعار کے ترجمے میں خامیاں بھی ملتی ہیں۔
مثلاً صفحہ ۱۶۵ پر شعر ہے:

سخت پڑی ہے اب کہوں کس سے
تجھ سوا ہجر میں گلہ دل کا

اس کا ترجمہ گارسین دتاسی کرتا ہے کہ " تیری شدتوں کے سوا کسی چیز سے واقفیت نہیں۔ اب میں اس کا ذکر کس سے کروں کہ تیری غیر موجودگی میں میرے دل میں سوائے شکایت کے کچھ نہیں پایا جاتا "۔
اسی طرح امیر خسرو کی بیت:

کسی نماند کہ دیگر بہ تیغ ناز کشی
مگر کہ زندہ کنی خلق را و باز کشی

دتاسی نے ترجمہ کیا کہ " اب کوئی شخص باقی نہیں جسے تو اپنی مہربانی کی تلوار سے قتل کر سکے بجز اس کے کہ تو لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے اور پھر ان ہی کو ہلاک کرے "[1] اس نے "تیغ ناز" کا ترجمہ "تری مہربانی کی تلوار" کیا ہے جو صحیح نہیں۔ "ناز" کے معنی انداز کے ہیں نہ کہ مہربانی کے جو وہ نہیں سمجھ سکا۔
علمی سرقات کتاب کا آخری حصہ دلچسپ بھی ہے اور اتنا مفصل کہ تین بابوں میں پھیلا ہوا ہے۔ ہر باب میں چار پانچ قسمیں اور ہر قسم کی وضاحت کے لئے مثال بھی دی ہیں۔ اس سلسلے میں نہ صرف کھلی یا مخفی چوری کا ذکر ہے بلکہ مولف نے تضمین کو بھی اس میں شامل کر دیا ہے۔ دتاسی نے چونکہ ایک فارسی کتاب کا ترجمہ کیا ہے اس لئے مثالیں اصل ماخذ کے مطابق سب فارسی اشعار پر مبنی ہیں۔ اگر دتاسی نے اردو سے متعلق کچھ نوٹ حاشیے میں بڑھائے ہوتے تو وہ کارآمد ہوتے۔
ضمیمہ میں " ہندوستانی زبان کے متعلق چند ملاحظات " کا ذکر علاحدہ کیا جائے گا۔

---

[1] مسلمان مشرق کی زبانوں میں بلاغت و عروض مطبوعہ ۱۸۷۳ء صفحہ ۱۶۵

علمِ بلاغت کی اصطلاحوں کی حروفِ تہجی پر مبنی فہرست پچیس سطروں والے سترہ صفحات پر مشتمل ہے جس میں صفحے کا بھی حوالہ ہے جہاں وہ کتاب میں آئی ہے۔

فارسی کتاب "حدایق البلاغت" کا مصنف میر شمس الدین فقیر دہلوی تھا۔ جیساکہ پہلے اشارہ کیا گیا ہے کہ کتاب المعانی فورٹ ولیم کالج کلکتہ سے ۱۸۱۴-۱۳ء میں شائع ہوئی جس کو جان علی اور عبدالرحیم نے فارسی سے اردو میں ترجمہ کیا تھا۔ انیسویں صدی کے آغاز میں کتابوں میں اشاریے (انڈکس) دینے کا رواج نہیں تھا بلکہ اس وقت فہرستِ مضامین بھی نہیں ملتی تھی۔ دتاسی کا یہ ایڈیشن بڑی حد تک صحیح اور دیدہ زیب ہے۔ اس کے آخر میں تین صفحات کا غلط نامہ بھی ہے۔

"سوسیئٹے ازیاتک" کی سالانہ رپورٹ مرتبہ رُنان میں دتاسی کی اس کتاب پر ریویو ہے۔ جو رسالہ "ژورنال ازیاتک" جولائی ۱۸۷۳ء صفحہ ۴، تا ۷۵ میں شائع ہوئی۔ "کتاب کا خلاصہ جو بہت خوش اسلوبی سے کیا ہے اس سے فائدہ یہ ہوا کہ ایک ایسی چیز کے لئے جس میں زیادہ دلکشی نہیں پائی جاتی بہت دقت صرف کرنے کی ضرورت نہ پڑے۔ مگر بہر حال کسی مستشرق کو یہ موضوع نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔"[1]

● "عربوں کے علمِ عروض پر جو ہندوستانی زبان کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ایک یادداشت۔" جس میں ۴۴ صفحات ہیں اور ژورنال ازیاتک کے نئے سلسلے بابت ۱۸۳۲ء صفحہ ۲۴۹ تا ۲۹۰ میں شائع ہوئی۔

اس مضمون سے گارسین دتاسی کی اردو شاعری سے متعلق علمی واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ اس سے پہلے کسی مستشرق نے اردو علم عروض پر کچھ نہیں لکھا تھا سوائے گلکرسٹ کے جس نے ۱۷۹۶ء میں اردو زبان کی گرامر لکھی تھی۔

دتاسی نے اس میں صراحت کی کہ اگرچہ اردو۔ ہندی یا برج بھاشا ایک ہی زبانیں

---

[1] سالانہ رپورٹ ژورنال ازیاتک ۱۸۷۳ء صفحہ ۷۵

ہیں لیکن ہندی میں علم عروض کے قواعد سنسکرت سے لئے گئے ہیں۔ اس کے برعکس اُردو میں چند استثناء کے علاوہ عربی علم عروض سے اسفادہ کیا گیا ہے اور اسی سے اُردو والے واقف ہیں۔ دتاسی بالخصوص عربی اور اردو کے قواعد عروض کے فرق کو نمایاں کرتا ہے۔

اس مضمون میں وہ اردو شاعری میں تخئیل کی اہمیت اور اوزان کے قواعد پر اظہارِ خیال کرتا ہے۔ اس کا خلاصہ ضرورت شعری کے نقطۂ نظر سے حسب ذیل ہو سکتا ہے:

۱۔ ایک حرف کا اضافہ کرنا
۲۔ ایک حرف کو حذف کر دینا
۳۔ ایک حرف کی جگہ دوسرا حرف استعمال کرنا
۴۔ طویل حروف علت کی جگہ مختصر حرف علت لانا
۵۔ مختصر حرفِ علت کو طویل حرفِ علت بنا دینا
۶۔ حروف کی تعداد میں اضافہ
۷۔ حروف کی تعداد میں تخفیف
۸۔ وزن شعر کرتے وقت چند حروف کو شمار کرنا یا نہ کرنا مثلاً "بالکل" جہاں "الف" کی آواز قرأت میں نہیں آتی۔

وہ ان نکات میں سے ہر ایک کے لئے ایک یا ایک سے زیادہ مثالیں دیتا ہے۔ اس کے بعد وہ اردو کی مروج و مقبول بحروں کے ساتھ ساتھ قافیہ پر بھی رائے زنی کرتا ہے اور بحث کے آخر میں اردو اصناف شاعری کا ذکر کرتا ہے "جس طرح ہندوستانی شاعری بیرونی خدوخال میں فارسی سے مشابہ ہے جس سے اس نے عربی علم عروض کے نظام کو مستعار لیا ہے اسی طرح وہ اپنی اندرونی خصوصیات میں ایرانی قوم کی شاعری سے بہت سی مماثلتیں رکھتی ہے۔ ہندوستانی زبان کے شاعر بہرحال ایرانیوں کی اندھی تقلید نہیں کرتے جیسا ترک شاعروں کے یہاں نظر آتا ہے"[1]

---

[1] عربوں کے علم عروض پر جو ہندوستانی کے لیے استعمال کیا جاتا ہے ایک یادداشت ۱۸۳۲ء صفحہ ۴

صرف ونحو

گارسین دتاسی نے ہندوستانی زبان کی صرف ونحو پر فرانسیسی میں کئی کتابیں اور مقالے لکھے۔ اس نے اپنے طالب علموں کے لیے جو گرامریں لکھیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

۱۔ "ہندوستانی کے مبادیات" سو صفحات کی یہ کتاب ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی۔

۲۔ "ضمیمہ ہندوستانی کے مبادیات" جس میں گرامر کے متعلق کچھ اضافوں کے علاوہ چند ہندوستانی خطوط بھی شامل کئے ہیں اور کچھ اصل خطوط کا فوٹو بھی اور ان کا فرانسیسی ترجمہ بھی ہے۔ مطبوعہ ۱۸۳۳ء ۶۸ صفحات۔

۳۔ "صرفِ اردو اور قواعدِ زبان اردو" دو کتابوں کا تجزیہ، ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۳۸ء کے شمارہ میں صفحہ ۶۶ تا ۱۰۸۔

۴۔ "ہندوستانی زبان کے مبتدیوں کے لیے ایک درسی کتاب" جس میں بات چیت اور خط وکتابت مشقیں تدریجی انداز پر ملتی ہیں۔ آخر میں ایک فرانسیسی ہندوستانی لغت بھی ہے۔ مطبوعہ ۱۸۳۶ء ۹۲ + ۸۰ صفحات۔

۵۔ مذکورہ بالا کتاب کی مشقوں کی تصحیحات مطبوعہ ۱۸۳۷ء

۶۔ "ہندوی کے مبادیات" سو صفحے ۱۸۴۷ء

۷۔ "ہندوستانی کے مبادیات" دوسرا ایڈیشن۔ اردو اور دکھنی دونوں کے متعلق کچھ توضیحات ۱۸۶۳ء ۸۰ صفحات۔

● "ہندوستانی کے مبادیات"

گارسین دتاسی کا تقرر مدرسہ السنہ شرقیہ میں ہندوستانی زبان کے پروفیسر کی حیثیت سے ۱۸۲۸ء میں ہوا۔ سال بھر کے اندر اس نے اپنے طلباء کے استعمال کے لیے ایک مبسوط کتاب شائع کر دی۔ اس میں فارسی کے ساتھ دیوناگری کے حروف تہجی بھی دیئے گئے ہیں، صرف ونحو کے قواعد ہیں، مصادر کی ناگزیر گردانیں نیز قلمی کتابوں کو پڑھنے کی

مشقیں بھی دی گئی ہیں۔ ضمیمے میں نہ صرف ایک مقدمہ اور منتخب عبارتیں بلکہ گرامر کے متعلق کچھ اضافے اور تصحیحیں بھی ہیں۔

● "ضمیمہ ہندوستانی مبادیات" مطبوعہ ۱۸۳۳ء میں ۲۱ خطوط بعینہٖ شائع کر دیئے ہیں بلکہ کچھ خطوط عکسی بھی ہیں اور ساتھ فرانسیسی ترجمہ ہے۔ یہ خطوط ہندوستان کے مختلف علاقوں سے آئے ہیں اور ان میں متفرق موضوعات سے بحث کی گئی ہے اس لیے ان سے نہ صرف ہندوستانی قلمی تحریر کو پڑھنے کی مشق کرائی گئی ہے بلکہ ان سے خط نویسی کا اسلوب بھی معلوم ہوتا ہے۔ (تفصیل کے لیے دیکھیے "اردو کے چند نادر خطوط")

● "ہندوی کے مبادیات" ہندی لپی میں مطبوعہ ۱۸۴۷ء پیرس ۱۰۰ صفحات۔ اس کتاب میں ہندی صرف و نحو کی قواعد کے بعد مہا بھارت اور دیگر ہندی کتب کے اقتباسات درج کیے گئے ہیں۔

موسیو برتراں نے اس کتاب پر ایک تنقید ژورنال ازیاتک جون ۱۸۴۷ء صفحہ ۵۴۸ تا ۵۵۲ میں شائع کی جس میں لسانیات، آثارِ قدیمہ اور فلسفہ سے متعلق مفصل رائے دی گئی ہے مگر دتاسی کی "ہندوی مبادیات" پر تبصرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ آخر میں لکھتا ہے کہ "بہرحال اس میں گرامر کے قواعد تفصیل کے ساتھ نہیں ملتے ہیں بلکہ یہاں صرف مبادیات سے بحث ہے...... بہرحال اس بات کے لیے کافی ہیں کہ جو شخص اس دلچسپ زبان کو سیکھنا چاہے اس کے لیے اس سے استفادہ ضروری ہے۔"[1]

● "ہندوستانی مبادیات" دوسرا ایڈیشن مطبوعہ ۱۸۶۳ء۔ اس میں بکثرت تصحیحیں کی گئی ہیں جن کی وجہ سے کتاب پہلے ایڈیشن کے مقابلے میں زیادہ کارآمد ہو گئی ہے

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۴۷ء صفحہ ۵۵۱

لیکن اب اس کی محض ایک تاریخی اہمیت باقی رہ گئی ہے کیونکہ زبان میں زناسی کے زمانے سے
ابتک کافی فرق ہوگیا ہے۔ مزید برآں الفاظ کے املا میں بھی ترقی ہوئی ہے جس کے باعث
" ہندوستانی " کی عبارت اب تلفظ سے زیادہ مطابق لکھی جاتی ہے۔ عربی حروف ہجی میں
بعض اعراب نہیں پائے جاتے تھے۔ اس کا اثر فارسی پر بھی تھا جیسے یائے مجہول
زناسی کے زمانے میں " ے " اور " ی " میں کوئی فرق نہیں کیا جاتا تھا۔ اور دونوں کے لیے
یائے معروف (ی) ہی استعمال کی جاتی تھی۔ آج کل دونوں میں واضح امتیاز ملتا ہے۔
مثلاً " جاتی ہیں " اور " جاتے ہیں " پہلا مونث کے لیے اور دوسرا مذکر کے لیے مستعمل ہے۔
لیکن زناسی کے زمانے میں صرف سیاق و سباق سے ان میں فرق کیا جا سکتا تھا، املا کے
ذریعہ سے نہیں۔ ایک اور ترقی یہ ہوئی کہ حرف " نون " دو طرح کا ہو گیا ہے۔ سادہ نون
اور نون غنہ۔ زناسی دونوں ایک ہی طرح لکھتا ہے لیکن آج کل نون غنہ کو نقطہ کے بغیر
لکھا جاتا ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ گارسین زناسی کے زمانے میں ڑ، ڈ، ٹ کو چار
نقطوں کے ساتھ یعنی ڑ، ڈ، ٹ لکھتے تھے۔

● " ہندوستانی زبان کے مبتدیوں کے لیے ایک درسی کتاب " جس میں
بات چیت اور خط و کتابت کے لیے مشقیں تدریجی انداز میں دی گئی ہیں، ۱۸۳۶ء میں شائع
کی۔ اس کے دیباچہ میں لکھتا ہے " آٹھ سال تک تدریسی کام کرنے کے بعد مجھے اپنے طلباء
کی یہ بات ماننی پڑتی ہے جو انھوں نے بارہا کہی اور اسی لیے میں اس کتاب کو شائع
کرتا ہوں "۔ اس کتاب میں چار باب ہیں۔ پہلے میں عام بول چال کے جملے فرانسیسی میں ہیں
دوسرے میں تیرہ خطوط اور ان کے جوابات۔ تیسرے میں فرانسیسی ہندوستانی لغت ہے
اور اس میں ہندوستان کے مہینوں، موسموں اور مختلف سکّوں کے نام ہیں۔ چوتھے میں
اول الذکر دو ابواب کو اردو میں پیش کیا گیا ہے۔ یہ آخری حصہ ۱۸۳۷ء میں لیتھو پر چھپا
ہے اور شانسلری دے باطو دلافرانس (یعنی فرانس کے جہازوں کا دفتر) کے مطبع میں
طبع ہوا۔ اس سے مراد غالباً وزارت بحریہ کا مطبع ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ یہ خود گارسین زناسی
کی اپنی تحریر ہو لیکن وہ بہرحال پختہ اور صاف خط میں ہے۔ اس میں کچھ طباعت اور

کے سارے حروف صحیح اور حروفِ علت اس رسم الخط میں لکھے نہیں جا سکتے۔ اسی لیے اس کمی کو دور کرنے کے لیے متعدد نئے حروف ایجاد کرنے پڑے"۔ گارسیں دتاسی نے جو مثالیں دی ہیں ان میں وہ دو نہیں ہیں جن کا ابھی اوپر ذکر ہوا کیوں کہ اس وقت تک ان کا رواج عام نہ ہوا تھا۔ یعنی نون غنہ کو عام نون سے ممتاز کرنے کے لیے اب جو طریقہ استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح یائے مجہول (ے) بھی مروّج نہ تھی۔

اس مضمون کے آخر میں گارسیں دتاسی چند ایسے عناصر کا ذکر کرتا ہے جو زیادہ اہمیت نہیں رکھتے لیکن ہندوستانی زبان میں بعض اور لفظوں کے بعد ان کو صرف اس لیے بڑھایا جاتا ہے "تاکہ کانوں کو بھلا معلوم ہو (جیسے کھانا وانا۔ پانی وانی) اس کو اردو میں تابع مہمل اور فرانسیسی زبان میں صدائے بازگشت کے الفاظ mots d' Echo کہا جاتا ہے۔ گارسیں دتاسی نے کچھ مثالیں دی ہیں ان میں سے دوسرا لفظ جو پہلے لفظ کی صدائے بازگشت بنتا ہے ان میں پہلے لفظ کو برقرار رکھتے ہوئے صرف اس کے پہلے حروف کو بدل کر "واو" کر دیا جاتا ہے۔ جیسے فرانس ورانس۔ فلم ولم۔ گانا وانا وغیرہ۔ ایسا استعمال عموماً ہر کسی نام کے ساتھ ہو سکتا ہے۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ کچھ اور الفاظ بھی بطور صدائے بازگشت کے استعمال کئے جا سکتے ہیں لیکن ان میں مروّج اصول کا خیال رکھنا بہر حال لازمی ہوگا، اور من مانے طور پر نئے الفاظ نہیں بنائے جا سکیں گے۔ جہاں تک "تابع مہمل" میں حرف واؤ کے استعمال کا تعلق ہے وہ شمالی ہند کی زبان میں ہے۔ جنوبی ہند کی بولی میں "واو" کی جگہ "گاف" کا استعمال ہوتا ہے۔ ہماری رائے میں یہی حال یورپ کی زبانوں میں بھی نظر آتا ہے۔ مثلاً انگریزی نام "ولیم" یا "پرنس آف ویلز" فرانسیسی میں "گیوم" اور "گال" بن جاتے ہیں۔

باب دوم

تراجم

گارسین دتاسی نے اپنے استاد سلوستر دساسی سے عربی، فارسی اور ترکی سیکھی تھی۔ اس کے بعد وہ ہندوستان کی جدید بولیوں یعنی اردو ہندی کی تحصیل میں مشغول ہوگیا تاکہ وہ اہل فرانس کو بھی ان سے واقف کرا سکے۔ " اردو زبان و ادب " کے باب میں زیادہ تر دتاسی کی ان تصانیف کا ذکر کیا گیا ہے جن کا تعلق شاعری اور ان قصوں سے ہے جو عربی، فارسی، ترکی یا سنسکرت سے ترجمہ کئے گئے ہیں۔ بقول دتاسی " کہانیوں میں داستان کو اور شاعری میں مثنوی (بالخصوص متصوفانہ) مرثیہ اور غزل کو ترجیح حاصل رہی ہے "۔

گارسین دتاسی کے مقالات چھ مختلف زبانوں اردو، ہندی، عربی، فارسی، ترکی اور انگریزی سے ترجموں پر مبنی ہیں۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے :

اُردو سے ترجمے :

● " تنبیہہ الجہال یعنی جاہل شاعروں کو نصیحتیں "

محمد تقی میر کی مثنوی کا فرانسیسی ترجمہ مطبوعہ ۱۸۲۵ء۔ بہ ظاہر یہ ژورنال ازیاتک کا ایک مضمون ہے جو علاحدہ کتابی صورت میں بھی شائع ہوا۔ سرلوح پر گارسین دتاسی کے عہدے اور القاب ہیں کہ وہ سوسیتے ازیاتک کا نائب معتمد اور ناظم کتب خانہ اور انگلستان کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا رکن اور ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال کا اعزازی رکن ہے۔ اندر کے ورق پر انتساب ہے۔

" انگلستان کی ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی مدرسے میں مشرقی زبانوں کے پروفیسر برطانیہ کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے رکن۔ فرانس کی ازیاتک سوسائٹی کے ممبر۔ نیز دیگر انجمنوں کے شریک کار، جان شیکسپیر کے نام یہ کتاب احترام اور شکر گذاری کے ساتھ معنون کی جاتی ہے "۔

اس کے بعد تمہید شروع ہوتی ہے کہ "ہندوستان کی معاصر و مروّجہ زبان کو (جسے اہلِ ملک ہندی، اردو، ریختہ اور ہندوستانی مختلف ناموں سے موسوم کرتے ہیں) یورپی مستشرقین نے تقریباً نظرانداز کر رکھا ہے۔ اس پر تو لوگ متفق ہیں کہ سیاست اور تجارت کے لیے اس زبان کی ضرورت ہے لیکن ادبیات کے نقطۂ نظر سے تہی مایہ خیال کی جاتی ہے مگر حقیقت میں ایسا نہیں ہے اس میں بہ کثرت ممتاز اشخاص کی تصانیف موجود ہیں۔ پرانے زمانے اور سنسکرت تک جانے کی ضرورت نہیں۔ جدید مروجہ زبان میں ہر علم و فن کی کتابیں بہ افراط ملتی ہیں۔ مختصراً کہا جاسکتا ہے کہ "یہ ہم عصر ایشیا کے زرخیز ترین ادبیات میں سے ایک ہے"۔ میں میر محمد تقی کی ایک چھوٹی سی نظم کا ترجمہ کرتا ہوں جس سے اس غیر معروف زبان کے ادب کا اندازہ ہوسکے گا۔

میر صاحبِ دیوان شاعر تھے جنہیں استاد کا لقب دیا گیا۔ وہ اکبر آباد کے رہنے والے تھے اور اورنگ زیب کے جانشین شاہ عالم کے دور میں زندہ تھے[1] جیسا کہ گلکرسٹ نے ہندوستانی گرامر مطبوعہ کلکتہ ۱۷۹۶ء میں صفحہ ۳۳۴ پر لکھا ہے۔ کلیاتِ میر کلکتہ میں ۱۸۱۱ء میں چھپی۔ زیرِ بحث مثنوی کو جان شیکسپیئر نے منتخباتِ ہندی میں بھی شامل کیا ہے۔

تنبیہہ الجہال ایک ہجو ہے اور ان لوگوں پر طنز ہے جو خود کو شاعر خیال کرتے ہیں محض اس لیے کہ وہ شاعروں کی صحبت میں رہتے ہیں اور علمِ عروض سے واقفیت حاصل کیے بغیر شاعری کرتے ہیں۔ تنبیہہ الجہال کے شروع میں شاعر (میر) شکایت کرتا ہے کہ اچھے شاعر کیوں احمقوں کو اپنی صحبت میں لیتے اور ان کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔ اندازہ ہوتا ہے کہ پرانے زمانے میں بُرے اور نالائق شعراء سے کیسا برتاؤ کیا جاتا تھا مثلاً اصفہان کے گورنر نے ہلالی نامی نالائق شاعر کا کیا حشر کیا تھا!"

پھر گارسین دتاسی کہتا ہے کہ میں اس قصے کی صحت کا ذمہ دار نہیں ہوں جو ممکن ہے کہ ضرورتِ شعری کے سبب فرضی طور پر گھڑ لیا گیا ہو کیونکہ ہلالی ایک مشہور شاعر ہے۔ سام مرزا نے "تذکرۂ شعراء" میں اس کے حالات دیئے ہیں لیکن میر کے بیان کردہ قصے کا اس میں

---

[1] میر محمد تقی نہ صرف شاہ عالم بلکہ اورنگ زیب کے کئی جانشینوں کے زمانے میں فکرِ شعر میں مشغول رہے۔

محمد شاہ (۱۷۱۹ء تا ۱۷۴۸ء) احمد شاہ (۱۷۴۸ء تا ۱۷۵۴ء) عالمگیر ثانی (۱۷۵۴ء تا ۱۷۵۹ء) شاہ عالم (۱۷۵۹ء تا ۱۸۰۶ء)

کوئی ذکر نہیں (کتاب مذکور کا مخطوطہ پیرس کے کتب خانۂ عام میں نمبر ۲۴۷ پر ہے) اگر یہ قصہ صحیح ہے تو اصفہان کے وزیر کی عزت میں اس سے کوئی اضافہ نہیں ہوتا اور اگر قصہ فرضی ہے تو میرؔ کو ہلالی کی طرف منسوب نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ وہ خود معروف شاعر اور جامیؔ کا ہمعصر تھا جس کی ایران میں بڑی قدر ہے۔ اس کی تین مزید متصوفانہ نظمیں "شاہ و درویش" "صفات العاشقین" اور "مجنوں لیلیٰ" کے مخطوطے پیرس میں ہیں۔

اس عالمانہ تنقید کے بعد دتاسی نے میرؔ کی مثنوی کا ترجمہ پیش کیا۔ دیگر تراجم کی طرح یہ ترجمہ بھی لفظی نہیں بلکہ ایک طرح کی شرح ہے جس میں جا بجا الفاظ بڑھا دیئے گئے ہیں تاکہ مثنوی فرانسیسی قارئین کے لیے قابل فہم ہو۔

میرؔ کے خیال میں یہ کم علمی کی ہی وجہ ہے کہ شاعری سے نہ دین کا فائدہ ہے اور نہ دنیا کا۔ دنیا میں چمار تک کی ضرورت ہوتی ہے کہ پھٹے جوتے کی مرمت کرائیں مگر شاعر کی ضرورت نہیں ہوتی۔

گر چمار اس کارخانہ میں نہ ہو
ٹوٹے جوتے کو کہاں لے کر پھرو

دتاسی نے اپنے آزاد ترجمے میں ایک ایک اُردو لفظ کے لیے مناسب فرنچ الفاظ استعمال کئے ہیں۔ مثلاً اصفہان کے حاکم کا لقب میرؔ نے وزیر اور دستور دیا ہے۔ دتاسی نے اس کا ترجمہ گورنر، حکمراں اور وزیر تین طرح سے کیا ہے۔

میرؔ نے "فن شریف" کو صناعی سے تعبیر کیا ہے اس صناعی اور طرز خاص پر قدرت کے لیے مشق و مزاولت ضروری شرط ہے جو استادانِ فن کی نگاہِ توجہ کے بغیر ممکن نہیں۔ "تنبیہہ الجہال" کا موضوع دراصل شعر کے متعلق ان کا یہی نظریہ ہے۔ اس مثنوی میں اگرچہ دو شعر ایسے ہیں جن کا حوالہ دیتے ہوئے گیان چند جین نے انھیں مثنوی کا موضوع قرار دیا۔

جلف واں زنہار پاتے تھے نہ بار　　شاعری کا ہے کو تھی ان کا شعار
نکتہ پردازوں سے اجلافوں کا کیا　　شعر سے بزازوں ندافوں کو کیا

حالانکہ امرِ واقعہ اس کے خلاف ہے۔ اس مثنوی میں میرؔ استادوں سے شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں:

الغرض یاروں نے قیدیں دیں اٹھا　　جو کوئی آیا اسے دی پاس جا
ٹک نہ استعداد سے کی گفتگو　　کچھ نہ رکھی شاعری کی آبرو

اور "ہجو در مذمتِ آئینہ دار" میں ایک شعر ہے :

یاں نہ سید کچھ ہے نے نائی ہے شرط　　ہو کسو کسوت میں دانائی ہے شرط

ان اشعار میں میر کا زور استعداد اور دانائی پر ہے اور ان کو اعتراض ہے کہ ہر کس و ناکس خواہ وہ شعر گوئی کے لیے ضروری علم و استعداد رکھتا ہو یا نہ رکھتا ہو اب شعر کہتا ہے۔ "تنبیہہ الجہال" میں میر کا مدعا اس قدر صاف ہے کہ ہماری تہذیبی زندگی سے دور فرانس میں بیٹھا گارسین دتاسی اس مثنوی کی اہمیت کا اندازہ کر لیتا ہے۔

"تنبیہہ الجہال" کے سات صفحوں پر مشتمل اس ترجمے کے ذریعے دتاسی فرانسیسی قارئین کو اردو نظریۂ شعر، فن کاری اور اصلاح زبان کے رجحان سے متعارف کراتا ہے۔

"تنبیہہ الجہال" کے علاوہ دتاسی نے تاریخ ادبیات ہندوستانی میں میر کی ہجو بہ متن سے کچھ عمومی موضوعات کی مثنویوں جیسے کذب کا بیان، مذمت دنیا یا بارش کے موسم میں گھر کی زبوں حالی کا ترجمہ کیا اور ان کے اخلاقی، متصوفانہ اور سماجی عنصر سے فرانسیسی قارئین کو روشناس کیا۔

● "ولی کے اشعار کا فرانسیسی ترجمہ"

بڑی تقطیع کے ۲۰ + ۶۸ صفحات مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء

گارسین دتاسی نے اپنا یہ ترجمہ مشترکہ طور پر سلوسترد ساسی اور جان شیکسپیر کے نام معنون کیا ہے کہ دونوں اس کے استاد ہیں۔ دیباچہ میں لکھتا ہے کہ دنیا کی ساری زبانوں میں نظم کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ پھر ان اصناف شاعری سے بحث ہے جو ہندوستانی مسلمانوں میں مروج ہیں۔ ولی کی شاعری اور سوانح عمری کی وضاحت کرتے ہوئے وہ چھ مخطوطوں کی فہرست دیتا ہے جن کی اساس پر اس نے ولی کا ایڈیشن مرتب کیا ہے۔

بیس صفحات کے اس دیباچہ میں وہ ایک اور مخطوطہ کی دستیابی کا ذکر کرتا ہے جو دیوانِ ولی کی اشاعت کے بعد موصول ہوا تھا "میرے پاس جو مخطوطے ہیں ان میں یہ سب سے عمدہ ہے۔ اس کی مدد سے اکثر اشعار کے سمجھنے میں مدد ملتی ہے اور میں نے متعدد اہم اصلاحیں کی ہیں۔" وہ یہ بھی اضافہ

کرتا ہے کہ "بدقسمتی سے یہ مخطوطہ نامکمل ہے ایسے متعدد اشعار ہیں جو بہت مبہم ہیں جن کے لیے مجھے کوئی نئی مدد نہ مل سکی۔ میری کوشش کے باوجود ولی کے ایڈیشن میں بہت سی طباعتی غلطیاں رہ گئی ہیں۔ میں قارئین سے درخواست کرتا ہوں کہ کتاب کے آخر میں اغلاط نامہ سے استفادہ کریں"۔ مگر یہ اغلاط نامہ بھی نامکمل ہے۔

ایک اور مقام پر ان وجوہ کا ذکر کرتا ہے جن کے باعث وہ سارے کلامِ ولی کا ترجمہ نہیں کرسکا۔ آخر میں وہ ولی کی ذیل کی بیت کا فرانسیسی ترجمہ دیتا ہے جو خود اس کے حال پر بھی صادق آتا ہے:

گرچہ پابندِ لفظ ہوں لیکن
دل میرا عاشقِ معانی ہے

دیوانِ ولی کا ترجمہ (جیساکہ اس نے خود اعتراف کیا) کامل نہیں بلکہ صرف منتخب اشعار کا ہے۔ مثلاً اولین ترجمہ صفحہ ۳ غزل ۳ کا ہے پھر صفحہ ۵، پھر صفحہ ۶ کا۔ اردو ہی نہیں فرانسیسی میں بھی طباعت کی غلطیاں ہیں مثلاً صفحہ ۵ سطر ۱۳ پر ۱۵ کی جگہ 1D چھپا ہے۔ فرانسیسی ترجمے کے ساتھ حاشیے بھی ہیں لیکن یہ حاشیے ترجمہ کردہ عبارتوں کے بجائے اصل دیوانِ ولی سے متعلق ہیں مثلاً پہلا ترجمہ ص۳ شعر۳ کا ہے لیکن پہلا حاشیہ ص۲ شعر۲ کے متعلق ہے۔ اکثر پوری غزل میں صرف دو اشعار کا ترجمہ کیا گیا ہے۔ شاید اس لیے کہ وہی دو اشعار دتاسی کو قابلِ ترجمہ معلوم ہوئے۔

اشعار کا لفظی ترجمہ نہیں بلکہ مفہوم کو ادا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثلاً

دسناھی تو مجھکوں جدھر دیکھیا ہوں میں

کا ترجمہ دیتے ہوئے "تیری مخلوق چیزوں میں" بڑھا دیا ہے۔ اسی طرح "شراباً طہور" لکھا ہے۔ صحیح "شراباً طہوراً" ہے۔

صفحہ ۶۵ کے حاشیہ پر دیوان کی ہر غزل کی بحر بتائی گئی ہے۔ کل ۱۸ غزلوں کی بحریں بتائی گئی ہیں۔ بعض مثلاً بحرِ ہزج میں ۶ غزلیں ہیں تو اکثر میں صرف ایک ایک۔

گارسین دتاسی نے ترجمے میں بہت سے توضیحی حاشیے دیئے ہیں لیکن ہمارے خیال میں

یہ یورپین قاری کو تلمیحات کے سمجھانے کے مقصد کو پورا نہیں کرتے۔ مثال کے طور پر صفحہ ا پر عبارت ہے "میرا دل ایک چاند کی طرح ہے اور تیری نظر محمد کی قوی انگلی کہ ایک پلک جھپکتے وہ شق ہو گیا"

میرا دل چاند ھور تیری نگہ اعجاز کی انگلی
کہ جس کے یک اشارت میں مجھے شق القمر دستا

فرانسیسی قارئین میں کم ایسے ہوں گے جو پیمبر اسلام کے اس مشہور معجزے سے واقف ہوں کہ آپ نے اپنی انگلی کے اشارے سے چاند کو شق فرما دیا تھا۔ بظاہر گارسین دتاسی اس بیت کا مفہوم سمجھ گیا ہے اگرچہ اس میں رسول اللہ کا نام نہیں ہے مگر وہ دوسروں کی وضاحت کے لیے کسی نوٹ کا اضافہ نہیں کرتا۔ البتہ ترجمے میں حضرت محمدؐ کے نام کا اپنی طرف سے اضافہ کر دیتا ہے۔

صفحہ ۲ اور ۳ کے ترجمے ذیل کے اشعار پر مبنی ہیں:

اے رشکِ باغ جنت جب سوں جدا ہوا توں
دوزخ ہے تب سوں مجکوں گلزار کا تماشا
بے مقصد مجھ زباں پر آتا ہے لفظِ تمکیں
دیکھا ہوں جب سوں تیری رفتار کا تماشا

دتاسی لکھتا ہے "اے وہ جس نے جنت کے تمثیلی باغوں کو شرمندہ کر دیا ہے۔ جب سے کہ تو وہاں سے نکلا ہے اب وہ مجھے جہنم معلوم ہوتے ہیں لیکن جب تو وہاں تھا تو میں خالق کی قدرت کی داد دیتا تھا"۔ ان اشعار کا بہتر ترجمہ یہ ہوگا "اے وہ جس پر باغ جنت کو رشک ہے جب سے میں تجھ سے جدا ہوا ہوں چمن مجھ کو جہنم نظر آتا ہے اور جب سے میں نے تیرے چلنے کے انداز کو دیکھا ہے بلا ارادہ لفظ تمکین منھ پر آجاتا ہے۔

ترجمہ میں ایسی بہت سی مثالیں ملیں گی۔

- "میر عبداللہ مسکیں کا مرثیہ یا بھٹیال مسلمؑ اور ان کے دو بیٹوں کی شہادت کے متعلق"
فرانسیسی ترجمہ مطبوعہ پیرس ۱۸۴۵ء صفحے ۲۴۱ تا ۲۶۱

یہ مضمون بطور ضمیمہ "مقاماتِ حیدری" مولفہ پادری برتراں میں شائع ہوا۔

برتراں نے "گلِ مغفرت" مصنف حیدر بخش حیدری کا ترجمہ "مقاماتِ حیدری" کے نام سے کیا جس میں کربلا کے واقعات اور حضرت امام حسین کی شہادت کا بیان ہے۔ چونکہ مسکین کے مرثیہ میں بھی اسی واقعہ سے متعلق حضرت مسلم اور ان کے دو صاحبزادوں کے شہید ہونے کا ذکر ہے اس لیے مناسب سمجھا گیا کہ دونوں کو یکجا شائع کر دیا جائے۔

میر عبداللہ مسکینؔ فورٹ ولیم کالج کلکتہ میں منشی تھے اور گلکرسٹ کے علمی کاموں میں شریک رہے۔ شبلیؔ نے "موازنۂ انیسؔ و دبیرؔ" میں اردو مرثیہ کی تاریخ میں میرؔ و سوداؔ سے پہلے میاں مسکینؔ مرثیہ گو کا ذکر کیا ہے۔ اور سوداؔ نے "شہر آشوب" میں شاعروں کی ابتری اور کس مپرسی کا نقشہ کھینچتے ہوئے لکھا کہ:

اسقاطِ حمل ہو تو کہیں مرثیہ ایسا　　پھر کوئی نہ پوچھے میاں مسکینؔ کہاں ہیں

گریرسنؔ نے "لنگوسٹک سروے آف انڈیا جلد نہم" میں اور اشپرنگر نے "کتب خانہ شاہان اودھ" میں مسکینؔ کے مجموعۂ مراثی کا ذکر کیا ہے۔ نیلنؔ اور مولوی کریم الدین نے "طبقاتِ شعرائے ہند" میں مسکینؔ کے اچھے مرثیہ گو ہونے کا اعتراف کیا ہے۔

گارسین دتاسی "تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی" میں لکھتا ہے "میر عبداللہ مسکینؔ ہندوستانی کا ممتاز شاعر جس کے اشعار سے گلکرسٹ نے "ہندوستانی گرامر" میں جگہ جگہ مثالیں دی ہیں اور اس کا ایک طویل مرثیہ پورا نقل کیا جو بڑا مقبول ہے۔ یہ اقتباس مسلم اور اس کے دو بیٹوں کی وفات سے متعلق ہے۔ یہ مرثیہ دیوناگری رسم الخط میں بھی ۱۸۰۲ء میں کلکتہ سے چھپا تاکہ "بیاضِ ہندی" مرتبہ گلکرسٹ میں شامل کیا جا سکے پھر ۱۸۰۳ء میں بہ نام "مراثیٔ مسکینؔ" نثر میں منتقل کیا گیا۔ توپ خانہ لکھنؤ میں مسکینؔ کے مرثیوں کا ایک مجموعہ "مرثیہ ہائے مسکینؔ" کے نام سے ..اصفحات پر مشتمل محفوظ ہے ایک اور جلد اسی کتب خانہ میں .. ۵ صفحات کی ملتی ہے۔ اس کے علاوہ مسکینؔ کے مرثیے جستہ جستہ بھی ہندوستان میں ملتے ہیں۔[1]

---

[1] تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی جلد دوم صفحہ ۳۳۴۔ سیکنڈ ایڈیشن۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۷۰ء

دتاسی ایک نوٹ میں کہتا ہے کہ اس سلسلے میں اس کی کتاب " ہندوستان کے اسلامی مذہب پر ایک یادداشت"، صفحہ ۱۳۰ اور مابعد کو دیکھا جائے (دراصل یہ یادداشت ژورنال ازیاتک اگست ۱۸۳۱ء صفحہ ۱۶۵ میں چھپی اور ۱۸۳۹ء کے ایڈیشن میں صفحہ ۲۴ پر اور دتاسی کی کتاب اسلامیات میں صفحہ ۳۲۵ پر ملتی ہے)

وہ جان شیکسپیر کی لغت صفحہ ۱۴۸ کا ایک اقتباس دیتا ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام حسین کی شہادت کے موقعہ پر مرثیہ یا بھٹیال پڑھا جاتا ہے جس سے حاضرین بڑے متاثر ہوتے ہیں۔ دتاسی نے اپنے بیس صفحے کے ترجمے میں مذکورہ مرثیہ کا مفہوم ادا کر دیا ہے اور مرثیہ کی تلمیحات سے متعلق اس نے دس بارہ توضیحی نوٹ بھی دیدیئے ہیں۔

- "ایک ہندوستانی ناٹک، بہ نام خود کلامی کا تجزیہ"

ژورنال ازیاتک پیرس اکتوبر ۱۸۵۰ء ۳۱۰ تا ۳۲۸ صفحات۔

اس مضمون میں گارسین دتاسی بارہ ماسہ نظم کی تلخیص و تجزیہ کرتا ہے۔ اس سے قبل یہ "منتخباتِ ہندوستانی" مطبوعہ ۱۸۴۷ء میں صفحہ ۱۱۲ تا ۱۲۸ میں چھپا تھا۔

بارہ ماسہ ایک بیانیہ صنفِ شاعری ہے جس میں شاعر بالعموم کسی ہجر زدہ عورت کی داخلی کیفیات کا اظہار سال کے بارہ مہینوں کے خارجی تغیرات کے زیر اثر کرتا ہے۔ اردو میں یہ صنف اپ بھرنش کے اثر سے آئی اور کافی مقبول ہوئی۔ مولانا داؤد اردو کے پہلے بارہ ماسہ نگار ہیں جنہوں نے ۱۳۸۱ء میں اپنی متصوفانہ مثنوی " چنداین" میں ایک درد انگیز بارہ ماسہ منظوم کیا۔ کاظم علی جواں کے منظوم بارہ ماسہ کے بارہ حصے ہیں جس میں ہندوستانی موسموں اور اسلامی تیوہاروں کا ذکر ہے۔ یہ ۱۸۰۲ء میں تصنیف ہوا اور ۱۸۱۳ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔

دتاسی اس مضمون میں نظم کا تجزیہ کرتا ہے کہ ایک عورت بارہ مہینے تک اپنے شوہر کا بے چینی سے انتظار کرتی ہے اور مختلف پرندوں کو اس کی تلاش میں بھیجتی ہے۔ بالآخر سال بھر کی جدائی کے بعد اس کا شوہر واپس آجاتا ہے۔ ہندوستانی موسموں اور مہینوں کا تفصیل سے ذکر ہے۔

مدرسۃ السنہ شرقیہ میں کیٹلاگ نمبر ۳۲۸ پر دتاسی کا ایک ذاتی نسخہ موجود ہے۔ اس کے صفحۂ اوّل پر پنسل سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے " یہ نظم بظاہر سنسکرت نظم ریتھو سنہار کی نقل میں لکھی گئی ہے "۔ اصل سنسکرت نظم کو بولن نے شائع کیا اور فرانسیسی ترجمہ موسیو واریتے نے ریویو اور نیتال گیارہویں جلد صفحہ ۲۰۳ پر کیا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا دتاسی نے یہ کوشش نہیں کی کہ اس دلچسپ نظم کا ترجمہ کرے بلکہ صرف "تلخیص" کی جس میں اسے کامیابی ہوئی ہے چنانچہ نظم کے مندرجات کی روح اس میں آ گئی ہے۔

گارسین دتاسی کے ذاتی نسخے میں جس کا اوپر ذکر ہوا۔ ایک اور نوٹ بھی ہے جو صفحہ ۱۵ پر ہے (ژورنال ازیاتک ۱۸۵۰ء کا صفحہ ۳۲۰) یہ بھی اسی کے قلم سے معلوم ہوتا ہے۔ وہ نوٹ یہ ہے :

" اس سے ایک انگریزی گیت یاد آتا ہے

Why tarries my love

Why tarries my love

Why tarries my love from me

Come hither my love

I'll write to my love

And send him a letter by thee

اشارہ ان پرندوں کی طرف ہے جن کا مذکورہ ہندوستانی نظم میں بیان ہوا ہے۔

● " ہندوستانی علوم پر چند سطریں شیر علی افسوس کی آرائش محفل کے اقتباسات اور ہندوستانی سے ان کا ترجمہ "

شائع شدہ ژورنال ازیاتک جلد ۹ جولائی ۱۸۲۶ء صفحہ ۹۷ تا ۱۱۵۔ نیز جلد ۱۰ جولائی ۱۸۲۷ء صفحہ ۹۴ تا ۱۰۵

شیر علی افسوس کی کتاب "آرائش محفل" کلکتہ کے فورٹ ولیم کالج کے نصاب میں شامل تھی۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۳ء میں ڈبلیو۔ این۔ لیس نے شائع کیا تھا۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ کتاب ۱۸۰۵ء میں تالیف ہوئی تھی (دوسرا ایڈیشن ۱۸۴۱ء میں چھپا) لیس نے اپنے انگریزی مقدمہ میں صراحت کی ہے کہ "یہ کتاب خلاصۃ التواریخ مولفہ منشی سجان رائے پٹیالوی کا ترجمہ ہے جو عہد اورنگ زیب سے متعلق ہے یہ ہندوستان کا ساجی اور تاریخی تذکرہ ہے جو تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔"

دتاسی نے اس کے صرف دو ابواب کا ترجمہ کیا ہے۔ پہلا باب مختلف علوم کے متعلق ہے اور ہمارے سامنے کتاب کا جو تیسرا ایڈیشن ہے اس میں صفحہ ۴۳ تا ۴۲ میں آیا ہے۔

دوسرے باب میں میوؤں اور پھولوں کی تفصیل ہے جو اسی ایڈیشن کے صفحہ ۱۴ تا ۲۳ پر ہے۔

ژورنال ازیاتک جلد ۹ صفحہ ۹۷ میں گارسین دتاسی نے ایک نوٹ لکھا کہ آئین اکبری جلد ۲ صفحہ ۳۸۴ تا ۴۷۱ میں بھی ایک مماثل باب ہے مگر آرائش محفل آئین اکبری کا سرقہ نہیں جو اکبر بادشاہ کے حکم سے تیار ہوئی تھی۔ حسب عادت دتاسی نے ترجمے میں جا بجا ایسے حاشیے دیئے ہیں جو مفہوم کی تشریح کرتے ہیں یا بیان کردہ معلومات کی تکمیل میں معاون ہوتے ہیں۔ علوم کے باب میں، قانون۔ عقاید و عبادات سے متعلق سنسکرت صحیفوں کا ذکر ہے۔ لسانیات۔ موسیقی اور طب کا اس حصہ میں مختصراً بیان کیا ہے۔ ترجمہ کا اصل کے ساتھ مقابلہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ دتاسی نے مفہوم کی ادائیگی خوبی سے کی ہے۔ کیونکہ اس میں قدیم ہندوستان کی مذہبی تصانیف پر تفصیل سے بحث ہے۔ حاشیوں میں دتاسی نے مفہوم کی تفہیم میں دشواریوں کا بھی ذکر کیا ہے۔

دوسرے باب میں دتاسی نے میوؤں اور پھولوں کے علمی نام دیئے ہیں۔ جس سے کتاب کی قدر وقیمت میں اضافہ ہوتا ہے۔ یہ باب نسبتاً مختصر ہے۔

کتاب کی عبارت مقفیٰ اور مرصع ہے۔ قدم قدم پر اشعار ملتے ہیں جو اکثر غیر ضروری

ہیں۔ فرانسیسی ترجمہ میں ان کو حذف کر دیا گیا ہے تاکہ قارئین کے لئے قابل فہم ہو سکے۔

شیر علی افسوس نے اپنی کتاب (جس کا موضوع ہندوستان کی تاریخ ہے) کا نام حیدر بخش حیدری کی مشہور داستان "آرائش محفل" (۱۸۰۲ء) پر رکھا۔ حیدری کی یہ کتاب حاتم طائی کی سات سیاحتوں کے قصہ پر مبنی تھی۔

● "باغ و بہار کا فرانسیسی ترجمہ" مترجم کی وفات کے بعد مدرسہ علوم شرقیہ پیرس سے ۱۸۷۸ء میں ۲۳۸ صفحے آٹھ صفحی فرمے میں شائع ہوا۔ اس میں نہ اشاریہ ہے اور نہ حواشی۔ دیباچہ میں گارسین دتاسی لکھتا ہے کہ "میں یہاں ہندوستانی زبان کی ایک مقبول کتاب کو ترجمہ کے ساتھ پیش کرتا ہوں۔ باوجود کوشش مجھے پیرس میں اس کتاب کا اردو متن نہ مل سکا۔ خیال ہوتا ہے کہ دتاسی کی وفات کے بعد اردو متن شائع ہی نہ ہوا ہو۔

باغ و بہار کا انگریزی ترجمہ معہ اردو متن ڈنکن فوربز نے ۱۸۴۶ء میں رائل اکٹاؤ تقطیع پر لندن میں شائع کیا تھا جو مختلف مخطوطوں کے مقابلے کے بعد شائع ہوا اور پوری کتاب میں اہم اعراب لگائے ہیں۔ آخر میں کتاب میں مستعمل الفاظ کی لغت بھی نہیں ہے۔ ڈنکن فوربز نے یہ قصہ کسی اور مصنف سے نہیں بلکہ میرامن کی باغ و بہار سے ترجمہ کیا ہے۔

جب یہ کتاب شائع ہوئی تو اپریل ۱۸۴۶ء کے ژورنال ازیاتک میں صفحہ ۳۸۶ تا ۳۸۸ پر دتاسی نے ایک تنقید شائع کی ہے۔ یہ کتاب ہندوستان میں کئی بار کلکتہ، مدراس، کانپور اور دہلی میں طبع ہوئی ہے۔ اس کا متن لاطینی حروف میں بھی شائع ہوا ہے۔ زیر نظر ایڈیشن وہ پہلا نسخہ ہے جس میں اہم الفاظ کی لغت بھی شامل ہے۔ اس کا ایک انگریزی ترجمہ کلکتہ میں ایل۔ ایم۔ اسمتھ نے شائع کیا ہے۔ جہاں تک فرانسیسی ترجمہ کا تعلق ہے وہ گارسین دتاسی کا رہین منت ہے۔ گارسین دتاسی مذکورہ تعارف میں صراحت کرتا ہے کہ یہ کتاب اصل میں مشہور شاعر خسرو کی تالیف ہے اور لکھتا ہے کہ "خسرو نے یہ حضرت نظام الدین اولیاء کی (جو ان کے مرشد تھے) بیماری کے زمانے میں دل بہلانے کے لئے لکھی تھی اور یہ بیماری ایسی تھی کہ مریض کوئی علمی کام نہیں کر سکتا تھا۔ نظام الدین اولیاء ایک مشہور ولی ہیں جن کے حالات میں نے اپنی کتاب "ہندوستان

میں "مذہب اسلام پر ایک یاد داشت" میں دیئے ہیں۔ بیان کردہ چیزوں میں ایک دلچسپ چیز کا اضافہ کرتا ہے کہ ہندوستان کے چور ڈاکوؤں نے جو ٹھگ کہلاتے ہیں اپنا ایک مذہبی سلسلہ قائم کیا ہے جس کے لئے انہوں نے نظام الدین کو اپنا سرپرست قرار دیا ہے اور ان ڈاکوؤں کا بیان ہے کہ حضرت نظام الدین انتہائی فیاض شخص تھے اور اپنے امکان سے زیادہ داد و دہش کیا کرتے تھے اور یہ چیزیں کرامتوں کی حد تک پہونچ گئی تھیں اسی لئے ان کو "زر نثار بخش" کا لقب دے دیا گیا تھا۔ (یہ ٹھگ یونان کے Klephtes سے مشابہ ہیں) جن کے یہاں ان کے خصوصی گیت بھی ہیں ان میں مسلمان بھی ملتے ہیں اور ہندو بھی۔ ان میں جو ہندو ہیں وہ مزید برآں کالی یا بھوانی کی پوجا بھی کرتے ہیں اور مسلمان اس دیوی کو حضرت محمدؐ کی بیٹی حضرت فاطمہ سے مخلوط کر لیتے ہیں۔ حالانکہ حضرت فاطمہ کے کردار کا لطف و کرم مشہور ہے۔ حضرت نظام الدین اولیاء کا مزار دہلی میں ہے اور لوگ اس کی زیارت کو جاتے ہیں۔ بہت سے مسلمان اور ہندو خاص کر ٹھگ وہاں جاکر نذر چڑھاتے ہیں"[1]

جس وقت دتاسی نے یہ روایت قلمبند کی کرنل سلیمن انسداد ٹھگی کر چکے تھے مگر یورپ میں ہندوستان کے خوفناک ٹھگوں کا شہرہ بدستور تھا۔ ان ٹھگوں نے مشہور کر رکھا تھا کہ وہ حضرت نظام الدین اولیاء کے معتقد ہیں اور مزید "تقدس" کا رنگ دینے کے لیے غالباً انہوں نے یہ روایت گھڑ رکھی تھی کہ حضرت نظام الدین بھی اوائل عمر میں ڈاکو رہ چکے تھے۔

- "باغ و بہار ایک ہندوستانی کہانی" ریویو دلوریاں جلد ۱۵ ۱۸۵۴ء صفحہ ۲۹۲ تا ۳۲۹ فرانسیسی زبان میں مضمون۔

اس کہانی کا تجزیہ اس خطبہ سے ماخوذ ہے جو گارسین دتاسی نے ۲۹ نومبر ۱۸۵۴ء

---

[1] ژورنال ازیاٹک اپریل ۱۸۴۶ء صفحہ ۳۸

سال تعلیمی کے آغاز پر مدرسۃ السنہ شرقیہ میں دیا تھا۔ گارسین دتاسی اس کہانی کو Orlando Furiso سے مشابہ قرار دیتا ہے اور کہتا ہے:

"بہ حیثیت مجموعی اس کہانی میں جاں بازی (aventures) کے پیچیدہ کارناموں کا ایک مجموعہ ملتا ہے۔ اور اس میں باوجود یکسرے پن (monotony) کے مشرقی لوگ جس کے مافوق الفطرت عناصر کے باعث پسند کرتے ہیں اگرچہ اس سے ان کہانیوں میں حقیقت پسندی کا رنگ کم ہو جاتا ہے"[1]

اس کے بعد پوری کہانی کا خلاصہ چند صفحے میں دیا گیا ہے اور آخر میں گارسین دتاسی بیان کرتا ہے کہ اس کہانی میں جو چیز سب سے زیادہ کارآمد ہے وہ یہ کہ اس کے ہر صفحے میں انسانوں کی نسلیات کے متعلق سبق آموز نکات ہیں۔ ہمیں ہندوستان اور خاص طور پر ہندوستانی مسلمان کو بہتر طور پر سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔" کہانی کی یہ تفصیلات اگرچہ بعض اوقات غیر حقیقی معلوم ہوتی ہیں۔ اور ان میں مذہبی شدت اور بے رحمی کا افسوسناک امتزاج نظر آتا ہے جو مشاقانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ اس طرح اس کتاب کے مطالعہ سے نہ صرف ہندوستانی زبان کو سیکھا جا سکتا ہے بلکہ ساتھ ہی ایسے الفاظ بھی ملتے ہیں جو دلچسپ ہیں حتیٰ کہ اس کی تحلیل کریں تو ادبی الفاظ کا شجرہ ان مادوں پر پہونچتا ہے جو انڈو یورپین زبانوں کے بڑے گروہ کے لیے جس میں ہماری زبان فرانسیسی بھی شریک ہے (جو دراصل ہندوستانی کی بہن ہے) ایک کلیدی کام دیتی ہے"[2]

● "گل بکاولی ہندوستانی کہانی کا خلاصہ"

مطبوعہ ژورنال ازیاٹک ستمبر اکتوبر ۱۸۳۵ء صفحہ ۱۹۳ تا ۲۵۲

گل بکاولی کی کہانی کو نہال چند لاہوری نے اردو نثر میں فارسی نثر سے ترجمہ کیا۔ جس کو شیخ عزت اللہ بنگالی نے ۱۷۲۲ء میں "مذہب عشق" کے نام سے چھاپا ہے۔

---

[1] ریویو دلوریاں جلد ۱۵ ۱۸۵۴ء صفحہ ۲۹۲

[2] " " " " صفحہ ۲۹۷ - ۲۹۹

جب گلکرسٹ نے اسے پہلی بار شائع کیا تو اس کو "گل بکاولی" کا نام دیا۔ ٹی۔ روبک نے دوبارہ اشاعت پر صحیح نام کا اعادہ کیا۔ اس کے ترجمے پر شیر علی افسوس نے نظر ثانی کی تھی۔ نہال چند کو گل کرسٹ نے کلکتہ آنے کی دعوت دی جہاں اس نے ۱۸۰۱ء تا ۱۸۰۲ء میں اس کہانی میں ترمیم و تنسیخ کی اور اولاً ۱۸۰۴ء پھر ۱۸۱۵ء میں شائع کیا۔

بعد ازاں فرانسیسی کتاب کا ایک ڈی لکس ایڈیشن ایچ۔ پیازا پبلشر نے ۱۹۲۴ء میں پیرس سے شائع کیا۔ جس میں ۱۴۳ صفحات ہیں اور ایک تصویر بھی ہے۔

● "محبت کا نظریہ یا تاج الملوک و گل بکاولی"

رسالہ ریویو دلورباں میں گارسین دتاسی نے نہال چند کی ایک اور نیم فلسفیانہ نیم مذہبی کہانی کا پورا ترجمہ ۱۸۵۸ء میں شائع کیا اور اسی سال علاحدہ کتابی شکل میں طبع کیا۔ جہاں تک ریویو کا تعلق ہے وہ سلسلۂ جدید کی جلد ہفتم بابت ۱۸۵۸ء صفحہ ۲۱۲ تا ۲۳۰، ۲۸۶ تا ۳۰۴، ۳۹۵ تا ۴۰۸ بعد سلسلۂ جدید جلد ا بابت ۱۸۵۹ء صفحہ ۱۱۱ تا ۱۲۱، ۱۹۲ تا ۲۰۴، ۲۵۲ تا ۲۷۶ میں ہے۔ اس کا عنوان "محبت کا نظریہ یا زین الملوک و بکاولی" جو ایک فلسفۂ مذہب کی کہانی ہے اور مؤلف نہال چند ہے۔

دیباچہ میں گارسین دتاسی بیان کرتا ہے کہ اس کتاب کو جب ژورنال ازیاتک میں دوبارہ شائع کیا گیا تھا تو محض خلاصہ تھا اور یہاں کامل کتاب اصل ہندوستانی سے ترجمہ کر کے شائع کی جارہی ہے۔

● "کامروپ کی مہم جوئی" "Les aventures de Kamroup" جو تحسین الدین کے منظوم قصہ کامروپ و کلا کا فرانسیسی ترجمہ ہے ۱۸۳۴ء۔ اس ایڈیشن کیلئے برطانوی عظمیٰ اور آئرلینڈ کے اورینٹل ٹرانسلیشن کمیٹی کی اعانت اور مالی مدد حاصل ہوئی اس لیے ترجمہ کے ساتھ اردو متن بھی شائع کیا گیا ہے۔

اس منظوم کہانی کے دیباچے میں گارسین دتاسی لکھتا ہے " اس سے علمار کو خاص کر اس وجہ سے دلچسپی ہونی چاہیئے کہ غالباً وہ ایک پرانی ہندی یا سنسکرت کتاب کی تقلید میں لکھی گئی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ اسی سے سندباد اور اس کی بحری سرگرمیوں کے لیے عربی قصے کے

عنوان کو مدد ملی ہوگی۔ یہ ہمارے یہاں عربوں کے توسط سے پہونچی اور اس سے بڑی دلچسپی لی گئی اور کئی لوگوں نے اس کی عالمانہ تحقیق کی ہے۔ بالخصوص رچرڈ ہول، آنجہانی لانگلیس اور والکنائر۔ اوّل الذکر نے اس کہانی پر ایک انگریزی کتاب لکھی ہے جس کا عنوان ہے:

Remarks on the Arabian Nights, entertainment in which the origin Sind-e-bad voyages is particularly considered.

دوسرے مؤلف نے اصل متن اور ان کہانیوں کا ترجمہ شائع کیا ہے۔ آخر الذکر نے اکیڈمی کے اجلاس منعقدہ ۲۲ جولائی ۱۸۳۱ء میں اس پر ایک یادداشت پڑھی"۔[1]

یہ امر قابل ذکر ہے کہ سندباد کی کہانیوں میں جو الف لیلہ میں ہیں ایک کہانی ایسی ہے جو ہومر کی نظم "اوڈیسی" میں بھی ملتی ہے۔ یعنی ایک آنکھ والا دیو جو آدم خور تھا اور اس کی گرفت سے بچ نکلنے کے لیے جو تدبیر اختیار کی گئی وہ ہومر اور "الف لیلہ" میں بالکل یکساں ہے۔ ہومر کی نظم کے عربی ترجمہ کا کوئی پتہ نہیں چلتا۔ ممکن ہے کہ الف لیلہ کے اس حصے کے مؤلف نے شام کے عیسائیوں سے ہومر کی کہانی کا ترجمہ یا خلاصہ زبانی طور پر سنا ہو۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ اس ہندوستانی کہانی کا مؤلف تحسین الدین ہے۔ جس نے اسے ۱۷۵۶ء میں لکھا جیسا کہ دتاسی نے اپنے یہاں کے دو مخطوطات کے اساس پر بیان کیا ہے۔

گارسین دتاسی نے اسے تین مسودوں کی مدد سے ایڈٹ کیا اور دیباچہ کے صفحہ ۲ میں اشارہ کیا ہے "میں نے ترجمہ جہاں تک ممکن ہوا لفظی کیا ہے۔ البتہ کوشش کی ہے کہ یورپین ناظرین کے لیے قابل فہم ہو...... اسی لیے میں نے جملوں میں ربط پیدا کرنے کی جسارت کی ہے۔ جہاں کہیں ان میں ربط نہیں دیکھا تو ایک حد تک آزادی سے کام لیا ہے۔ اسی طرح بعض وقت مشرقی انداز کی لاحاصل تکرار کو حذف کیا ہے لیکن میں نے کبھی مفہوم کو بدلنے کی کوشش نہیں کی ہے...... میں نے ان مقامات پر کچھ نوٹ بڑھائے ہیں۔ جہاں معنی واضح نہ تھے

---

[1] Les aventures de Kamrup, traduction fransaise Paris 1834, Preface p. 1-2.

یہ توضیحی نوٹ کتاب کے آخر میں ہیں اور صفحہ ۱۴۰ تا ۲۴۲ تک پھیلے ہوئے ہیں اتنے ہی ضخیم ہیں جتنی اصل کتاب۔ خاص طور پر تلمیحات اور محاورات کا مفہوم سمجھانے میں کاوش اور صبر سے کام لیا ہے ذناسی نے سال تعلیمی کے آغاز پر ۱۸۶۱ء کے خطبے میں اس کہانی کا مفصل تجزیہ کیا ہے۔

مئی ۱۸۳۵ء کے ژورنال ازیاتک میں صفحہ ۴۴۶ تا ۴۷۳ پر مشہور فرانسیسی مستشرق کوسین پرسوال کا ایک طویل تبصرہ چھپا ہے جو کامروپ کی مہم جوئی کے فرانسیسی ترجمے (از ذناسی) کے متعلق ہے۔ اس نے شروع میں اردو کی ابتدا کے متعلق لکھا ہے کہ اس کی بناء محمود غزنوی کے (گیارہویں صدی کے عین قبل کے) حملوں کے وقت پڑی۔ پھر اکبر بادشاہ اور اس کے ممتاز جانشینوں کے زمانے (سولہویں صدی کے اواخر) میں ایک مستقل زبان بن گئی اور متمول بھی ہو گئی۔

اس زبان کے ادبیات کی تاریخ یہ ہے کہ یورپ میں اس کو گل کرسٹ نے پڑھانا شروع کیا۔ فرانس میں گارسین ذناسی نے مروج کیا جہاں اس کے لئے اس کی تعلیم کے لئے ایک پروفیسری قائم کی گئی۔ ابتدائی مغربی مطبوعات میں ۱۸۱۳ء میں اسمتھ کی "چار درویش"، ہر کلوٹس کی "قانون اسلام" ۱۸۳۲ء میں۔ پھر یہ ذکر کہ کس طرح فرانس میں اس زبان کی تعلیم کے خلاف شورش ہوئی اور کس طرح گارسین ذناسی نے اس کا خاموش جواب دیا، یعنی اچھی ہندوستانی کتابوں کے تراجم کا سلسلہ شروع کیا، اسی میں کامروپ ہے (جس پر یہاں تبصرہ کیا جارہا ہے) پھر ذناسی کی کتابوں کا بھی ذکر ہے مثلاً اُردو مصنفین کا تذکرہ، جس میں تاحال چار سو لوگوں کے حالات جمع ہو گئے ہیں۔ دیوانِ ولی بھی زیر طباعت ہے (اس سے گمان ہوتا ہے کہ تنقید ذناسی کی مدد سے لکھی گئی)

کامروپ اور کلا عاشق و معشوق تھے ان کا قصہ تحسین الدین نے ۱۱۷۰ھ ۱۷۵۶ء میں نظم کیا۔ ناقد نے چودہ صفحوں میں اس قصے کا خلاصہ دیا ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ دونوں کا بڑی مصیبتیں سہنے کے بعد انجام بخیر ہوا اور ان کی شادی ہو گئی۔

ناقد کا خیال ہے کہ اس قصے میں فرانسیسی پریوں اور جنات کے قصوں نیز الف لیلہ

کی کہانیوں سے استفادہ ہے یا کم ازکم مماثلت ہے۔ الف لیلہ میں تسمہ پا بڈھا سند باد پر اس
کے پانچویں سفر میں سوار ہوکر اسے ستاتا ہے۔ یہ اور دیگر مماثل قصے کامروپ میں بھی ہیں۔
دتاسی نے بتایا ہے کہ مماثل قصہ وشنو دیوتا کا بھی ہے جو دوسروں کے کندھوں پر
سوار رہتا ہے۔ کوسین دپرسوال کہتا ہے کہ سندباد پر جو بڈھا سوار ہوا وہ اورانگ
اوٹان لنگور ہوگا۔

یہ کتاب اخلاق وعادات کا گنجینہ ہے، نیز ہندؤں کے عقائد کے متعلق دتاسی نے
قیمتی حواشی بھی دیئے ہیں، نیز دیگر اردو قلمی کتابوں کے اقتباسات بھی حاشیوں میں
بڑھائے ہیں۔

ناقد نے گارسین پر کچھ بجا تنقیدیں کی ہیں مگر خود بھی غلطیاں کی ہیں۔ مثلاً
وہ بتاتا ہے کہ ایک جگہ دتاسی نے ایک مشہور حدیث قدسی کو لولاک لما خُلقتُ
الاخلاق لکھا ہے۔ اس میں دو غلطیاں ہیں۔ الاخلاق، قاف سے نہیں بلکہ الافلاک،
کاف سے ہونا چاہیئے، آسمانوں کے معنوں میں، دوسرے خلقت صرف ونحو کے لحاظ
سے تو صحیح ہے لیکن صحیح روایت "خلقنا" ہے۔ مگر یہاں کوسین دپرسوال سے لغزش
ہوئی ہے۔ روایت کے صحیح الفاظ "خَلَقتُ" ہیں۔ "خُلِقتُ" کے معنی ہیں "پیدا
کیے جاتے" "خلقنا" کے معنی ہیں "ہم پیدا کرتے"۔ "خلقتُ" کے معنی ہیں "میں
پیدا کرتا"۔ اسی طرح دتاسی نے ایک ہندی شخص کے خط سے نقل کرکے "بحقًا"
لکھا ہے، صحیح "بحقٍ" ہے۔ اسی طرح ایک شامی عرب سے نقل کرکے "بخیرًا" لکھا
ہے، صحیح "بخیرٍ" ہے۔ مصر شام وغیرہ عرب ممالک میں عربی صرف ونحو کو بعض وقت
بگاڑا ضرور جاتا ہے، لیکن "بخیرًا" یقیناً نہیں ہوگا۔

دتاسی لکھتا ہے کہ سپاہیوں کی بولی کو Maure کہتے ہیں اور وہ بگڑی
ہوئی بولی ہوتی ہے جیسے عربی میں بھی تحریری اور بول چال کی زبانوں میں فرق ہوگیا ہے
مگر ناقد اس مماثلت جوئی پر اعتراض کرتا ہے، البتہ یہ بتاتا ہے کہ بگڑی ہوئی صوبہ وار
بولیوں سے ابن خلدون بھی واقف ہے اور وہ اسے "ایک پرانی چیز" بتاتا ہے۔

ابن خلدون تحریری عربی کی خوبیوں کو خود ہی بتانے کے باوجود رائے دیتا ہے کہ مقامی بول چال کی بگڑی ہوئی عربی کی ہتک نہیں کرنی چاہیے۔

ان تمہیدی چیزوں کے بعد ناقد "کامروپ" کے ترجمے کی داد دیتا ہے لیکن اسے شکایت ہے کہ دتاسی کے ترجمے میں ہندوستانی الفاظ کی بھرمار ہے، یہ کثرت اس کی رائے میں، پڑھنے والے کے لیے تکلیف دہ ہے۔

اس کتاب کا ہندوستانی متن پیرس میں فرانسیسی ترجمہ کے ایک سال بعد ۱۸۳۵ء تین قلمی نسخوں پر مبنی ہے اور ظاہر ہے کہ ان میں اختلاف روایت ہوگی لیکن دتاسی نے ان اختلافات کا ذکر نہیں کیا ہے۔ بہرحال وہ بیان کرتا ہے کہ بعض مقامات پر متن اور ترجمے میں کس قدر فرق نظر آئے گا۔ کیونکہ اصل میں ایسے الفاظ ہیں جو ترجمہ سے بالکل مختلف ہوگئے ہیں۔ اس کی وجہ عام طور پر یہ ہے کہ متن کو ایڈٹ کرتے وقت ایسے موقعوں پر میں نے وہ الفاظ چنے ہیں جن کی اساس پر ترجمہ کیا گیا ہے[1]

اس کتاب کا ڈی لکس ایڈیشن لاطینی رسم الخط میں پادری برتراں نے پیرس میں ۱۸۵۹ء میں شائع کیا ہے "تاکہ اس زبان کو وہ لوگ بھی پڑھ سکیں جو عربی رسم الخط سیکھنا نہیں چاہتے۔ کتاب کے آخر میں ہندوستانی اور فرانسیسی الفاظ کی ایک لغت بھی ہے۔

● " ایلیگوری یعنی منظوم کہانیاں اور عوامی گیت"
جو عربی، فارسی، ہندوستانی اور ترکی سے ترجمہ کی گئیں۔
اشاعتِ دوم پیرس ۱۸۷۶ء صفحات ۶۴۰

اس کتاب کو کلاییٔے کولونگ کے مارکوئیس کے نام معنون کیا گیا ہے۔ دتاسی دیباچہ میں بیان کرتا ہے کہ "میں نے اس کتاب میں چند ایسے ترجموں کو جمع کر دیا ہے جو سابق میں مختلف نثر و نظم کے قصوں، تمثیلوں اور تاریخی و فرضی کہانیوں سے متعلق

---

[1] قصہ کامروپ مطبوعہ ۱۸۵۶ء

شائع ہو چکے ہیں مگر عرصے سے ختم ہو گئے ہیں۔ موجودہ ایڈیشن عوام کے لیے ہے ماہر علم کے لیے نہیں ہے۔ اس لیے میں نے نہ تو اصل متن شائع کیا ہے اور نہ عالمانہ حواشی جو سابقہ ایڈیشنوں میں ایسے ترجموں کے ساتھ شامل کیے گئے تھے[1]۔ ترجموں کی تفصیل حسب ذیل ہے:

عربی:
مقدسی کی تمثیلیں جو "پرندے اور پھول" کے عنوان سے شائع ہوئیں۔ یہ "اخوان الصفا" کا اقتباس ہے اور اس میں مختلف جانور آدمی سے بحث و مباحثہ کرتے ہیں۔

فارسی:
انوار سہیلی کی دو کہانیاں جو بید پائے کے افسانوں کے فارسی ترجمے ہیں پند نامۂ سعدی۔

ہندوستانی:
کامروپ کے کارنامے
گل بکاولی
گل و صنوبر
ہیر اور رانجھا، جو پنجاب کا قصہ ہے
شکنتلا ترجمہ سے ماخوذ
ہندوستان کے عوامی گیت

ترکی:
ابیدوس کی فتح
وارنا کی لڑائی
قسطنطنیہ کی فتح
قسطنطنیہ کا بیان و مناظر
شہزادہ جم کے کارنامے

---

[1] ایلیگوری یعنی منظوم کہانیاں اور عوامی گیت۔ اشاعت دوم پیرس ۱۸۷۶ء۔ دیباچہ

ہم متعلقہ ابواب میں ان مختلف حصوں کے متعلق تفصیل سے بیان کر چکے ہیں کہ وہ کب اور کہاں علاحدہ طور پر شائع ہوئے ہیں۔ بجز "گل وصنوبر" اور "ہندوستانی عوام کے گیت" یہاں ان دونوں کا تفصیل سے ذکر ہوگا۔ اس کتاب کے دیگر مضامین کے متعلق اوّلاً وہ چیز پیش نظر رہنی چاہیئے جو دتاسی نے بیان کی یعنی اصل متن کے بعض حصے اس نئے ایڈیشن میں حذف کر دیئے گئے ہیں[1]۔ اسی طرح یہ بھی خیال کرنا مناسب ہوگا کہ نئی طباعت کے وقت دتاسی نے نظر ثانی کر کے کچھ تصحیح و اصلاح بھی کی ہوگی۔

جہاں تک "گل وصنوبر" کا تعلق ہے اس پر اس باب کے شروع میں دتاسی نے کوئی تفصیل نہیں دی کہ وہ پہلے کہیں چھپا ہے یا نہیں لیکن تحقیق سے پتہ چلا کہ یہ مضمون اوّلاً ریویو اور ینتال جلد ۷ بابت ۱۸۶۲ء صفحہ ۶۹ تا ۱۳۰ میں طبع ہوا تھا۔

تمہید میں دتاسی نے خاص طور پر لکھا ہے کہ "یہ اسلامی قصہ جس کا ترجمہ کیا گیا ہے، عمرانیات کے نقطۂ نظر سے مفید ہے۔ اور دلچسپ مثال اس امر کے اطلاق کے لیے ملتی ہے کہ انسان مجبور محض ہے اور قصہ میں جو گتھی تھی وہ کس طرح عجیب و غریب طور پر حل ہوئی"۔[2]

قصہ کے اصل مصنف کا نام نہیں معلوم تمہید میں اس کے ہندوستانی ترجموں کی فہرست دی گئی ہے۔ بہ ظاہر دتاسی کو بھی مؤلف کا پتہ نہ تھا حسب معمول یہ ترجمہ بھی کسی حد تک آزاد ہے۔

صفحہ ۴۲۷ پر وہ لکھتا ہے کہ "اپنے خیالات کی بلندی کے باعث وہ حاتم طائی سے مشابہ تھا اور فیاضی میں مَنّ سے"۔ اس پر یہ حاشیہ دیا ہے کہ "حاتم طائی اور مَن دو عرب گزرے ہیں جو داد و دہش کے باعث مشہور ہیں۔ حاتم طائی تو مشہور ہے، لیکن مَن کے متعلق شبہ پیدا ہوتا ہے۔ اس نام کا کوئی شخص نہ عربی فارسی ادبیات میں ملتا ہے اور نہ اُردو میں۔ صفحہ ۴۶۸ پر وہ لکھتا ہے "ابراہیم کے باغ کی طرح" اس پر یہ حاشیہ ہے کہ "یعنی وہ تنور جس میں مسلمانوں کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم کو زندہ جھونک دیا گیا تھا اور اس کی آگ پانی میں اور

---

[1] ایلیگوری یعنی منظوم کہانیاں اور عوامی گیت، مطبوعہ ۱۸۷۶ء صفحہ ۴۲۳ تا ۴۸۰

[2] ایضاً ۴۲۳

وہاں کی زمین باغ میں بدل گئی۔ لیکن قرآن مجید کی سورۃ ۲۱ آیت ۶۹ کے مطابق خدا نے اس آگ کو حکم دیا تھا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کے لیے ٹھنڈی اور سلامتی کی حامل بن جائے۔ اس آیت میں پانی کا ذکر نہیں ہے۔

● جہاں تک "ہندوستان کے عوامی گیت" کا تعلق ہے گارسین دتاسی نے اولاً ریویو کونتا۔ پورین بابت ۳۰ ستمبر ۱۸۵۴ء میں شائع کیا تھا۔ اس مضمون کا آف پرنٹ ہمارے سامنے ہے وہ ۴۹ صفحوں میں ہے۔ دتاسی نے اسے بعد میں اپنی کتاب ایلیگوری[1] کے ایک باب کے طور پر دوبارہ شائع کیا اور اس کا سلسلہ ۵۳۷ سے ۵۹۸ تک چلتا ہے۔ ان دونوں ایڈیشنوں کے مقابلے سے ہمیں حسب ذیل فرق نظر آئے:

تمہیدی جملوں میں کہتا ہے کہ "میں ہندوئی وہندوستانی یا برہمنی اور اسلامی گیت کو تین مختلف قسموں میں مرتب کرتا ہوں، مذہبی اور دیو مالائی گیت، عشقیہ یا نیم صوفیانہ و نیم عشقیہ گیت اور ایسے گیت جن کا تعلق ہندوستان کے کسی رسم و رواج سے ہو۔"

دتاسی ان گیتوں کے متعلق جن کا اس نے ترجمہ کیا کوئی ماخذ نہیں بتاتا لیکن اس مضمون کے شروع میں اس نے مختصر طور پر فہرست گیت دی ہے۔ ہندو گیت "پد" سے تعلق رکھتے ہیں۔ دتاسی کے مطابق یہ مسلمانوں کے یہاں کی غزل کا مترادف ہے یعنی ایسی مختصر نظم جو ۱۲ یا اس سے زیادہ ہم قافیہ بیتوں پر مشتمل ہو وہ لکھتا ہے کہ اگر پد وشنو کی حمد و ثنا میں ہو تو "وشنو پد" کہلائیں گے اور اگر وہ وشنو کے اوتار رام کی تعریف میں ہو تو اسے "رام پد" کہتے ہیں۔ مسلمانوں کے مقبول اصنافِ سخن غزل کے علاوہ مرثیہ ہے جس میں شہدا ر کا غم منایا جاتا ہے۔ مخلوط گیت جو ہندو مسلمانوں دونوں میں مروّج ہیں جیسے ہولی۔ یہ ہندوستان کے کارنوال (عوامی تماشہ) کا نام ہے۔ "خیال" اس عشقیہ نظم کا نام ہے جو کسی عورت کی زبان سے ادا ہوتی ہے۔ اسی طرح وہ نظم جسے ہندی میں بدھاوا اور فارسی میں تبریک کہتے ہیں۔ یعنی وہ گیت جو شادی بیاہ نیز بچوں کی پیدائش اور دیگر خوشی کے موقعوں پر

---

[1] ایلیگوری یعنی منظوم کہانیاں اور عوامی گیت ۱۸۷۶ء صفحہ ۵۴۱

گائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں کے یہاں اس سلسلے میں جو نام قابلِ ذکر ہیں وہ جواب (جس سے مُراد بڑے مغل بادشاہ شاہ عالم ثانی سے ہے)، آصف الدولہ (بادشاہِ اودھ)، دردؔ اور انشاؔ کے ہیں۔ موخر الذکر نے نہ صرف مادری زبان ہندوستانی میں شاعری کی ہے بلکہ ترکی، فارسی اور عربی میں بھی ہے[1]

دتاسی کی نثر کا نمونہ ملاحظہ ہو:

"اب حرم سرا کے گیتوں کا بیان ختم کرنے کے لیے میں تین ایسی نظموں کا ترجمہ دیتا ہوں جو ہندوستان میں بہت مشہور ہیں .... ان میں سے پہلے کے متعلق کونٹس دسال کا مرہونِ منت ہوں اور میں نے اس کو گاتے ہوئے سُنا ہے"[2]

"آثار الصنادید کا فرانسیسی ترجمہ"

۱۹۴ صفحات لیتھو پر مطبع شاہی پیرس سے ۱۸۶۰ء میں شائع ہوا۔ ترجمہ کی نظرِ ثانی کا کام اُس کے دوست فیلکس بوترو نے کیا تھا جو دہلی کالج میں بارہ سال تک پرنسپل رہ چکا تھا۔[3]

شروع کے چار صفحوں میں دیباچہ ہے جس میں وہ لکھتا ہے کہ:

"جب سے دہلی پر سر آرچ ڈیل ولسن نے حملہ کر کے قبضہ کیا۔ ہندوستان کے اس پرانے پایۂ تخت میں سوائے کھنڈرات کے اور کچھ نظر نہیں آتا"

آگے چل کر مترجم بتاتا ہے کہ: "میں نے اصل کتاب سے صرف ان اجزا کا ترجمہ کیا ہے جو آثار قدیمہ کی تشریح پر مشتمل ہیں یعنی حصہ دوم اور سوم۔ حصۂ اول سے میں نے محض کبھی کبھی استفادہ کیا کیونکہ یہ جز دوسرے اور تیسرے حصے کی تمہید کا کام دیتا ہے۔ تالیف کا

---

[1] ایلیگوری یعنی منظوم نظمیں اور عوامی گیت ۱۸۷۹ء صفحہ ۵۴۲

[2] ایضاً صفحہ ۵۸۱

[3] آثار الصنادید کا فرانسیسی ترجمہ مطبع شاہی پیرس ۱۸۶۰ء صفحہ ۳

اصل مقصد ترجمہ کردہ حصوں ہی میں پورا ہو گیا ہے۔

حصۂ اوّل کا عنوان ہے "پرانی اور نسبتاً نئی دلّی اس کے قلعے اور محل"۔ اس میں اولاً لفظ "اندرپت" سے بحث ہے۔ ترجمہ کا ماخذ سے مقابلہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ ترجمہ لفظی اور قریب ہونے کے بجائے اصل کا خلاصہ و شرح ہے کیونکہ دتاسی کی خواہش یہ رہی کہ وہ فرانسیسی ناظر کے لیے قابلِ فہم ہو۔ ترجمہ میں فارسی اشعار بھی بعینہٖ نقل کر دیئے گئے ہیں البتہ ان کا فرانسیسی مطلب دیدیا گیا ہے۔ سرسیّد نے اردو کا ترجمہ غیر ضروری خیال کیا تھا۔ کیونکہ فارسی مغلوں کی سرکاری زبان رہی تھی اور اس زمانے میں ہر پڑھا لکھا ہندوستانی اسے اچھی طرح سمجھتا تھا۔ دتاسی کے پاس کا ایک نسخہ مدرسۃ السنہ میں ہے یہ اردو کتاب "آثار الصنادید" مطبع احمدی دہلی میں باہتمام شیخ ظفر علی لیتھو پر ۱۲۷۰ھ م ۱۸۵۳ء میں چھپی ہے۔ یہ جلی خط اور ۲۲ × ۱۵ کی تقطیع پر ہے۔ لیکن لیتھو چھپائی اور نستعلیق خط ایک دور دراز بیٹھے مستشرق کو پریشان کر دینے کے لیے کافی ہیں۔ خاص طور پر اس لیے کہ لفظوں پر اعراب نہیں ہوتے چنانچہ دتاسی نے نامانوس ناموں کو پڑھنے میں بعض اوقات جو غلطیاں کی ہیں وہ قابلِ معافی ہیں۔ مثلاً

انکپال کو Atakapel کر دیا ہے۔ (ترجمے کا صفحہ ۸)

بلبن (بادشاہ) کو Balin (صفحہ ۱۶)

ورنگل کو Darangel صفحہ ۱۹ پر واو کو دال پڑھ لیا ہے۔

عادل آباد کو Adil Tagljc (صفحہ ۲۲)

امتیاز محل کو Palais de l'epreuve یعنی آزمائش و ابتلا کا محل (ص ۴۰)

ظاہر ہے یہ غلط ہے کیونکہ لفظی معنوں میں تفوق و برتری رکھنے والا محل کہ سب میں ممتاز ہے۔

Choti Bhatik شاید چھوٹی بیٹھک کی خرابی ہے۔ ایسے ہی بڑی بیٹھک Bari Bhatik کا تلفظ غلط ہے۔

"حضرت دہلی کنفِ عدل و داد" میں دتاسی نے حضرت کے معنی ولی یا مقدس شخص کے دیئے ہیں۔ اردو میں عموماً یہی معنی ہیں مگر عربی میں "حضری" بستی میں رہنے والے کے ہیں۔ چنانچہ

"حضرت دہلی" کے معنی "دہلی کی بستی" یا "دہلی کا شہر" ہے۔ اسی مصرعہ میں "کنف" کے معنی "کونا" یا "زاویہ" دیئے ہیں حالانکہ اس عربی لفظ کے معنی پناہ گاہ اور مامن کے ہوتے ہیں۔ (ص ۶)
اس نے فرانسیسی قارئین کی خاطر ترجمہ میں الفاظ کو گھٹا بڑھا کر مطلب ادا کیا ہے۔ مثلاً شعر کو عام فہم بنانے کے لئے ترجمہ میں اس نے "خالق کی قدرت" کے الفاظ بڑھا دیئے ہیں۔

دتاسی نے اپنے ترجمہ میں جو حصے حذف کر دیئے ہیں وہ بھی اس بات کے مستحق تھے کہ ان کا بھی ترجمہ ہوتا مثلاً باب اوّل میں سید احمد خاں نے اپنی تاریخی تنقید کی صلاحیت کا مظاہرہ کیا ہے۔ اور کتبوں کی عبارتوں کو نقل کرنے کی عالمانہ جدوجہد کی ہے اور یہ متن ہمیشہ کار آمد رہے گا۔

آثار الصنادید کے منتخبات کا فرانسیسی ترجمہ شائع کرتے ہوئے گارسین دتاسی نے پیش لفظ میں سرسید کے حالات پر ایک مقالے کا ذکر ژورنال ازیاتک پیرس بابت ۱۸۵۶ء (شمارہ نومبر دسمبر) صفحہ ۴۳۲ سے صفحہ ۵۳۶ پر کیا ہے۔ یہاں اس مضمون کا پورا ترجمہ شامل ہے۔ خاص طور پر اس لیے کہ یہ ۱۸۵۷ء کی جنگ آزادی سے قبل کی چیز ہے۔ آثار الصنادید یعنی شہر دہلی کی تاریخ اور اس کے پرانے اور نئے آثار مؤلفہ سید احمد خاں، مطبوعہ دہلی۔

"گزشتہ چند سالوں میں ہندوستان میں ہندوستانی زبان (اردو) میں جو مفید ترین تالیفیں شائع ہوئی ہیں۔ ان میں یقیناً سید احمد خاں کی کتاب "دہلی" بھی شامل ہے۔ یہ دہلی میں مجسٹریٹ ہیں اور دیگر اور کتابوں کو تالیف بھی کر چکے ہیں جو اسی زبان میں ہیں، جن میں پیش نظر کتاب بھی ہے۔ یہ ہندوستان کے شمال مغربی علاقے کی عام بول چال کی زبان ہے۔ مؤلف خود ہی بیان کرتا ہے کہ اس کے آباء و اجداد عرب تھے جو بعد میں ہرات میں سکونت پذیر ہوئے۔ اور یہ کہ اکبر بادشاہ کے زمانے میں وہ ہندوستان آ کر مقیم ہوئے اس وقت سے اب تک اس خاندان کے لوگ ممتاز خدمات پر مامور ہوتے رہے ہیں۔ بادشاہ عالمگیر ثانی نے سید احمد خاں کے دادا کو ہزار پیدل سپاہیوں اور پانچ سو سواروں کی کمان دی تھی۔ یہی خدمت سید احمد خاں کے والد کو بھی حاصل رہی اور پھر خود ہمارے مؤلف کو بھی۔ ان کے نانا کو دہلی کے آخری بادشاہ عباس شاہ (؟) نے وزارت عظمیٰ پر مامور کیا تھا۔

کتاب آثار الصنادید پر بطور ماٹو یہ فارسی بیت لکھی گئی ہے جس میں کتاب کے نام کی طرف بھی اشارہ ہے ؎

آثار پدیداست صنادید عجم را — از نقش و نگار در و دیوار شکستہ

جس کے معنی ہیں منہدم دیوار کے نقش و نگار میں ایرانی النسل حکمرانوں کے آثار ہویدا ہیں۔

واقعہ یہ ہے کہ پیش نظر کتاب کا اصل حصہ یعنی واحد حصہ جو دلچسپی کا حامل ہے وہ دہلی کی قدیم اور جدید عمارتوں کی توصیف پر مشتمل ہے۔ ان میں نقشے بھی ہیں جو ان عمارتوں کی وفادارانہ شکل پیش کرتے ہیں۔ اور ان عمارتوں کے کتبے بھی نقل کئے گئے ہیں۔ شروع میں ایک تاریخی تذکرہ ہے جو کتاب کے مقدمہ کا کام دیتا ہے اور جس میں دہلی کے حکمرانوں کے حالات ہیں۔ ایک باب میں دہلی کے قلعہ کی تاریخ ہے۔ جو شاہ جہاں نے تعمیر کرایا تھا۔ شہر کے دیگر قلعوں کا بھی ذکر ہے۔ ایک اور باب میں ان عمارتوں کا ذکر ہے جو اسی شہر میں مختلف بادشاہوں اور امیروں نے بنائی تھیں۔ ضمیمے میں ۱۶۹ نقشے ان عمارتوں کے ہیں جن کا کتاب میں ذکر ہوا ہے۔

ہمارے پیش نظر وہ نسخہ ہے جو کتاب کے دوسرے ایڈیشن سے متعلق ہے۔ اس اشاعت کے لئے سابقہ ایڈیشن کی کامل نظر ثانی کی گئی ہے۔ اسے پہلے سے بہتر طور پر پیش کیا گیا ہے اور اس میں قابل ذکر اضافے عمل میں لائے گئے ہیں۔ اس بارے میں مؤلف نے جو تفصیلات دی ہیں ان کو یہاں نقل کرنا غیر ضروری طوالت کا باعث ہوگا۔ اس میں ان کتابوں کا بھی ذکر ہے جن سے اس تالیف میں استفادہ کیا گیا ہے۔ ان کا ذکر جا بجا کتاب میں بطور حوالہ بھی فٹ نوٹ میں ہوا ہے۔ ان کتابوں سے جو چالیس سے زیادہ ہیں۔ بائبل راجہ ولی، خلاصۃ التواریخ، سلسلۃ الملوک، مہا بھارت بھگوت [گیتا]۔ تاریخ فرشتہ تو زک تیموری، توزک جہانگیری، اکبرنامہ، پوتھی اندر پرست، لغت اقلیم، تاریخ کشمیر، پوتھی ہائے بھات، مارکنڈیا پُران ابو الفدا، وغیرہ بھی قابل ذکر ہیں۔ یہ ماخذ ہائے معلومات بیشک بہت اثر انداز ہیں لیکن کتاب کے پڑھنے کے بعد اس نتیجے پر پہونچا ہوں کہ مؤلف نے زیادہ تر انگریزی کتابوں سے استفادہ کیا ہے۔ اگر وہ ان میں سے صرف دو کا ذکر کرتا ہے پہلے دہلی کی انجمن آثار قدیمہ کی یادداشتیں ہیں اور دوسرے رویل ایشیاٹک سوسائٹی کی

نشریات ہیں. میں یہاں دیباچے کے تین صفحوں کا ترجمہ شامل کر رہا ہوں اور جن میں دلّی کے بادشاہوں کا ذکر ہے ان کو پڑھنے کے بعد غالباً میرے ناظرین بھی وہی رائے قائم کریں گے جو میری ہے۔

ان استدلالوں سے غالباً نہ فلسفی مطمئن ہوں گے نہ مورخ لیکن آثار قدیمہ سے دلچسپی رکھنے والا مطمئن ہو جائے گا کہ عمارتوں کی توصیف اور ان کے کتبوں سے بحث کی گئی ہے۔ ان میں ۱۲۴ عمارتوں کا ذکر ہے۔ انہیں ہر فصل کے شروع میں بطور عنوان درج کیا گیا ہے اور ان کو ایک تحلیلی جدول میں دیا گیا ہے جس کی تدوین اچھی ہے۔ ان میں سلسلہ نمبر بھی ہے اور عمارت کا نام بھی، بانی کا کارنامہ بھی، اس شہر یا مقام کا نام بھی جہاں وہ موجود ہے اور تاریخ تعمیر بھی جو ہجری اور عیسوی دونوں تقویموں میں ہے اور ان کے علاوہ ایک چھٹے کالم میں عمارتوں کے ان مختلف اجزاء کا ذکر ہے جو عمارت کے توصیف میں الگ الگ فصلوں میں بتائے گئے ہیں۔

جیسا کہ نظر آئے گا یہ کتاب اس قابل ہے کہ اس سے واقفیت حاصل کی جائے اور میں نے جو ارادہ ظاہر کیا تھا اس پر اب بھی قائم ہوں کہ جیسے ہی دیگر موجودہ کاموں سے فراغت ہوگی فوراً اس کا ترجمہ شروع کر دوں گا۔

گارسین دتاسی "

● " اسلامی ہند کی تاریخ کا ایک باب یعنی بادشاہ دہلی شیر شاہ کی تاریخ "

مولفہ مظہر علی ولا، جس کا ترجمہ ہندوستانی سے کیا گیا۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۶۵ء ۱۲۴ صفحے۔

یہ تالیف شروع میں ایک مضمون کی صورت میں رسالہ ریویو دلوریاں دبلجیری ای دکولونی بابت ۱۸۶۴ء جلد ۱۷ صفحات ۶۵ تا ۷۸، ۱۸۱ تا ۲۰۳، ۳۴۹ تا ۳۸۱، جلد ۱۸ (۱۸۶۴) صفحات اس مضمون کا آف پرنٹ ۱۸۶۵ء میں شائع ہوا۔ عباس خاں گکبور سروانی احمدی[1] نے شیر شاہ کی سوانح عمری فارسی میں لکھی تھی اور اس کا ترجمہ مظہر علی ولا نے ۱۸۰۵ء میں اردو میں کیا جو شائع نہ ہوا۔ آخر الذکر کے ایک مخطوطے سے گارسین دتاسی نے فرانسیسی ترجمہ کیا کیونکہ اصل فارسی متن اسے دستیاب نہیں ہو سکا تھا، اور وہ دیباچے میں بیان کرتا ہے کہ

---

[1] صفحہ ۱۱۴: داستان تاریخ اردو میں حامد حسن قادری نے اس کا نام عباس خاں سروانی لکھا ہے۔

"میں نے اپنا ترجمہ مظہر علی ولا کے (جو ایک ممتاز اہل قلم ہیں) ہندوستانی ترجمہ کی بنیاد پر کیا ہے جو ۱۸۰۵ء کی تصنیف ہے۔ میرے پرانے دوست کپتان اے۔ ٹرڈ بر نے میرے لیے کئی سال ہوئے اس نسخہ سے جو کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی میں ہے بطور مخطوطہ نقل کرائی تھی۔"

اس کتاب میں جو چیزیں بیان کی گئی ہیں وہ صحیح اور اصل کے مطابق معلوم ہوتی ہیں۔ مصنف نے ایک بیت نقل کی ہے جس پر اس نے اپنے مقدمے کو ختم کیا ہے بیت کا مفہوم یہ ہے "چاہے فارسی اصل کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو ولا کو توقع ہے کہ اس نے من وعن ترجمہ کیا ہے۔"

مظہر علی خاں ولا کا یہ قلمی ترجمہ انڈیا آفس لندن میں بھی موجود ہے۔

دتاسی کے دیئے ہوئے حاشیے کم ہیں۔ اس نے محض کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کی ہے۔ سوسیتے ازیاتک کی سالانہ رپورٹ ۱۸۶۴ء تا ۱۸۶۵ء میں مول نے ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۱ تا ۱۳۲ میں شائع کی ہے جس میں دتاسی کا ذکر صفحہ ۸۴ تا ۸۵ میں ہے کہ مدرسہ السنہ شرقیہ کے سال تعلیمی کے آغاز میں اس نے جو خطبہ دیا اس کے علاوہ اس نے ہندوستانی متن کی اساس پر تاریخ شیر شاہی کا ترجمہ بھی کیا۔ موسیو مول کی رائے میں عباس خاں سروانی کی یہ تصنیف اپنے موضوع پر تاریخ فرشتہ کے متعلقہ باب کے مقابلہ میں زیادہ دلچسپ اور زیادہ صحیح ہے۔

تاریخ شیر شاہی کا ایک خلاصہ اس کتاب میں بھی ملتا ہے جس کا نام "ہوج کی سیاحتیں" ہے اور جسے لانگلیس نے ترجمہ کر کے ۱۸۰۵ء میں شائع کیا تھا۔ خار کوف (روس) کی یونیورسٹی میں دورن مشرقی ادبیات کا پروفیسر تھا۔ اس نے انگریزی زبان میں تاریخ افاغنہ کا دو حصوں میں ترجمہ طبع کیا ہے۔ اس کے حصہ اول کے تراجم کو مشرقی نے ۱۸۲۹ء میں لندن سے شائع کیا اور حصہ دوم اس کے پانچ سال بعد لندن میں ۱۸۳۴ء میں شائع ہوا اس میں بھی شیر شاہ کے واقعات وحالات کا ذکر ہے۔

● "جانور آدمی سے بحث ومباحثہ کرتے ہیں" (اخوان الصفا کا خلاصہ)

عنوان بالا سے دتاسی نے مقالہ ۱۸۶۴ء میں ریویو دلوریاں میں شائع کیا جو ۱۱۸ صفحوں

پر پھیلا ہوا ہے۔ بعد میں اس کو دوبارہ ایڈٹ کرتے ہوئے ۱۸۷۶ء میں اپنی کتاب ایلیگوری میں شامل کیا۔ جہاں وہ صفحہ ۷۳ تا ۸۸ پر ہے۔

یہاں ریویو دلوریاں سے متعلق حسب ذیل معلومات قابلِ ذکر ہیں۔ یہ اس رسالے کے سلسلۂ جدید کی جلد ۱۴ بابت ۱۸۶۱ء اور ۱۸۶۲ء میں صفحہ ۳۱۰ تا ۳۲۶ جلد ۱۵ بابت ۱۸۶۳ء میں صفحات ۲۱ تا ۲۷، ۹۳ تا ۱۰۲، ۲۱۴ تا ۲۵۵، ۳۰۷ تا ۳۲۱ پر اور جلد ۱۶ بابت ۱۸۶۳ء میں صفحات ۵ تا ۲۶، ۸۶ تا ۹۸، ۱۳۷، ۱۴۶ پر "جانور" کے عنوان سے ایک عربی کتاب کے طور پر شائع ہوا ہے۔ کتاب کا نام تحفۂ اخوان الصفاء ہے اور یہ اس کے ہندوستانی ترجمے کا ترجمہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولوی اکرام علی نے فورٹ ولیم کالج سے ۱۸۱۰ء میں کیا جو پہلی بار ۱۸۱۱ء میں کلکتہ میں شائع ہوا پھر بمبئی وغیرہ میں چھپا۔

اخوان الصفا دسویں صدی کی مشہور فلسفیانہ کتاب ہے۔ اس میں ایک رسالہ جانوروں کے درمیان بحث و مباحثہ پر مشتمل ہے۔ یہ باب بیروت کے جدید ایڈیشن بابت ۱۹۵۷ء کی جلد دوم میں صفحہ ۲۰۳ تا ۲۷۷ میں ہے۔ یہ آٹھواں رسالہ ہے جس کا عنوان "طبیعات اجسام" ہے۔

اس میں مؤلف جانوروں کی پیدائش اور ان کی قسموں کا ذکر کرتا ہے۔ اس کتاب کی فلسفیانہ معنویت ہے۔ دتاسی نے اردو متن کی اساس پر اپنا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا ہے۔ اردو ترجمہ میں مولوی اکرام علی نے کچھ تبدیلیاں کی ہیں اور کچھ عبارات بھی حذف کی ہیں تاکہ اسلوب کی گرانی کو کم کیا جا سکے چنانچہ لکھتا ہے:

"کپتان جان ولیم ٹیلر نے مجھ سے فرمائش کی کہ اخوان الصفا کے اس باب کا اردو میں ترجمہ کروں جس میں آدمی اور جانوروں کے درمیان بحث و مباحثہ ہوا ہے لیکن ایک سادہ طریقہ پر جس میں کوئی مشکل لفظ نہ آئے اور جس سے علمی اصطلاحوں اور تکلف پسند عبارتوں کو حذف کر دیا جائے۔ چنانچہ میں نے ان تمام تقریروں اور اکثر ان اصطلاحوں کو حذف کر دیا ہے جن کا اس گفتگو سے کوئی تعلق نہ تھا۔ بجز اس چیز کے جو اصل موضوعِ بحث سے تعلق رکھے۔"

اکرام علی کے اُردو ترجمہ کے بعد دوسرا ایڈیشن ۱۸۶۱ء میں لندن سے نکلا جبکہ پورے طور پر ہندوستان انگریزوں کے قبضہ میں آچکا تھا اور نظم ونسق کی ضرورتوں کیلئے بہت سے انگریزوں کو اردو سیکھنے کی ضرورت پیدا ہوگئی تھی، چنانچہ کنگز کالج کے پرنسپل ڈنکن فوربز اور یونیورسٹی کالج لندن کے پروفیسر راس ریو نے اس کا نیا ایڈیشن شائع کیا جس میں نظر ثانی اور تصحیحات کی گئیں۔ دونوں ایڈیشنوں کا مقابلہ کرنے پر فرق صرف یہ نظر آیا کہ نئے ایڈیشن میں عبارت کو پیراگرافوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ایک فہرست مضامین دی گئی ہے اور کچھ ذیلی عنوانات بڑھائے گئے ہیں۔

ہمارے خیال میں ژناسی نے اپنا فرانسیسی ترجمہ اس دوسرے ایڈیشن کی اساس پر کیا، کیونکہ اس کا ترجمہ پیرس میں ۱۸۶۴ء میں شائع ہوا۔ دوسرا ایڈیشن بھی نکلا جب ژناسی نے اپنی کتاب ایلیگوری شائع کی تو تحفۃ اخوان الصفا کے اس باب کو بھی اس میں شامل کردیا وہاں وہ صفحہ ۷۳ تا ۱۸۸ پر ملتا ہے۔

ژناسی کا ترجمہ ۱۸۸ صفحوں میں ہے۔ اس رسالے کے مندرجات کا خلاصہ بھی پیش کیا ہے۔ یہ خلاصہ انگریزی ایڈیشن میں موجود ہے اور براہ راست اصل عربی سے لیا گیا ہے اور جو ۱۸۱۲ء میں کلکتہ سے شائع ہوا۔ وہ لکھتا ہے "خیال کیا جاتا ہے کہ جانوروں اور آدمیوں نے اپنی اپنی شکایتیں جنات کے بادشاہ کے سامنے پیش کیں لیکن جانوروں کو شکایت ہے کہ آدمی ان کے ساتھ ناانصافی اور بے رحمی کا برتاؤ کرتا ہے۔ انسان کو شکایت ہے کہ جانور اس کی اطاعت نہیں کرتے اور اپنے فرائض کی انجام دہی میں غفلت برتتے ہیں۔ فیصلہ اس بات کا کرنا تھا کہ آیا انسان کو یہ حق ہے کہ جانوروں پر اپنا تسلط قائم کرے۔ جانوروں کا دعویٰ ہے کہ قدرت نے انھیں آزاد پیدا کیا ہے اور یہ کہ آدمی کا زعم کہ وہ ان کا مالک ہے، درست نہیں۔ اس کے برخلاف انسان نے بتایا کہ اس کو قدرت ہی نے دیگر جانوروں پر برتری عطا کی ہے اور وہ جانوروں کے خلاف یہ شکایت کرتا ہے کہ وہ اتنی خدمت انجام نہیں دیتے اور بطور نتیجہ اس کو دعویٰ ہے کہ جانور اس کی جائیداد ہیں۔

بادشاہ نے ایک مجلس منعقد کی اور مقدمہ کی سماعت شروع ہوئی۔ ابتدا میں آدمی

کے دعوے پیش ہوئے اور جانوروں نے اس کا جواب دیا۔ دعویٰ اور جواب دعویٰ بادشاہ کو اتنے مساوی نظر آئے کہ اس نے فیصلہ کیا کہ بہترین ججوں اور قانون دانوں سے مشورہ کیا جائے جانوروں کو اس پر گھبراہٹ ہوئی اور انھوں نے خیال کیا کہ عدالتوں میں سارا دار و مدار وکیل کی چالاکی اور فصاحت اور بلاغت پر ہوتا ہے اور خوف ہوا کہ اس بارے میں وہ اپنے حریف انسان سے کم تر ہیں۔ چنانچہ انہوں نے ان سے رجوع کیا جن کو مؤلف نے جانوروں کے قبائل کا نام دیا ہے۔

چنانچہ اس غرض کیلئے چھ مختلف قسم کے جانوروں میں پیام رسا بھیجے گئے یعنی درند، چرند، پرند، شکاری پرندے، کیڑے مکوڑے، رینگنے والے کیڑے اور مچھلیاں۔ ان مجلسوں کی سرگزشت کتاب کا دلچسپ ترین حصہ سمجھا جا سکتا ہے۔ پرندوں کے سفیر نے خاص طور پر جان اور مفاد کے متعلق شکایت کی تھی جو نہ صرف بہت شگفتہ اسلوب میں ہے بلکہ اس میں بہترین اخلاقی جذبات کا بھی اظہار کیا گیا ہے۔ پرندے یکے بعد دیگرے اپنے خالق کی حمد و ثنا کے گیت گاتے ہیں اور انسان پر لعنت و ملامت کی بوچھار کرتے ہیں۔ پڑھنے والا نہ صرف اس سے دلچسپی لیتا ہے بلکہ مسحور بھی ہو جاتا ہے کہ علم کا خار دار راستہ اسی قدر پھولوں سے پٹا پڑا ہے۔ جانوروں کے مختلف قبیلوں کے سفیر بالآخر جمع ہوتے ہیں اور مقدمے کا آغاز ہوتا ہے۔ بادشاہ پہلے سب پر نظر ڈالتا ہے اور تحقیقات شروع کرتا ہے اور بعض اختلافی مسائل پر کچھ سوال بھی کرتا ہے۔ چنانچہ انسانوں میں نہ صرف رسم و رواج کا اختلاف نظر آتا ہے بلکہ ان کی ظاہری شکل و صورت میں اختلاف ہوتا ہے چنانچہ اس کی وجہ دریافت کرتا ہے۔ یہاں زمین پر بسنے والی مختلف قوموں کے نمائندے یکے بعد دیگرے آتے ہیں اور ان میں سے ہر ایک اپنی قوم کے متعلق تاریخی صداقت کے ساتھ معلومات پیش کرتا ہے۔ اس کے بعد جانوروں کے سفیروں کو دیکھ کر بادشاہ ان کے متعلق بھی کچھ معلومات حاصل کرتا ہے اور یہ جانور بھی کتاب کے مؤلف کے زمانے میں تاریخ فطرت کے متعلق معلومات اور ان کے مطابق اپنے حالات بیان کرتے ہیں۔

بعد ازاں مقدمہ شروع ہوتا ہے۔ آدمی کے نمائندے ساری دلیلیں پیش کرتے ہیں

اور اس بات پر زور دیتے ہیں کہ سارے نفیس علوم و فنون کی وہ آبیاری کرتے ہیں۔ آرام و آسائش کی بہت سی چیزیں انھوں نے ایجاد کیں۔ مثلاً مذہب ان میں سے ایک اہم چیز ہے۔ وہ خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ ان کے یہاں زیور اور قیمتی لباس ہیں۔ انھوں نے قوانین بنائے اور حکومتیں کیں، ان میں شاعر فلسفی، صرف و نحو کے ماہر خطیب، کاریگر اور ماہرین فن موجود ہیں وہ تعلیم پر توجہ کرتے ہیں۔ ان کے یہاں علم نجوم سے واقفیت ملتی ہے ..... ان چیزوں کے ذکر کے بعد جو انسان کی فطری برتری اور امتیاز کا ثبوت ہیں اسی لئے اس کو قدرت نے حق دیا ہے کہ وہ جانوروں پر اپنا تسلط قائم کرے۔

ان دلائل کا جانوروں کے سفیر کے بعد دیگرے جواب دیتے ہیں اور ناظر کی توجہ اس بات پر منعطف ہو جاتی ہے کہ جانوروں کی توصیف یا قابلیتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مختلف جانور انسانوں سے کہیں زیادہ قوت رکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ وہ دلیلیں ہیں جو قدرتی طور پر ذہن میں آتی ہیں۔ لیکن ان کو اس نفاست اور منصفانہ انداز میں پیش کیا گیا ہے کہ ناظر کی دلچسپی کا باعث رہیں۔

"مقدمہ کا اختتام بڑی خوش اسلوبی سے ہوا ہے اور یہ واضح ہو جاتا ہے کہ واقعتاً انسان عالم آخرت کے لئے پیدا ہوئے ہیں جہاں ان کے دنیاوی کاموں پر جزا یا سزا ملے گی اور اس طرح مقدمہ انسان کے حق میں طے ہوتا ہے۔ چنانچہ نتیجہ میں اتفاق آراء سے انسان کی بادشاہت کا فیصلہ ہوتا ہے۔"[1]

دتاسی نے اُردو ترجمے کے چار صفحے حذف کر دیئے ہیں مگر اس نے کچھ نوٹ اور حوالے بڑھائے ہیں۔ فرانسیسی ترجمے کا اردو اصل سے مقابلہ کرنے پر اندازہ ہوا کہ کافی صحیح ہے جو اس بات کا ثبوت ہے کہ دتاسی کو اس زمانے سے ہی اُردو زبان پر اچھا عبور حاصل تھا۔ دتاسی نے اس کی زیادہ کوشش نہیں کی کہ اردو ترجمہ کی نزاکتوں کو ڈھونڈے۔ مثلاً تیرھویں باب میں (بابت ۱۸۶۴ء) کے صفحہ ۵۰ پر دتاسی لفظ "یعسوب" کو ایک آدمی کا نام فرض کرتا ہے حالانکہ اس سے مراد شہد کی مکھیوں کی رانی ہوتی ہے۔ اکثر اس نے بعض الفاظ کا ترجمہ حذف کر دیا ہے غالباً سہل نظری کے باعث۔ لیکن ان کی بہت اہمیت نہیں۔ مثلاً "سارے آدمی چپ ہوگئے"

---

[1] اخوان الصفا۔ کلکتہ ۱۸۱۳ء صفحہ ۴ - ۶

حالانکہ اصل میں الفاظ یہ ہیں "بیزار ہو کر آدمی ایک لمحہ چپ رہتے ہیں"۔

سوسیٹی ازیاٹک کی سالانہ رپورٹ بابت ۱۸۶۳ء تا ۱۸۶۴ء (ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۶۴ء صفحہ ۱۱ تا ۱۳۶) ژول مول صفحہ ۵۸ پر بیان کرتا ہے کہ "خالص عربی ادبیات کے نقطۂ نظر سے مجھے کچھ بیان نہیں کرنا ہے۔ بجز رسائل اخوان الصفار کے رسالہ حیوانات کا ایک نیا ترجمہ برلن کے مسٹر ڈیسٹری تیں نے چند سال قبل جرمن زبان میں براہ راست عربی سے کیا تھا۔ اب موسیو دتاسی نے ہمیں اس کا اردو سے کیا ہوا ترجمہ پیش کیا ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انھیں مسٹر ڈسٹری تیں کے ترجمے سے واقفیت نہ تھی جو قابل افسوس ہے کیونکہ ممکن ہے کہ اس عجیب و غریب کتاب یعنی رسائل اخوان الصفار کے کسی اور باب کا وہ ترجمہ کر سکتے تھے"۔

- "برج بھاشا کے متعلق ایک لطیفہ" (جو ہندوستانی سے ترجمہ کیا گیا)

مطبوعہ ژورنال ازیاتک جلد ۱۱ جولائی ۱۸۲۷ء صفحہ ۲۹۸ سے ۳۰۳

اس مختصر مقالہ میں دتاسی نے ہندوستانی متن دیا ہے اور فرانسیسی ترجمہ بھی جس میں ایک دلکش لطیفہ بیان کیا گیا ہے کہ ایک گویے نے اکبر بادشاہ کے سامنے برج بھاشا کی ایک بیت سنائی بادشاہ نے درباریوں سے بیت کے معنی دریافت کیے۔ ہر ایک نے اپنے انداز میں تشریح کی۔ واقعہ یہ ہے کہ اس بیت میں موقع کی مناسبت سے ایک لفظ "بر" استعمال ہوا ہے جس کے معنی "دروازہ"، "پانی" "آنسو" اور "بالوں" کے ہو سکتے ہیں۔ سیاق و سباق کے لحاظ سے ہر معنی پورے اترتے ہیں۔ اسی لئے تشریح کرنے میں مختلف معانی نکلتے ہیں۔ اس لطیفہ سے بادشاہ کو برج بھاشا کی وسعت اور زرخیزی کا اندازہ ہوا۔ یہاں دتاسی نے اپنے ماخذ کا حوالہ نہیں دیا ہے۔

- "سیاحت نامہ یعنی کریم خان جھجھری کے دہلی سے لندن کا سفر" ہندوستانی سے ترجمہ

ریویو دلوریاں دللجیری اے دکولونی ۱۸۶۵ء سلسلہ چہارم جلد ۱ صفحہ ۱۰۵ تا ۱۴۱ اور ۶۴۱ تا ۶۶۳۔

۱۸۳۹ء میں مغلیہ سلطنت برائے نام ہی سہی ابھی برقرار تھی۔ دہلی کے بادشاہ کو

ہندوستانی مسلمان خلیفۃ الاسلام کا نائب سمجھتے جو مختلف صوبے کے نوابوں کو احکام دیا کرتا تھا۔ اکبرشاہ ثانی حال ہی میں شہنشاہ اکبر کے باشوکت تخت پر بیٹھا تھا۔ موزوں اعزازات اور بہتر مالی امداد حاصل کرنے کے لئے اسے مناسب معلوم ہوا کہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے ڈائرکٹروں کے یہاں لندن میں جو درحقیقت ملک پہ حکمرانی کر رہے تھے ایک خصوصی نمائندہ کریم خاں کو بھیجے۔ یہ شخص دہلی سے ۲۳ رمضان ۱۲۵۵ھ مطابق یکم دسمبر ۱۸۳۹ء کو انگلستان روانہ ہوا۔ وہ انگلستان میں ۲۳ رمضان ۱۲۵۷ھ مطابق ۸ نومبر ۱۸۴۱ء تک مقیم رہا۔ کریم خاں نے ہندوستانی زبان میں دورانِ سفر کے روزمرہ حالات لکھے ہیں لیکن غایتِ سفر کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔

اس سفرنامہ کا مؤلف کریم خاں جھجھر (دہلی کے قریب ہے) کا باشندہ تھا اور افغانی النسل تھا۔ اس کے باپ کا نام قاسم خاں اور دادا کا طالب خاں تھا۔ فاضل مستشرق ڈنکن فوربز جو اس شخص سے اچھی طرح واقف تھا بیان کرتا ہے کہ وہ ایک ذہین شخص تھا اور اس نے یورپی رسم و رواج کا بڑا گہرا مطالعہ کیا اور ان چیزوں سے واقفیت پیدا کی جو حکومت سے متعلق تھیں (ص۱۰۶) اور ان مسائل پر ڈنکن فوربز نے کریم خاں کو بہترین معلومات مہیا کی تھیں کیونکہ وہ اردو بہت اچھی طرح بولتا تھا اور ہندوستان میں رہ چکا تھا اور ممتاز مؤلف گلکرسٹ کا عزیز شاگرد تھا۔ یورپین مستشرقین میں گلکرسٹ اپنے زمانے کا سب سے بڑا عالم تھا اور ہندوستانی زبان کو بخوبی جانتا تھا۔ چنانچہ اس نے اس کو The Great Colloquial Language of India یعنی ہندوستان کی عام بڑی زبان کا نام دیا تھا۔ بہرحال فوربز کو اس بات میں دشواری پیش آئی کہ کریم خاں کو دستور انگلستان اور پارلیمنٹ ہاؤس آف کامن کی خصوصیات سمجھا سکے۔ کریم خاں یورپی بادشاہوں کو شروع میں بہت حقیر سمجھتا تھا کیونکہ انھیں یہ بھی قدرت نہیں ہے کہ کسی جبوری یا عدالت کے فیصلہ کے بغیر کسی شخص کو سزائے موت دے سکیں۔ لیکن بالآخر اس نے تسلیم کیا کہ یہ طریقہ زیادہ مفید ہے۔

کریم خاں کے سفر کے زمانے میں افضل علی ایک ہندوستانی شخص لندن میں رہتا تھا۔ کریم خاں اس کا بارہا ذکر کرتا ہے کہ وہ ۱۸۳۷ء سے ۱۸۴۱ء تک لندن میں مقیم رہا اور

راجہ ستارہ کا وکیل یعنی نمائندہ تھا۔ اس شخص نے اس بڑے پایۂ تخت کو بیس سال پہلے بھی دیکھا تھا اور اس زمانے میں وہ اس راجہ کے وکیل کا سکریٹری تھا اور اس وقت گلکرسٹ اور ڈنکن فوربز سے دوستانہ تعلقات رکھتا تھا۔ کریم خاں کی طرح وہ بھی ہندوستانی زبان بولتا تھا۔ فارسی اور عربی بھی آتی تھیں۔ شاعر بھی تھا اور پورا دیوان شائع کر چکا تھا۔ ایک ڈائری بھی لکھی جس میں اپنے تاثرات درج کئے ہیں۔ وہ پابندی کیساتھ ڈنکن فوربز کے ساتھ خط و کتابت کرتا رہا اور اس کا ارادہ تھا کہ واپسی پر یہ بمبئی میں لیتھو پر چھپوائے گا۔ لیکن غالباً اسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی کیونکہ ڈنکن فوربز سے وعدہ کیا تھا کہ اس کی ایک کاپی بھجوائے گا تاکہ وہ انگریزی میں ترجمہ کرے، مگر ایسا نہیں ہوسکا۔ ۱۸۴۱ء ستارہ کے راجہ کو معزول کردیا گیا اور بطور قیدی اس نے اپنی باقی زندگی بنارس میں گزاری اور ہندوستانی ادبیات کی سرپرستی کرتا رہا۔ اس زمانے میں افضل علی کو بمبئی واپس ہوجانا پڑا ہوگا۔

کریم خاں کا سفرنامہ طویل حالات پر مشتمل ہے۔ ہر روز سفر کے متعلق اس نے کچھ نہ کچھ بیان کیا ہے چاہے ایک دو سطریں ہی کیوں نہ ہوں اور بعض وقت وہ صرف اس پر اکتفا کرتا ہے کہ اس روز کوئی قابل ذکر بات پیش نہیں آئی۔ ہم نے ترجمہ میں صرف وہ چیزیں لی ہیں جو دلچسپ ہیں۔ اس سفرنامہ کے چار حصے ہیں:

۱۔ دہلی سے کلکتہ۔
۲۔ کلکتہ سے لندن۔
۳۔ لندن میں قیام۔
۴۔ انگلستان اور اس کی تاریخ کے متعلق معلومات۔

ہندوستانی تاریخوں میں اس واقعہ کا کہ اکبر شاہ ثانی نے اپنا سفیر لندن بھیجا تھا، کوئی ذکر نہیں آتا ہے ہم ڈتاسی کے ممنون ہیں کہ اس نے ہمیں اس بارے میں معلومات مہیا کی ہیں۔ اور جس سفرنامے کا ترجمہ کیا ہے وہ بھی دلچسپی سے خالی نہیں ہے۔ اور ترجمہ اصل کے مطابق ہے۔

● "ہیر و رانجھا" پنجاب کا ایک افسانہ جس کا ڈتاسی نے ہندوستانی سے ترجمہ کیا

اور ریویو دلوریاں سلسلہ جدیدشتم ستمبر ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۱۲ تا ۴۸ مطبوعہ پیرس۔

اس مقالہ کا نیا ایڈیشن دتاسی کی "ایلیگوری" میں ۱۸۷۶ء صفحہ ۴۸۱ تا ۵۱۶ میں آیا ہے اس کتاب کا مؤلف مقبول احمد ایک پنجابی شخص تھا جو دہلی میں رہتا تھا اور اس نے اس افسانہ کو ۱۲۹۵ھ مطابق ۱۸۴۸ء تا ۱۸۴۹ء میں شائع کیا۔ یہ نظم ونثر دونوں میں ہے دتاسی نے تمہید میں بیان کیا ہے "قصہ انتہائی سادہ ہے جیساکہ میرے ترجمے سے بآسانی اندازہ ہوجائے گا۔ بعض حصے اختصار کے لیے حذف کئے ہیں اور خلاصہ دیا ہے اس میں ایک حقیقی ادبی اور لسانیاتی قدر وقیمت پائی جاتی ہے کیوں کہ اس میں مشرق کے رسم و رواج کے مطابق کبھی تو بیتوں میں اور کبھی مسجع نثر میں واقعات بیان کئے گئے ہیں۔ عربی فارسی ہندی اردو اقتباسات کے ذریعے سے حسن پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے"[1]

پنجاب میں ہیر ورانجھا کی داستان عشق بہت معروف ہے اور سارے پنجابی نوجوان اسے ذوق وشوق سے گاتے ہیں۔ مؤلف مقبول احمد کے متعلق دتاسی نے اپنے دیباچے میں بیان کیا ہے کہ "ہیر ورانجھا کی کہانی ہندوستان میں عجیب وغریب، دلچسپ اور بے مثال سمجھی جاتی ہے اور حقیقت پر مبنی ہے۔ چنانچہ اس کہانی کے مطابق ایک نوجوان شخص ایک عورت کو خواب میں دیکھتا ہے اور اس کا عاشق ہوجاتا ہے۔ اس نے اس عورت کے حسن اور اچھی خصوصیات کا ذکر سُنا تھا جس کے باعث وہ اس کے عشق میں مبتلا ہوگیا تھا"[2]

اس کہانی کے کئی متن ملتے ہیں۔ جن میں سے ایک منظوم بھی ہے۔ دتاسی کو صرف ایک نام کا پتہ چلا اور اس کا ذکر اشپرنگر کی فہرست کتب سے لیکر کیا ہے۔ اس کے متعلق کوئی مزید تفصیل نہیں دی۔ غالباً اس سے مراد وارث علی شاہ کا منظوم متن ہوگا۔ دتاسی نے صراحت نہیں کی کہ اس پنجابی افسانہ کا ترجمہ اس نے کس زبان کے متن

---

[1] "ہیر ورانجھا" رسالہ ریویو دلوریاں ستمبر ۱۸۵۷ء صفحہ ۱۳۳ کتاب ایلیگوری صفحہ ۴۸۱

[2] رسالہ دلوریاں ص۱۱۷ کتاب ایلیگوری ص۴۸۵

سے کیا تھا۔ وہ صرف اس قدر بیان کرتا ہے کہ اس کی تالیف آحمد نے کی اور وہ اس زمانے میں دہلی میں شائع ہوئی تھی۔

● "ہندوستانی لطیفے" رسالہ ژورنال ازیاتک فروری ۱۸۳۶ء صفحہ ۱۹۸ تا ۱۹۹ اور ماہ مارچ ۱۸۳۶ء صفحہ ۲۹۶ یا ۲۹۹ نیز ماہ اپریل ۱۸۳۶ء صفحہ ۴۱۱ تا ۴۱۲ میں ذناسی نے فرانسیسی ترجمہ کے ساتھ شائع کئے ہیں۔ غالباً طباعت کے وقت رسالے میں کچھ جگہ باقی رہ گئی تھی اور ان کو پُر کرنے کے لئے بغیر کسی تمہید اور تشریح کے ذناسی نے ترجمہ کر دیا ہے۔ اپریل ۱۸۳۶ء جو اقتباسات شائع ہوئے ہیں صرف اس میں بیان کرتا ہے کہ یہی لطیفے فارسی میں جامی کی بہارستان میں بھی ملتے ہیں۔

● "ضدی فاحشہ اور طلسمات" ایک قصہ جو نامعلوم مخطوطہ کی اساس پر ہندوستانی زبان سے ترجمہ کیا گیا اور ریویو اورینتال اے امریکن جلد ۱۰ ۱۸۶۵ء صفحہ ۱۴۱ تا ۱۵۷ مطبوعہ مطبع شاہی پریس میں شائع ہوا تھا۔

ذناسی اس کہانی کے نہ مؤلف کا نام دیتا ہے اور نہ اصل کتاب کا عنوان۔ کوئی دس صفحوں میں اس میں بادشاہوں، شہزادیوں کے تعیش اور وزیروں، امیروں اور درباری کی شاہانہ زندگی کا تذکرہ کرتا ہے۔ امید ہے کہ ترجمہ مطابق اصل ہوگا۔ چاہے وہ لفظی ترجمہ نہ ہو جیساکہ ترجموں کے متعلق ذناسی کی عام عادت رہی ہے۔

(ب) ہندی کے ترجمے

● "لارڈ ایلن بارو گورنر ہندوستان کا اعلان سومنات کے مندر کے دروازہ کی بابت" ہندی سے ترجمہ مطبوعہ ژورنال ازیاتک ۱۸۴۵ء صفحہ ۲۹۸ تا ۳۰۴۔

دسویں صدی کے دوران وسط ایشیا کے مختلف صوبوں کے گورنر اتنے طاقتور اور خود مختار ہوگئے تھے کہ بغداد کا عباسی خلیفہ جو اس کے سردار کی حیثیت رکھتا تھا سوائے اس کے کچھ نہ کرسکتا تھا کہ مختلف صوبوں میں نراج کے باعث جو تبدیلیاں ہوتی تھیں ان کو قبول کر لیا کرے بعض صوبوں میں موروثی گورنر ہونے لگے تھے۔ اس میں ایک محمود غزنوی تھا جو ۹۹۷ء میں اپنے باپ کا جانشین بنا۔ ہندوستان پر حملوں کی وجہ

سے وہ تاریخ میں مشہور ہے۔ ہر سال وہ اپنے پایۂ تخت غزنی سے نکلتا اور ہندوستان کے وسیع ملک کے کسی نہ کسی علاقے پر دھاوا بولتا۔ ان حملوں میں سے ایک ۱۰۲۴ء میں ہوا اور اس نے گجرات میں سومنات کے قلعہ بند شہر کو فتح کر لیا۔ باوجودیکہ ہندوؤں نے اس شہر کی مدافعت کے لیے جو اپنے مندر کے باعث بڑی شہرت رکھتا تھا بہ کثرت فوجیں جمع کی تھیں۔ سلطان محمود غزنوی نے وہاں کے بتوں کو توڑ ڈالا، خزانے ضبط کر لیے اور مندر کے دروازوں کو مالِ غنیمت کے طور پر فاتحانہ شان سے اپنے ساتھ لے گیا۔ (اس تفصیل کیلئے ڈاکٹر محمد ناظم کی انگریزی کتاب "سلطان محمود آف غزنہ" دلچسپی سے خالی نہیں۔)

۱۸۳۱ء میں رنجیت سنگھ نے کوشش کی تھی کہ یہ مقدس دروازے ہندوستان کو واپس دلا دے لیکن اسے کامیابی نہیں ہوئی۔ انگریزی فوج نے شہر غزنی پر دو مرتبہ قبضہ کرنے کے بعد اس میں کامیابی حاصل کی کہ ۱۸۴۲ء میں سومنات کے مندر کے دروازے اس کو دے دیئے جائیں۔

اپنی تالیف کے آغاز میں گارسین دتاسی لکھتا ہے:

"صرف ایک فتح ہی اس میں کامیابی حاصل کر سکتی تھی کہ ان دروازوں کے قابض ان کو کسی اور کے سپرد کریں اور لارڈ ایلن بارو نے چاہا تھا کہ انگریزی انتظام کے سلسلے میں ان مشہور دروازوں کو اپنے مالِ غنیمت کی سب سے اہم چیز کے طور پر استعمال کر سکے۔"

چنانچہ یکم اکتوبر ۱۸۴۲ء کو لارڈ ایلن بارو نے ہندی میں حسب ذیل بیان شائع کیا:

"بھائیو اور دوستو ہماری فوج جس نے لڑائی میں کامیابی حاصل کی، افغانوں کے ملک سے فاتحانہ طور پر سومنات میں سلطان محمود کے ہاتھوں توڑے ہوئے مندر کے دروازوں کو واپس لائے۔ اب شہر غزنی کھنڈر بن گیا ہے۔ اور بالآخر آٹھ سو سال پہلے جو ہتک کی گئی تھی اس کی تلافی کی جائے۔ سومنات کے دروازے جو اتنے طویل عرصہ سے تمہاری پرانی ذلت کا نشان بنے تھے اب وہ ملک کی قوت اور فیروز مندی کی نمایاں علامت بنے رہیں گے۔"[1]

---

[1] ژورنال ازیاتک جلد ۵ ۱۸۴۳ء کا آف پرنٹ ص۸

بعد میں پتہ چلا کہ لارڈ ایلن بارو کو دھوکہ ہوا تھا اور سومنات کے اصلی دروازے کابل میں ہی رہ گئے تھے۔ اس سے ایلن بارو کی غیر ہر دلعزیزی میں اضافہ ہوگیا جو اس کی کم دانشمندانہ سیاست سے پیدا ہوگئی تھی۔ لیکن دتاسی کو جب اس نے یہ مضمون ۱۸۴۵ء ژورنال ازیاتک میں شائع کیا، ان تفصیلات کی اطلاع نہ تھی: وہ ان کا بالکل ذکر نہیں کرتا۔ آزادی کے بعد ۱۹۴۸ء میں ہندوستان کی حکومت نے ایک کروڑ روپے کے مصارف سے اس مندر کی دوبارہ تعمیر کی اور جمہوریۂ ہند کے راشٹرپتی نے اس کا افتتاح کیا تھا۔

مسٹر کے بنشی نے جو ہندوستان کی حکومت میں وزیر تھے اور ہندو آثار قدیمہ کے ماہرین میں سے ایک تھے۔ پرانی تاریخی کتابوں کی مدد سے اس مشہور مندر کے پلان اور تعمیرانی نقشہ میں معلومات فراہم کیں تاکہ نئی تعمیر پرانی نہج پر ہی ہو۔

● "شکنتلا کا قصہ" مہا بھارت کے ہندی ترجمے کے مطابق۔ ایک چھوٹا سا مضمون بیس صفحوں میں۔ ریویو اورینتال ۱۸۵۲ء میں شائع ہوا پھر گارسین دتاسی کی کتاب ایلیگوری میں صفحہ ۵۱۷ تا ۵۳۵ میں بھی شامل کیا گیا ہے۔

یہ مہا بھارت کا واقعہ ہے جو گوکل ناتھ کے "ہندی" متن سے لیا گیا ہے اصل متن گارسین دتاسی کی کتاب "منتخبات ہندوی برائے طلباء مدرسۃ السنہ شرقیہ میں صفحہ ۱۱۲، مابعد میں ملے گا۔

شکنتلا کے متعدد ترجمے نہ صرف فرانسیسی، انگریزی، جرمن اور دیگر یورپی زبانوں میں ہوئے بلکہ مشرقی زبانوں میں بھی ابتک ہو رہے ہیں خصوصاً ہندوستان کی مختلف زبانوں میں اس کا ایک فرانسیسی ترجمہ موسیو شیزی نے La reconnaissance de Sacontanla کے نام سے کیا تھا۔ دتاسی کو یہ پسند نہ آیا۔ اس لیے اس نے مناسب خیال کیا کہ گوکل ناتھ کے متن کی اساس پر خود اس کا دوبارہ ترجمہ کرے چاہے کسی قدر اختصار کے ساتھ ہی کیوں نہ ہو۔ دتاسی گوکل ناتھ کے متن کو عمدہ قرار دیتا ہے اور ساتھ ہی اعتراف کرتا ہے کہ اصل میں بعض عبارتیں اتنی مبہم ہیں کہ مترجمین اور شارحین کی کوششوں کے باوجود واضح نہیں ہوسکیں۔ ترجمے میں کچھ حاشیے بھی بڑھائے گئے ہیں۔

● "کل یُگ" یعنی لوہے کے زمانے کا نقشہ ۔ مؤلف وشنو داس ۔ ہندی سے ترجمہ ۔
اس مضمون میں ژورنال ازیاتک مئی جون ۱۸۵۲ء صفحہ ۵۵۱ تا ۵۶۱ میں شائع ہوا۔ گارسین دتاسی فرانسیسی ناظرین کو ایک ہندی نظم سے واقف کراتا ہے ۔ اس نظم کا متن اس نے پہلے اپنی کتاب "انتخاب ہندوی" میں شائع کیا تھا۔ ترجمہ کے ساتھ حاشیے اور ایک تمہید بھی ہے تاکہ قاری کو اس نظم اور اس کے صوفیانہ مفہوم سے واقف کرایا جائے ۔
ہندوستانی فلسفہ کے مطابق انسان کی قسمت میں متعدد ادوار سے گزرنا ہے ، چنانچہ کل یُگ میں انسان کو جہالت کے باعث مصیبتیں اٹھانی پڑیں گی لوگوں کا برتاؤ افسوسناک ہوگا ۔ اور خود پجاری بھی اپنے فرائض انجام نہیں دیں گے ۔ مختصر یہ کہ کل یُگ میں کسی بھلائی کی توقع نہ ہوگی ۔

یہ مضمون رسالہ انال دمیوز ے گیمے جلد ۱ صفحہ ۷۷ تا ۸۴ میں دتاسی کے انتقال کے بعد شائع ہوا ۔ رسالہ ژورنال ازیاتک بابت جولائی ۱۸۸۱ء صفحہ ۲۷ پر بعد ازاں چھپا۔

عربی سے تراجم :

● "پرندے اور پھول" اخلاقی تمثیلیں (کشف الاسرار عن حکم الطیور والازہار) مولفہٗ عزیز الدین المقدسی ۔
اس تمثیل میں ۲۶۸ صفحات ہیں۔ ترجمے کے ساتھ گارسین دتاسی نے جو معلومات دی ہیں اس کے مطابق مؤلف کی وفات ۱۲ فروری ۱۲۸۰ء کو ایک حادثہ میں ہوئی ۔ زیادہ معلومات نہیں ملتیں ۔ بجز اس کے کہ اس کے باپ کا نام عبدالسلام تھا۔
بروکل مان نے اپنی جرمن تصنیف میں تاریخ ادبیات عربی جلد ۱ صفحہ ۵۸۷ میں بیان کیا کہ اس کا نام عزیز الدین عبدالسلام ابن غانم المقدسی الواعظ تھا ۔ وفات کے متعلق بروکل مان نے ۱۲۷۹ھ ذکر کر کے علامت سوال لگائی ہے ۔ اس مؤلف کے مطابق کتاب کا پورا نام "کشف الاسرار عن حکم الطیور والازہار" ہے ۔ اور وہ بیان کرتا ہے کہ اس کے بہت سے مخطوطے ملتے ہیں اور یہ کہ وہ قاہرہ میں کئی بار چھپ چکی ہے ۔ اور اس کے خیال میں دتاسی کے ترجمے کے علاوہ اس کا فارسی ترجمہ بھی ہے جس کا قلمی نسخہ استنبول میں کتب خانہ ولی الدین میں ہے

ذناسی نے اپنے ایڈیشن اور ترجمہ کے لیے اس کتاب کے چار مخطوطے فراہم کئے تھے اس کا ترجمہ اصل کے مطابق تو ہے لیکن لفظی نہیں. ترجمہ کے آخر میں اس نے کچھ توضیحی نوٹ بھی بڑھائے ہیں یہ ظاہر ہے کہ لفظی ترجمہ کسی فرانسیسی ناظر کے لیے تقریباً ناقابل فہم ہوگا. کتاب کا مؤلف کبھی کسی پھول سے یا کبھی پرندے یا جانور سے کچھ کہلواتا ہے اور ایسا ہر بیان سوچ بچار کے لیے مواد مہیا کرتا ہے. ہماری رائے میں ترجمہ کچھ بہت اچھا نہیں ہے. مثال کے طور پر صفحہ ۳۲ پر نویں تمثیل میں یاسمن کا پھول کہتا ہے کہ " عاشق مجھ کو اس لیے انتخاب کرتے ہیں کہ اپنی محبوبہ کو بطور تحفہ پیش کریں" لیکن اصل عربی میں اس طرح لکھا ہے. " والتردد الی الاحباب حیناً بعد حین" جس کے معنی " میں وقت بہ وقت دوستوں کی ملاقات کے لیے جاتا ہوں"؛ اسی طرح صفحہ ۴۸ پر سولھویں تمثیل میں باز کہتا ہے کہ " شکار کے احاطہ کے اندر سے " اصل عربی الفاظ مختلف ہیں " ھوفی میدان البراز"[1] یعنی اس وقت جبکہ وہ میدانِ جنگ میں موجود تھا. یہ ترجمہ ۱۸۲۱ء میں شائع ہوا. یعنی ذناسی کی علمی زندگی کے آغاز میں یہ متن عربی میں موجود تھا. اور ذناسی کو عربی زبان سے اُردو کے مقابلے میں واقفیت کم تھی اس لیے ترجمہ میں غلطیاں غیر متوقع بھی نہیں.

ذناسی نے پوری کوشش کی ہے کہ متن کی دشواریوں کو واضح کرے چنانچہ ۱۲۵ صفحے کے ترجمے کے لیے ان سے زیادہ صفحوں میں نوٹ دیئے گئے ہیں. متن میں قرآن کی آیت ہو تو مکمل حوالہ دیتا ہے کہ کس سورۃ اور کس آیت سے لیا گیا ہے اور بعض وقت وہ دیگر مؤلفوں کی مماثل عبارتیں بھی نقل کرتا ہے. وہ بعض یونانی، لاطینی اور عبرانی مؤلفوں کا بھی حوالہ دیتا ہے وغیرہ ..... اور اگر کبھی پھول پودے یا کسی اور چیز کا نام دیتا ہو تو وہ اس پر طویل بحث کرتا ہے. مثلاً صفحہ ۱۴۴ تا ۱۴۷ میں "بان" نامی عربی پودے کا ترجمہ کرنے کے لیے ۵ صفحے لیے ہیں حالانکہ Saul d'Egypt کافی ہوتا. اسی طرح صفحہ ۱۵۱ ترجمہ طلب عبارت کیساتھ وہ انگریزی یا لاطینی مؤلفوں کے بھی حوالے دیتا ہے.

شیزی نے اس کتاب پر ژورنال دساواں بابت ماہ اگست ۱۸۲۱ء صفحہ ۴۹۵ تا ۵۰۳

---

[1] ژورنال دساواں اگست ۱۸۲۱ء صفحہ ۴۹۵

میں ایک طویل تبصرہ کیا ہے اور اس کا عنوان "کشف الاسرار عن حکم الطیور والازہار" یعنی پرندے اور پھول رکھا۔ وہ لکھتا ہے " ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت نے مشرق کے لوگوں کو ہی خاص طور پر یہ ملکہ عطا کرنے کی مسرت کہ خیال آرائی کے ختم نہ ہونے والے خزانے وافر مقدار میں دیئے"[1]

مقدسی تیرہویں صدی عیسوی کا عرب مؤلف جس کی کتاب میں ایک دلچسپ دیباچہ بھی ہے اور مسجع اور مقفیٰ نثر میں ۳۷ تمثیلیں دی ہیں[2] تسیزی پندرہویں تمثیل عربی اور فرانسیسی میں نقل کرکے کہتا ہے " تاکہ ناظر کو اندازہ ہو کہ کتاب میں کیا چیزیں ہیں اور دتاسی کا کیا اسلوب ہے؛ ہماری رائے میں اس اسلوب میں روانی بھی ہے اور حسن بھی پایا جاتا ہے"[3] حاشیے جو کوے کی تمثیل کے متعلق ہیں ..... پھر بھی پہلو ملتا ہے اور میں یہ مسرت حاصل کرنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ اس کو نقل کروں ..... یہ ایک ایسا سوال ہے جو بزرگ مہر نے دیا ہے ..... جو نوشیرواں کا ممتاز وزیر تھا لیکن جو حد سے زیادہ بھولا بھالا ہے ..... کسی شخص نے اس ممتاز شخص سے دریافت کیا تھا کہ وہ اپنے اس بلند درجے پر کس طرح پہونچا؛ وہ کہتا ہے کہ کوے کی محنت کی طرح محنت کرتے ہوئے۔ سور کے حرص کی طرح حرص رکھتے ہوئے اور کتے کی خوشامد کی طرح خوشامد کرتے ہوئے۔ اس فرانسیسی عبارت کا اصل عربی متن ہے"[4] بکبود ککبور الغراب وحرص کحرص الخنزیر و تملق کتملق الکلب۔ یہ ترجمہ جزواً صحیح ہے کیونکہ جس عربی لفظ کا ترجمہ محنت پسندی دیا گیا ہے اس کے معنی صبح خیزی کے ہیں اور وزیر کہنا چاہتا ہے کہ میں سویرے اٹھتا ہوں جیسے کوا بیدار ہوتا ہے اور اس نصیحت کی دانش مندی کسی سے مخفی نہیں۔

تسیزی مزید برآں لکھتا ہے " بان .... کے متعلق ابتک خیال کیا جاتا رہا کہ وہ بیرو بالینے ہے۔ لیکن ایسا نہیں وہ 'مصری سول' ہے اور دتاسی نے اپنی رائے کی

---

[1] ژورنال دساواں اگست ۱۸۲۱ء صفحہ ۴۹۵
[2] " " " ۴۹۷
[3] " " " ۴۹۸
[4] " " " ۵۰۲

تائید میں جو دلیلیں دی ہیں وہ برحق نظر آتی ہیں[1]۔ اسی طرح "ضب" (یعنی گوہ) کا لفظ عربی میں یونانی سے نہیں آیا بلکہ برعکس ہے۔ چنانچہ شیزی لکھتا ہے "اس سے زیادہ قرین قیاس ہے کہ یونانیوں نے یہ نام کسی سامی زبان سے مستعار لیا ہو"[2]۔

آخر میں شیزی لکھتا ہے "ہم یہ اضافہ کریں گے کہ ذ ناسی نے اپنی علمی کوششوں کے اس اولین ثمر کو بھی ممتاز سلوستر دساسی کے نام معنون کیا اور اس کو اس بات کا شرف بخشا گیا کہ اسے فرانس کے بادشاہ کے حضور میں پیش کیا جائے۔ جو ازراہ کرم اس بات سے خاص دلچسپی رکھتے ہیں کہ ان کی نظرِ عنایت ساری رعایا پر ہو جیا ہے وہ علم کے کسی شعبے ہی میں کیوں نہ مشغول ہوں، اور کامیابی حاصل کریں"[3]۔

۱۔ "مقامہ مراغہ" عربی کتاب۔ مقاماتِ حریری سے ترجمہ۔ ژورنال ازیاتک ۱۸۲۲ء جلد اوّل صفحہ ۲۹۲ تا ۲۹۹

۲۔ "سونے کا سکہ" عربی کتاب۔ مقاماتِ حریری سے ترجمہ۔ ژورنال ازیاتک جلد ۳ ۱۸۲۳ء صفحہ ۲۰۵ تا ۲۰۸۔

۳۔ "کارواں" مقاماتِ حریری سے ترجمہ۔ ژورنال ازیاتک جلد ۵ ۱۸۲۴ء صفحہ ۹۸ تا ۱۰۵۔

حریری کی کتاب جس کا نام مقامات ہے عربی زبان کی مشہور ترین تصانیف میں سے ہے اس کی مسجع اور مقفیٰ عبارت۔ ترجمہ کرنے والوں کے لیے مشکل ترین امر تھا۔ اس کتاب میں ۵۰ علیحدہ علیحدہ مضمون ہیں۔ اور اس کتاب میں ایک بڑے فاضل مگر مفلس شخص کی کہانی ہے جو تلاش معاش میں ایشیا اور افریقہ کے مختلف شہروں میں بھیس بدل کر جاتا ہے تاکہ کوئی اسے پہچان نہ سکے۔

---

[1] ژورنال دساواں اگست ۱۸۲۱ء صفحہ ۵۰۲

[2] " " صفحہ ۵۰۲ تا ۵۰۳

[3] " " صفحہ ۵۰۳

یہ کتاب کئی بار طبع ہوئی ہے ۔ کلکتہ میں ۱۸۱۴ء میں اسی طرح قاہرہ لکھنؤ اور پیرس وغیرہ میں بھی ۔ اس کے ترجمے عبرانی فارسی اور ترکی کے علاوہ متعدد یورپی زبانوں میں بھی ہوئے ہیں ۔ اس کے متعلق مزید تفصیلات بروکلمان کی تاریخ ادبیات عربی جلد اول اشاعت دوم صفحہ ۳۲۵ تا ۳۲۹ اور ضمیمہ جلد اوّل ۴۸۶ تا ۴۸۹ میں ملیں گی ۔

جس زمانے میں زناسی نے یہ مضمون شائع کیا اس وقت تک کوئی اور فرانسیسی ترجمہ شائع نہیں ہوا تھا اور اصل عربی کتاب کا مشہور و معروف ایڈیشن سلوسٹر دساسی نے ۱۸۲۲ء میں شائع کیا مگر وہ ابھی مطبع ہی میں تھا اگرچہ کوسین دپرسوال نے اس کا ۱۸۱۹ء میں معمولی ایڈیشن شائع کر دیا تھا ۔

● "مقامہ مراغہ" اصل کتاب میں چھٹا مقامہ ہے اور اسے "مقامۃ الخیفہ" کا بھی نام دیا جاتا ہے ۔ اس لفظ کا ترجمہ مختلف چیزیں کیا جا سکتا ہے ۔ پیرس کے مدرسہ السنۂ شرقیہ میں "مقامات" کا وہ شائع کردہ نسخہ موجود ہے ، جو سلوسٹر دساسی کی اپنی ملکیت تھا اور اس پر نظر آتا ہے کہ اپنے ہاتھ سے بہت سی تصحیح کی ہیں اور اس حصے پر بھی جس کا گارسین زناسی نے ترجمہ شائع کیا تھا ۔ اگر سلوسٹر دساسی کا مشہور و معروف ایڈیشن اس بات کا متقاضی تھا کہ اس میں تصحیح کی جائیں تو زناسی سے یہ توقع نہیں کی جانی چاہیئے کہ سلوسٹر دساسی کے مقابلے میں عربی کم جاننے کے باوجود وہ عربی سمجھنے میں غلطیاں نہ کرے اس کے علاوہ جیسا کہ ہم کئی بار بیان کر چکے ہیں کہ زناسی کی کوشش یہ ہوتی تھی کہ اس کی تالیف قابل فہم ہو محض لفظی ترجمہ نہ ہو ۔ مثلاً وہ لکھتا ہے "جن لوگوں کے ہاتھ میں فصاحت کی باگ ہے وہ قدماء کے محض خادم تھے"[1] اصل عبارت کا لفظی ترجمہ یوں ہو گا "حقیقت میں زمانۂ حال کا ممتاز ترین اہل قلم بھی جو فصاحت کی باگیں حقارت کے ساتھ اپنے ہاتھ میں رکھتا ہے ، قدماء سے آزاد نہیں ہو سکتا ، چاہے وہ صحبان وائل کی طرح فصاحت و بلاغت کا مالک ہی کیوں نہ ہو" (صحبان وائل کی فصاحت و بلاغت عربی میں ضرب المثل ہے)

---

[1] ژورنال از یاتک صفحے ۲۹۳ تا ۲۹۴ ۱۸۲۲ء

- "سونے کا سکّہ" ذناسی نے ترجمہ کر کے ۱۸۲۳ء میں شائع کیا وہ اصل عربی میں تیسرا مقامہ ہے۔ اپنے مضمون کے صفحہ ۲۰۵ پر ایک نوٹ میں وہ بیان کرتا ہے کہ اس مقامہ کا دوسرا نام "فیلہ" بھی ہے اور کئی مخطوطوں میں اس کا عنوان "سونے کے سکّے کا مقامہ" بھی ہے۔ سلوسٹر دساسی کے عربی ایڈیشن میں اس کا نام مقامہ قیلہ ہے نیز مقامہ دینار یہ دونوں دیئے گئے ہیں اس میں دنیا کی تعریف اور تحقیر بیان ہوئی ہے۔

ذناسی اپنے مضمون کے آغاز میں ایک نوٹ میں بیان کرتا ہے کہ "مجھے یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اصل کتاب میں ایک لمبا خطبہ ہے۔ جس میں الفاظ سے کھیلا گیا ہے اور ایسے استعارے استعمال ہوئے ہیں جن کا ترجمہ ناممکن ہے"[1]

اس مضمون میں ہمیں یہ بھی نظر آتا ہے کہ مترجم نے متعدد عبارتوں کو حذف کر دیا ہے تاکہ ترجمہ قابلِ فہم ہو سکے۔

- "کارواں" مقاماتِ حریری میں بارھواں مقامہ ہے اور وہاں اس کا نام کاروان نہیں "مقامہ دمشقیہ" ہے۔ اوپر دو مقاموں کے متعلق ہم نے جو رائے دی ہے اس کا اس تیسرے پر بھی اطلاق ہوتا ہے اور یہاں آخر میں اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ ذناسی نے بعض وقت کچھ متوازی نوٹ دیئے ہیں۔ جو فارسی، لاطینی وغیرہ دیگر ادبیات سے لئے گئے ہیں۔ مثلاً صفحہ ۱۰۳ پر اس نے ہورَیس کی چند لاطینی بیتیں نقل کی ہیں اور ان میں بھی وہی باتیں بیان کی گئی ہیں جو اصل عربی میں ہیں۔

فارسی سے تراجم

- "صنعان کی زندگی کا ایک واقعہ" (فریدالدین عطار کی فارسی کتاب منطق الطیر سے ماخوذ)

مطبوعہ ریویو دلوریاں سلسلۂ جدید جلد دوم ۱۸۵۵ء صفحہ ۳۶۲ تا ۳۶۷

گارسین ذناسی نے منطق الطیر ۱۸۵۷ء میں ایڈٹ کر کے چھاپی۔ یہ مضمون عوام میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے بطور تمہید شائع ہوا۔ اس میں ایک صوفیانہ قصّہ ہے اور عطار نے چاہا ہے کہ تصوّف کے مبتدی اس سے فائدہ اٹھائیں۔ قصّہ کا ہیرو صنعان ایک متقی شخص اور قرآن کا

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۲۳ء صفحہ ۲۰۵

حافظ تھا اور اکثر حج کے لئے مکّہ جایا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے مکّہ میں خواب میں دیکھا کہ وہ رومیوں یعنی بازنطینیوں کے ملک میں گیا ہوا ہے۔ اس کے بعد وہ چار سو مریدوں کے ساتھ رومی علاقہ کو جاتا ہے۔ پہنچنے پر اسے وہاں ایک حسین عیسائی لڑکی نظر آتی ہے وہ عاشق ہو جاتا ہے اور ہر چیز جو وہ چاہے کرنے کے لئے تیار ہے۔ شراب پی کر مدہوشی کے عالم میں بتوں کے سامنے سجدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید کے ایک نسخے کو جلا دیتا ہے اور اسلام سے انحراف اختیار کرتا ہے۔ مکّہ میں اس کا ایک گہرا دوست تھا جو اس کی تلاش میں آتا ہے اور اسے اپنی غلطیوں سے توبہ کرنے پر آمادہ کر لیتا ہے۔ دوبارہ مسلمان ہونے کے بعد صنعان مکّہ واپس جاتا ہے۔ اب اس نوجوان لڑکی کی باری ہے جو خواب دیکھتی ہے اور اپنے محبوب کی تلاش میں نکل جاتی ہے اور اسلام قبول کر کے اپنے شوہر کو دوبارہ پا لیتی ہے[1]

دتاسی نے عطار کی کتاب ایڈٹ کی جس کا مخطوطہ انڈلس پارک میں مقیم این بلان کے کتب خانے سے دستیاب ہوا تھا۔ اور اس مخطوطے میں نوجوان لڑکی کی تصویر بھی تھی۔

● "منطق الطیر" فریدالدین عطار کی نیم مذہبی اور نیم فلسفیانہ نظم ہے۔ دتاسی نے اس عنوان سے ۱۸۵۷ء میں تصوّف کی اس مشہور کتاب کا فارسی متن شائع کیا۔ اس میں ۱۸۴ صفحے ہیں اور ۴۶، ۴۷ اشعار ہیں۔ اپنا فرانسیسی ترجمہ ۱۸۶۳ء میں شائع کرنے سے پہلے دتاسی نے ایک چھوٹا سا مضمون شائع کیا "ایرانیوں کے یہاں فلسفیانہ اور مذہبی شاعری" یہ پہلے ریویو کونتا پورین جلد ۲۴ شمارہ ۹۳ ۱۸۵۶ء صفحہ ۸۶ تا ۱۱۴ میں شائع ہوا پھر ایک مستقل کتاب کی صورت میں بھی چھپا۔ اس کا تیسرا ایڈیشن ۱۸۶۰ء میں نکلا جس میں تصحیحیں اور اضافے بھی کئے گئے ہیں۔

اس مضمون میں دتاسی کتاب کا تفصیلی تجزیہ پیش کرتا ہے تاکہ لوگوں کو اس ترجمہ کا کچھ پیشگی اندازہ ہو سکے جو وہ شائع کرنا چاہتا ہے۔ وہ لکھتا ہے کہ پرندے ایک جمہوریت میں رہتے تھے۔ پھر ضرورت محسوس ہوئی کہ بادشاہ کا انتخاب کریں۔ ایک ہندوستانی مثل ہے کہ ملک ہو اور بادشاہ

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۲۳ء صفحہ ۲۰۵

نہ ہو تو ایک رات کی طرح ہے جس میں چاند کی روشنی نہ پائی جائے یا با عفت عورت کی طرح ہے جس کا کوئی شوہر نہ ہو۔ یہودیوں اور مسلمانوں دونوں کے یہاں ہُدہُد حضرت سلیمان کا سفر سبا میں رہبر تھا۔ اور اسی لئے یہ پرندہ یہودیوں کے بادشاہ حضرت سلیمان سے عمدہ واقفیت کی بنا پر ہر دوسرے پرندے کے مقابلے میں ان صفات سے واقف تھا جو ایک اچھے بادشاہ میں ہونی چاہیئے۔ چنانچہ ہدہد نے دیگر پرند کے سامنے تجویز پیش کی کہ وہ سیمرغ کو اپنا بادشاہ بنائیں۔ یہ عجیب و غریب پرندہ کوہِ قاف میں رہتا ہے اور ہدہد اس کی قابلیت کی تعریف کرتا ہے۔ پرندے سیمرغ کو بادشاہ بنانے کے لئے تیار ہو گئے لیکن اس کے یہاں جاکر تلاش کرنے میں جو لمبا اور پُرخطر سفر درکار تھا اس سے وہ گھبرا گئے۔ چنانچہ پرندوں میں یکے بعد دیگرے اپنا اعتراض یا عذر پیش کرتے ہیں لیکن ہدہد ان سب کی تردید کرتا ہے۔ جو اسباب پرندے پیش کرتے ہیں وہی ہیں جو دنیا دار لوگ انجیل کی نصیحتوں کے خلاف پیش کرتے ہیں۔ بعض پرندے جو روحانیت سے لگاؤ رکھتے تھے وہ کوئی اعتراض نہیں کرتے اور وہ اس پر اکتفا کرتے ہیں کہ ہدہد انھیں بتائے کہ انھیں کیا کرنا چاہیئے۔ سارے پرندے بالآخر طے کرتے ہیں کہ سفر پر روانہ ہوں مگر اکثر راستے میں بھوک پیاس اور تھکن سے مرجاتے ہیں۔ آخر کو تکالیف سہتے اور سات پُراسرار وادیوں سے گزرنے کے بعد وہ سیمرغ کے پاس پہونچتے ہیں۔ اور اس وقت ان کی تعداد صرف تیس تھی۔ لفظ سیمرغ (سی مرغ) کے معانی فارسی میں تیس پرندے ہیں اس طرح پرندے جو انسانوں کی تمثیل ہیں سیمرغ یعنی خدا کی ذات میں خدا کی یاد میں نظر آتے ہیں۔[۱]

ذناسی مزید برآں عطار کے تمثیلی قصّہ کے متعلق بیان کرتا ہے کہ اس میں بڑی عمدگی کے ساتھ اس ہولناک حقیقت کا ذکر کیا ہے جو چیدہ برگزیدہ لوگوں کو پیش آتی ہیں اس قصہ میں مذکورہ حقیقت کو فصاحت و بلاغت کے ساتھ بیان کیا گیا ہے[۲] یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس کتاب میں جو تجزیہ اور خلاصہ پیش کیا گیا وہ اس ترجمہ پر مبنی ہے جو ذناسی تیار کر رہا تھا۔

نتیجہ میں ذناسی نے اصل فارسی متن کے کسی جملے کا مفہوم صحیح نہ سمجھا اور اس غلط ترجمہ کی

۱؎ ایرانیوں کے یہاں فلسفیانہ اور مذہبی شاعری ۱۸۶۰ء صفحہ ۱۲

۲؎ ایضاً صفحہ ۶۸

اساس پر جو رائے قائم کی ، وہ بھی صحیح نہیں ہو سکتی۔ ایسی ایک مثال دی جاتی ہے کہ دتاسی نے ص۲۵ پر اس تجزیہ کے سلسلے میں لکھا ہے کہ "حضرت علیؓ کو خدا کی ویسی ہی واقفیت تھی جیسی کہ ہونی چاہیئے میں کہہ سکتا ہوں کہ حضرت علی خدا کی ذات کا جزو ہیں" یہاں اصل میں وہ حدیث ہے جو کتاب کی اشاعت کے وقت حسب ذیل الفاظ میں بطور ترجمہ دی گئی ہے۔ حضرت محمد کے ایک قول کے مطابق حضرت علی کو خدا کی ذات کی معرفت حاصل تھی بلکہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ اسی کا جزو تھے"

جیسا کہ بیان کیا گیا پیرس میں فارسی متن ۱۸۵۷ء میں شائع ہوا لیکن وہ قلمی نسخے دستیاب نہیں ہوئے جو دتاسی کے پاس تھے۔ جن سے اندازہ ہوتا ہے کہ دتاسی کا ایڈیشن ان سے کس قدر مطابق تھا اور اس کی کیا قدر و قیمت ہے؟ اسے اس طویل کام میں کتنی دشواریاں پیش آئیں؟ دیباچے کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ "جو لوگ میرا ترجمہ پڑھیں گے انھیں اندازہ ہوگا مجھے اس کی تیاری میں کتنی دشواریاں پیش آئیں اس کی حالت بھی اس شخص کی طرح ہوگی جو ساحل کے کنارے خراماں خراماں چل رہا ہو اور نہیں جانتا ہو کہ کشتی میں سواروں کو کن پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑا ہے یہ مفہوم ایک پرانی انگریزی نظم میں بھی ملتا ہے جو حافظ کے مشہور مصرعہ کا ترجمہ نظر آتا ہے یعنی کجا دانند حال ما سبکساران ساحل ہا

Little the man know

What we poor sea man undergo.

● "منطق الطیر" کا فرانسیسی ترجمہ ۳۶۴ صفحوں میں دتاسی نے پیرس میں ۱۸۶۳ء میں شائع کیا۔ اس کو فارسی زبان سے خصوصی تعلق نہ تھا۔ مزید برآں عطار کی تالیف دشوار ہے اور جس زمانہ میں دتاسی نے اس کتاب کے ترجمہ کی کوشش کی وہ مغرب میں مستشرقیت کے آغاز کا زمانہ ہے۔ ان تمام وجوہ سے اس بارہ میں ہمیں اعتراض میں شدت نہیں اختیار کرنی چاہیئے۔ پھر بھی اغلاط کی چند مثالیں ملاحظہ ہوں

بیت ۱

آفرین جاں آفریں پاک را

آں کہ جاں بخشد ایماں خاک را

ذناسی نے صفحہ ایک اس کا ترجمہ یوں کیا ہے۔ تعریف اس ذات کی جو جان کا مقدس خالق ہے اور جس نے حقیر زمین کو جان و ایمان عطا کیا۔ یہاں زمین کی جگہ خاک ترجمہ کرنا بہتر ہوگا کیونکہ عطار انسان سے بحث کر رہا ہے جو مسلمانوں کے عقائد کے مطابق مشت خاک سے پیدا کیا گیا تھا۔

بیت ۲؎ عرش را بر آب بنیاد او نہاد خاکیاں را عمر بر باد او نہاد

فرانسیسی ترجمہ صفحہ ۱ پر یوں ہے "جس نے پانیوں پر اپنے عرش کو رکھا" پھر اس نے حاشیہ دیا کہ یہاں عرش الٰہی کا ذکر ہے جو پانی کی سطح پر رکھا گیا اور جس کا ذکر بائبل کی کتاب پیدائش میں باب اول جملہ نمبر ۳ میں ہے۔ لیکن بائبل کے اس جملے میں لکھا ہے کہ "خدا پانیوں کے اوپر متحرک تھا" یہاں عرش کا ذکر نہیں۔ یہ خیال کرنا بہتر ہوگا کہ عطار نے قرآن مجید (سورہ ۱۱ آیت ۹) کی طرف اشارہ کیا ہے کہ "جبکہ اس کا عرش پانی پر تھا" عطار کے ذہن میں قرآن مجید کا بیان ہونا چاہیئے نہ کہ بائبل کا۔

بیت ۵؎ آسماں را بر زبردستی بداشت خاک را در غایت پستی بداشت

ترجمہ میں صفحہ ایک پر لکھتا ہے "اس نے آسمان کو زبردستی عطا کی اور زمین کو ماتحت بنایا" اصل میں یہاں زبردستی اور ماتحتی کا ذکر نہیں بلکہ اوپر اور نیچے ہونا بیان کیا گیا ہے یعنی آسمان اوپر ہے اور زمین نیچے ہے۔

بیت ۱۰؎ بحر را از تشنگی لب خشک کرد سنگ را یاقوت خوں را مشک کرد

اس کا ترجمہ صفحہ ایک پر یوں ہے "اس نے سمندر کو بالکل خشک کر دیا ہے حالانکہ فارسی متن میں لکھا ہے کہ "اس نے سمندر کے ہونٹوں کو پیاس کے باعث خشک کر دیا ہے"۔ غالباً مراد یہ ہے کہ سمندر کے پانی کی کثیر مقدار کے باوجود وہاں انسان پیاسا ہی رہتا ہے اور ایک قطرہ بھی پی نہیں سکتا۔

بیت ۲۴۸؎ صاحبِ معراج و صدرِ کائنات سایۂ حق خواجۂ خورشید ذات

صفحہ ۱۴ پر ترجمہ یوں ہے "خدا کا سایہ اور اس کی ذات کا سورج" اصل فارسی کا ترجمہ "حق یعنی خدا کا سایہ، ایک سردار جو اپنی ذات میں سورج کی طرح ہے" یہاں رسول اللہ کی طرف اشارہ ہے جن کو عطار نے سورج سے مشابہ قرار دیا ہے اور ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ وہ خدا کا سایہ ہیں۔

بیت ۴۴۶ مرتضیٰ و مجتبیٰ جفت بتول خواجۂ معصوم داماد رسول

ترجمہ صفحہ ۲۵ پر ہے حضرت علی کا ذکر کرتے ہوئے ذناسی نے ترجمہ ان الفاظ میں کیا ہے " کنواری کا شوہر باعفت پیغمبر کا داماد " صحیح ترجمہ یوں ہے کہ خدا کے محبوب ، خدا کے برگزیدہ ، بتول (یعنی حضرت فاطمہؓ) کے شوہر ، سردار جو گناہوں سے معصوم ہیں اور پیغمبر کے داماد ہیں ۔ ذناسی نے بتول کا جو ایک شخصی نام ہے ترجمہ کر کے کنواری لکھ دیا ہے (جو حضرت مریم کی طرف اشارہ ہو جائے گا ۔ لفظ بتول کے معنی عربی میں " ہر چیز سے کٹ کر خدا کا ہو جانا " ہیں ۔

بیت ۴۴۸ مقتدائے دین بہ استحقاق اوست مفتی مطلق علی الاطلاق اوست

ترجمہ صفحہ ۲۵ پر یوں ہے کہ وہ ایک رہبر دین ہے جو خوبیوں سے پُر ہے اور وہ اس کا قاضیٔ مطلق ہے " اس بیت کا ترجمہ یوں ہونا چاہیئے ۔ وہ دینی سردار ہے جس کا اسے کامل استحقاق حاصل ہے اور وہ بغیر کسی استثناء کے ان سب سے بڑا شخص ہے جس سے فتویٰ پوچھا جاتا ہے (کہ شریعت کا کیا حکم ہے)

بیت ۴۵۰ ہم ز افضالکم علی جاں آگہ است ہم علی مخصوص فی ذات اللہ است

ترجمہ صفحہ ۲۵ پر ذناسی لکھتا ہے کہ " علی کو اللہ کی ذات سے واقفیت حاصل ہے بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ اس کا جزو ہیں "

بیت ۴۵۱ ہر دو گر بردند حق را حق دراں منع واجب آمدی بر دیگراں

ترجمہ صفحہ ۲۶ پر ذناسی لکھتا ہے " اگر یہ دونوں بڑی شخصیتیں حق و صداقت کی شہادت قابل اعتماد لوگوں کے ذریعے دلاتے تو دوسرے لوگ اس سے روکتے " ترجمہ یوں ہونا چاہیئے اگر وہ دونوں حقدار سے حق چھین چکے تھے تو دوسروں پر واجب تھا کہ ان کو اس بات سے روکتے ۔

بیت ۵۰۵ چوں اویس ایں حرف بشنود از عمر گفت تو بگذار و فارغ درگذر

ترجمہ صـ ۲۸ پر ہے " جب اویس نے عمر کا یہ قول سنا تو کہا خلافت مجھے دیدے اور پریشانی سے نجات پالے " اس ترجمہ میں " مجھے دیدے " غلط ہے ۔ اسی طرح اس نے الف پر زبر دے کر اویس نے لکھا ہے ۔ صحیح تلفظ الف پر پیش ہے اور واؤ پر زبر ہے ۔

بیت منہ ۳۷۴ گفت روزی فرخ و مسعود بود روز عرض لشکر محمود بود

صفحہ ۲۱۰ پر ترجمہ یوں دیا ہے " کہتے ہیں کہ ایک روز فرخ اور مسعود نے محمود کی فوج کے پریڈ کا معائنہ کیا" یہاں فرخ اور مسعود دو آدمیوں کے نام نہیں بلکہ دن کی صفت ہیں ۔

یقیناً دتاسی سے اور بھی غلطیاں ہوئی ہیں (اور غلطی کون نہیں کرتا ؟) مگر اس کے یہاں جو چیز قابلِ ذکر ہے اور جو اس کے بہت سے ہم عصر ساتھیوں میں موجود نہ تھی کہ اسے اپنے موضوع سے ہمدردی ہوتی تو وہ اس کو سمجھنے کی پوری کوشش کرتا ۔

سوسیتے ازیاتک کی سالانہ رپورٹ میں ژورنال ازیاتک بابت جولائی ۱۸۶۳ء دتاسی کا بھی ذکر ہے چنانچہ ۸۸ تا ۸۹ پر اس کی منطق الطیر کی اشاعت اور کتاب کے خلاصہ کے بارے میں لکھا گیا ہے کہ مختلف پرندوں کی زبان سے صوفیانہ چیزیں بیان کی گئی ہیں ۔ دتاسی پر نہ کوئی تنقید کی گئی ہے نہ کسی قسم کا ریمارک ہے ۔

گارسین دتاسی نے ایک خط شائع کیا جو اسے ایک خاتون نے "منطق الطیر" کے متعلق لکھا تھا ۔ چنانچہ ریویو دلوریاں سلسلۂ جدید جلد ۴ صفحہ ۴۰ تا ۵۱ پر ایک لیڈی (Marquise Bl de S) کا خط چھپا ہے ۔

" جناب والا ! میں نے منطق الطیر کا دلچسپ ترجمہ جو آپ نے شائع کیا پڑھا ! اور میں چاہتی ہوں کہ فوراً آپ سے عرض کردوں کہ مجھے کتنی دلچسپی ہوئی ...... "

یہ ایک سمجھ دار عورت کا ردعمل ہے جو تعلیم یافتہ تھی اور جس نے ایک مشرقی کتاب کو پڑھ کر جو فلسفیانہ اور صوفیانہ ہے اپنے خیالات ظاہر کیے ۔

رسالہ ژورنال دساواں فروری ۱۸۶۳ء صفحہ ۱۳۵ پر جدید کتابوں کے عنوان سے منطق الطیر کے اس فرانسیسی ترجمہ کا ۱۷ سطروں میں ایک گمنام تبصرہ چھپا ہے جس میں کتاب کے مندرجات کا تجزیہ کیا گیا ہے ۔

● " عمر خیام پر ایک نوٹ " اس میں چند رباعیوں کا ترجمہ ہے جو ۱۸۵۷ء پیرس میں شاہی مطبع سے ۱۱ صفحوں میں چھپا ہے ۔

عمر خیام فلسفی و شاعر جو علم ہیئت اور ریاضیات کا بھی ماہر تھا ۔ وہ تقریباً ۱۰۴۰ء

میں نیشاپور میں پیدا ہوا اور صد سال کی عمر میں ۱۱۲۵ء میں فوت ہوا۔ دتاسی نے عمر خیام کے افکار کے دونوں پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے کہ "عمر خیام کے اشعار میں نہ صرف اس کے روحانی خیالات کا چربہ ملتا ہے کہ دین کی لفظی تقلید نہ کی جائے اور ظاہری عبادتوں کو انجام دیئے بغیر یہ شاعر صرف خدا سے لگاؤ رکھنا چاہتا ہے جو ہر چیز میں ہر جگہ موجود ہے۔ اس طرح وہ فلسفۂ ہمہ اوست میں ناخواستہ طور پر آجاتا ہے لیکن اگر اس کی رباعیات میں سے بعض کو لفظی معنوں میں لیا جائے تو وہ ملحد اور مادہ پرست ہے۔ اگرچہ اس کے بعض ہم مذہب اسے ولی سمجھتے ہیں لیکن دوسرے اس کو فاسق و فاجر شمار کرتے ہیں"[1]

اس چھوٹے سے مضمون کی اہمیت یہ ہے کہ دتاسی کو رباعیات عمر خیام کا ایک مخطوطہ آکسفورڈ کی بوڈلین لائبریری میں دستیاب ہوا تھا جو شیراز میں ۱۴۶۰ء میں لکھا گیا تھا اس میں کچھ ایسی رباعیات ہیں جو دیگر مخطوطوں میں نہیں ملتی ہیں۔ اس نے ایسی رباعیوں کو ترجمے کے ساتھ شامل کیا ہے۔

یہ امر قابل ذکر ہے کہ ۱۸۵۷ء کے اس قابل ذکر مضمون کے بعد عمر خیام کی رباعیات پر بہت سی عالمانہ کتابیں فرانس میں شائع ہوئی ہیں اور بعد میں جو مخطوطے دستیاب ہوئے اس کی اساس پر اس کے متعدد ڈی لکس ایڈیشن مع ترجمہ طبع ہوئے ہیں۔

● "سعدی کی اخلاقی نظم بوستاں" تجزیہ اور منتخبات
۲۴ صفحے مطبوعہ پیرس ۱۸۵۷ء

رسالہ ریویو اورینٹال امریکن میں ایک مضمون شائع کیا تاکہ علمی دنیا نیز عوام الناس کی توجہ سعدی جیسی شخصیت کی طرف منعطف ہو۔ اس نے بوستاں کے دو طویل اقتباسات ترجمہ کر کے شائع کئے (دیکھئے رسالہ مذکور جلد اول ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۵۹ تا ۲۷۸) سعدی تیرہویں صدی ایران کا مشہور مصنف و شاعر، عوام الناس اور اہل علم دونوں میں ہر دلعزیز ہے۔ اس کی دو کتابوں کا یورپ میں پہلی دفعہ ترجمہ ۱۸۵۰ء میں جرمن زبان میں مسٹر گراف نے دو جلدوں میں شائع کیا۔ اس کی

---

[1] عمر خیام پر ایک نوٹ مطبوعہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۶

سرپرستی جرمن انجمن مستشرقین نے کی جو ویانا میں چھپی اور جرمن ریاست زاکس کے بادشاہ کے نام معنون ہے۔

دتاسی تعارف میں لکھتا ہے کہ سعدی کی ولادت شیراز میں (جو ایران کا پرانا پایۂ تخت ہے) ۱۱۷۶ء میں ہوئی اور ۱۱۶ کی عمر میں تقریباً ۱۲۹۰ء میں وفات پائی۔ اس نے بہت سے سفر کئے۔ اس کا رجحان فلسفیانہ تھا۔ چنانچہ بوستاں کے دیباچے میں لکھتا ہے "میں نے دنیا کے بہت سے ملکوں کی سیاحت کی ہے ہر قسم کے لوگوں کے ساتھ رہا ہوں۔ دنیا کا کوئی کونہ ایسا نہیں جس سے میں نے فائدہ نہ اٹھایا ہو اور کسی فصل کی کٹائی سے کوئی خوشہ نہ لیا ہو۔"

"بوستاں میں چار ہزار اشعار ہیں جو دس ابواب میں منقسم ہیں۔ شروع میں ایک دعا اور ایک دیباچہ نظم میں ہے۔ آخری باب گویا کتاب کا خاتمہ ہے۔ باقی آٹھ بابوں میں کہانیوں کا ایک سلسلہ ہے جن سے مؤلف نہ صرف اخلاقی سبق دیتا ہے بلکہ اس میں صوفیوں کے متصوفانہ فلسفے کا بھی ذکر ہے۔ اور سعدی ہی نہیں عطار، رومی اور حافظ نے بھی اس قسم کے گیت گائے ہیں۔"[1]

● "نئی کتاب پندنامہ یا سعدی کی نصیحتیں"

گارسین دتاسی نے اس عنوان کے تحت مشہور سعدی شیرازی کی ایک کتاب کا فرانسیسی ترجمہ کر کے پہلی دفعہ ۱۸۲۲ء میں شائع کیا اور یہ اس کی کتاب "مذہب اسلام کا بیان" بہ شمول "پندنامہ" میں صفحہ ۱۰۵ تا ۱۲۴ ملتا ہے۔ یہ کتاب ایلیگوری میں بھی جو ۱۸۷۶ء میں شامل کی گئی ہے۔ اس میں دتاسی نے ایک انگریزی ترجمہ سے استفادہ کیا تھا۔ جیسا کہ خود اس نے بعض حاشیوں میں بیان کیا ہے۔ مثلاً میں نہیں سمجھتا کہ انگریزی ترجمہ **Who Encompasseth** مطابق اصل ہو۔"[2]

یہ آزاد ترجمہ ہے اور عام مفہوم ادا کرتا ہے۔ مثلاً دیباچے میں اصل کتاب کے الفاظ ہیں

---

[1] سعدی کی اخلاقی نظم بوستاں مطبوعہ ۱۸۵۹ء صفحہ ۷

[2] مسلمانوں کے مذہب کی تفصیل پیرس ۱۸۲۸ء صفحہ ۱۰۵ کا فٹ نوٹ۔

"مجھے معاف کر" اس کا ترجمہ دتاسی نے "ہماری حالت پر رحم کر" کیا ہے۔ اسی طرح اگر اصل میں ہے "تیرے سوا کوئی نہیں جو ہماری فریاد سنے" تو دتاسی کے ترجمے میں ہے "ہم تیرے سوا کسی سے فریاد نہیں کرتے"[1] بہر حال اسے دلچسپی سے پڑھا جا سکتا ہے۔ بعض وقت وہ دیگر مؤلفوں کی متوازی عبارتوں کا حوالہ بھی دیتا ہے مثلاً صفحہ ۱۱۲ پر اس نے سترہویں صدی کے فرانسیسی مصنف لافونتین کا ذکر کیا ہے۔

پند نامہ ایران اور ہندوستان نیز ہر اس ملک میں جہاں فارسی سیکھی جاتی ہے طلبا کی درسی کتاب وہی ہے۔

● "انوار سہیلی سے ماخوذ قصے"

دتاسی نے اپنی کتاب کی تفصیل کے آخر میں حسین واعظ کاشفی کی کتاب "انوار سہیلی" کے دو اقتباس دئے ہیں۔ پہلا سات صفحوں میں ہے اور کتاب کے صفحات ۱۵۱ تا ۱۵۷ میں آیا ہے اور عنوان ہے 'باز بردار'۔ انوار سہیلی کا جو ایڈیشن کلکتہ میں شائع ہوا اس میں صفحہ ۱۷۸ اور مابعد پر ہے۔

اصل سے مقابلہ کرنے پر نظر آیا کہ ترجمہ میں آزادی سے کام لیا گیا ہے کیونکہ دتاسی نے مناسب سمجھ کر نہ صرف ایسے چند جملے حذف کر دیئے جن کی تکرار ہے اور جو پرانے ایرانی اسلوب میں رائج رہے ہیں بلکہ اس نے چند اشعار بھی حذف کر دیئے ہیں۔ جن سے کتاب بھری ہے۔ ان اختصارات کے باعث فرانسیسی ناظر کے لئے زیادہ سے زیادہ سہل الفہم ہو جاتا ہے۔ مثلاً لفظ عفت کے معنی شرم و حیا کے کئے ہیں آب حیات کا ترجمہ ابدی زندگی کا پانی کیا ہے۔ آب حیات کے معنی ہوتے ہیں وہ پانی جس سے طویل زندگی حاصل ہوتی ہے لیکن دتاسی نے اس کا ترجمہ "دریائے وجود کا پانی" کیا ہے۔ جہاں تک عبارتوں کو صاف کرنے کا تعلق ہے ۱۵۱ صفحہ پر چند بیتوں کا ترجمہ یوں کیا ہے "اس کے چہرے پر آگ کی سی چمک ہے' اس کے رخسار چاندی کی موجوں کی طرح درخشاں ہیں۔ اس کی بھنویں کمان کی طرح اور اس کے غمزے تیروں کی مانند' ان کمان اور

---

[1] مسلمانوں کے مذہب کی تفصیل پیرس ۱۸۲۸ء صفحہ ۵۰ کا فٹ نوٹ

یتروں کی مدد سے ہزاروں دلوں کو غلام بنالیا ہے۔ اس کا لفظی ترجمہ یوں ہوگا، اس کا چہرہ آگ کی طرح، رخسار پانی کی طرح، جو چاند سورج سے زیادہ درخشاں ہیں۔ بھنوؤں کو کمان بنا کر پلک کو تیر بنا کر جب وہ تیر چلاتی ہے تو سیکڑوں دلوں کو اسیر کرلیتی ہے"۔ نشان زدہ جملہ ژناسی نے حذف کردیا ہے۔

اختصار کی ایک دوسری مثال حسب ذیل ہے۔ ژناسی لکھتا ہے:

"اس مرزبان (گورنر) کا ایک بلخی غلام تھا جو اس کے پاس بار برداری کا کام کرتا تھا۔ نہ اس میں کوئی اخلاق تھا اور نہ وہ کسی بات سے جھجکتا تھا اور وہ اپنے دل کے (جو مٹی سے بنا ہوا تھا) ماحول کو آزاد منشی اور فساد سے بچاتا ہے"۔ اصل کتاب میں لکھا ہے کہ اس مرزبان کے پاس ایک بلخی غلام تھا۔ جسے کسی بات سے شرم نہیں آتی تھی اور وہ حد سے زیادہ آزاد منش تھا۔ چنانچہ وہ اپنے آنکھ کے حدقہ (ڈولے) کو ہر چیز کے دیکھنے اور بھولنے کی اجازت دیتا تھا۔ وہ اس کی بھی کوشش نہیں کرتا تھا کہ اپنے خاکی سینے کو فحش و فساد کی ہوا سے صاف کرے۔ یہ غلام مرزبان کے یہاں باز بارداری کے کام پر مامور تھا۔ اور پرندوں کے شکار کے لئے انتخاب کیا گیا تھا"۔

صفحہ ۱۵۵ کے اختتام اور صفحہ ۱۵۶ کے آغاز پر ژناسی نے ایک بیت حذف کر دی جو اصل میں ہے اور جس کے معنی ہیں "بلا امتیاز نقصان پہونچانے کی کوشش نہ کرتا کہ بعد میں تجھے پچھتانا نہ پڑے"۔

اس نے بیان کیا ہے کہ اصل فارسی میں مرزبان کا یہ قصہ یوں شروع ہوتا ہے کہ دمنہ نے وہ چیزیں بیان کی ہیں جو اس قصے میں ہیں۔ ژناسی نے صرف اقتباسات دیئے ہیں اس طرح یہ قصہ اپنی جگہ مستقل چیز ہو گیا ہے تاکہ جن چیزوں کا وہ ترجمہ نہیں کرتا ان کی طرف اشارہ کرنے کی ضرورت نہ رہے۔

ژناسی نے جو دوسرا اقتباس دیا ہے اس کا عنوان ہے ریچھ اور باغبان۔ یہ پانچ صفحوں میں اور کتاب کے صفحہ ۱۵۹ تا ۱۶۳ میں آیا ہے۔ اس پر حاشیہ ہے کہ ریچھ اور باغبانی سے دلچسپی رکھنے کی کہانی جو لافونتین نے بھی لکھی ہے وہ اسی (فارسی) کہانی سے ماخوذ ہے"[1]

---

[1] ایلیگوری صفحہ ۱۵۹

جب اس اقتباس کو دتاسی نے دوبارہ شائع کرنا چاہا اور اسے اپنی کتاب " ایلیگوری" کے اندر شامل کیا تو ایک نوٹ میں بتایا کہ لافونیتین پر اس کا بڑا اثر پڑا تھا اور اس کا ملخص ترجمہ ہندوستانی زبان میں شکسپیئر کے منتخبات میں جلد اوّل صفحہ ۲۰ قصہ نمبر ۳۶ میں ملتا ہے "۔

● " حسین واعظ کاشفی کی کتاب اخلاق محسنی کا تعارف "۔

ایک مضمون جو ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۶۳ء میں صفحہ ۶۱ تا ۸۱ پر شائع ہوا ہے۔ اس مضمون کا آف پرنٹ جو دتاسی کی شخصی ملکیت میں تھا، مدرسۃ السنہ شرقیہ میں تا حال موجود ہے اور اس کا نمبر ۱۰۲۸ ہے۔ اس ذاتی نسخے میں مؤلف نے کچھ تصحیحیں کی ہیں اور کچھ اضافے بھی۔ تصحیحوں میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ مطبوعہ مضمون کے صفحہ ۶۹ پر نمبر ۱۵ " دشمنی " ہے۔ دتاسی نے لکھا ہے کہ دشمنی کی جگہ عدالت یعنی انصاف پڑھنا چاہیئے اور یہ بھی اضافہ کیا ہے کہ تصوّر میں بھی نہیں آتا کہ یہ طباعتی غلطی کیسے ہوئی "۔

اخلاق محسنی کے اولین مکمل ایڈیشن کی اشاعت سے بھی قبل دتاسی وہ پہلا شخص ہے جس نے اس کا مغرب سے تعارف کرایا۔ اس کے چند سال بعد ۱۸۵۰ء میں ریونڈ۔ ایچ۔ جی۔ کین نے اس کتاب کے پہلے پندرہ بابوں کا انگریزی ترجمہ ہرٹ فورڈ میں شائع کیا۔

دتاسی اولاً اخلاق محسنی کے بارے میں بتاتا ہے کہ یہ کتاب ۹۰۰ھ مطابق ۸۵-۱۴۸۴ء میں یعنی مصنف کی وفات سے دس سال پہلے تالیف ہوئی تھی۔ پھر دتاسی فارسی زبان کی ان چند کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو مماثل موضوع میں اور مشرق میں اخلاق محسنی ہی کی طرح اپنے موضوع میں معروف ہیں۔ اخلاق محسنی کا ایشیا کے کئی زبانوں میں ترجمہ ہوا ہے۔ جیسے عربی، ترکی اور ہندوستانی۔ ہندوستانی زبان میں فارسی اور سنسکرت کی اہم کتابوں کا اکثر نہایت عمدہ انداز میں ترجمہ ہوا ہے[1]

جیساکہ خود مؤلف نے بیان کیا ہے اخلاق محسنی ولی عہدوں کے لئے لکھی گئی اور دتاسی اس عظیم اختلاف کو نمایاں کرتا ہے جو اس کتاب اور مغربی ادبیات کی کتاب

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۳۴ء صفحہ ۶۴

"پرنس" مولفہ کا دیلی میں پایا جاتا ہے کیوں کہ حسین واعظ کاشفی کی اس کتاب کا مقصد یہ تھا کہ بادشاہوں کے کانوں میں اچھے اور شدید قسم کے اخلاق کا اثر پڑے اور انھیں مسلسل خدا اور عالم آخرت کی یاد دلائی جاتی رہے جو دو اساسی معتقدات ہیں[۱]

تمہید کا ترجمہ کرنے کے بعد جس میں مؤلف نے تالیف کا مقصد اور اس شخص کا ذکر کیا ہے جس کے لئے وہ لکھی گئی ہے۔ دتاسی نے اس حصے کا ترجمہ کیا ہے جہاں مصنف نے اپنی کتاب کا خاکہ دیا ہے۔ پھر دو باب سولھواں اور سترھواں ہے۔ پہلا باب رحم پر دوسرا لطف و مہربانی پر۔ اس میں کچھ حواشی بھی ہیں۔

ترجمہ کا اصل فارسی سے مقابلہ کرنے پر کچھ غلطیاں ملیں مثلاً صفحہ ۷۰ پر فرانسیسی ترجمہ میں ہے "اس سفارش پر خود بھی عمل کرنے کے لئے حضرت پیغمبر نے فتح مکہ کے دن شہر میں داخلہ کے وقت اپنی مہربانی سے ان قریش سرداروں کو جنھوں نے آپ کے ساتھ ہر طرح کی برائیاں کی تھیں مطمئن کر دیا" "مطمئن کر دیا" صحیح ترجمہ نہیں اصل میں ہے صناد ید قریش را..... آزاد کرد" جس کے معنی "قریش کے سرداروں کو چھوڑ دیا"۔

ترکی سے تراجم:

۱۔ "آبیدوس کی فتح کا تذکرہ"۔ سعد الدین کی تاج التواریخ سے ماخوذ اور ترکی سے ترجمہ۔ مطبوعہ ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۲۴ء صفحہ ۳۴۱ تا ۳۵۱

۲۔ شہر قسطنطنیہ کی توصیف Description سعد الدین کی تاج التواریخ سے ماخوذ اور اس ترکی مخطوطہ سے ترجمہ جو فرانس کے کتب خانۂ شاہی میں نمبر ۶۹ پر ہے۔ مطبوعہ ژورنال ازیاتک جولائی جنوری ۱۸۲۶ء صفحہ ۳۰۶ تا ۳۱۷۔

۳۔ جنگ وارنا کا تذکرہ۔ سعد الدین کی ترکی کتاب تاج التواریخ سے ماخوذ۔ ترکی سے ترجمہ۔ مطبوعہ ژورنال ازیاتک جلد ۸ جنوری ۱۸۲۶ء صفحہ ۳۴۰ تا ۳۵۴۔

---

[۱] ژورنال ازیاتک ۱۸۳۴ء صفحہ ۶۴

۴۔ محمد شاہ ثانی کے ہاتھوں قسطنطنیہ کی فتح کا تذکرہ ۔ سعد الدین کی تاج التواریخ سے ماخوذ ترکی سے ترجمہ ۔ مطبوعہ ژورنال ازیاٹک جلد ۸ جنوری ۱۸۲۶ء صفحہ ۳۴ تا ۳۵۔

۵۔ شہزادہ جم کے کارنامے ۔ سعد الدین کی ترکی تواریخ سے ترجمہ مطبوعہ ژورنال ازیاٹک جلد ۹ جولائی ۱۸۲۶ء صفحہ ۱۵۲ تا ۱۷۴۔

محمد سعد الدین حسن ترکی کے مشہور ترین مؤرخوں میں سے ایک ہے اور عام طور پر خواجہ آفندی کے نام سے مشہور ہے ۔ یہ سلطان مُراد اول کا اتالیق تھا ۔ وہ استنبول میں ۱۵۵۷ء میں فوت ہوا ۔ اسی نام کا ایک اور ترکی مورخ بھی ہے جو اس سے ایک صدی بعد گذرا ہے ۔ سعد الدین کی تاج التواریخ کو ترکی کے باہر بھی شہرت حاصل رہی ہے چنانچہ اس کا اطالوی ترجمہ "براتوتی دراگوزے" نے کیا ہے ۔

اس کے دیگر فرانسیسی ترجمے جن میں سے ایک الف لیلیٰ کے مشہور مترجم انتواں گالان کا رہین منت ہے ۔ اور دو جلدوں میں ہے ۔ یہ شائع نہیں ہوا اور بہت مشہور بھی نہیں ہے ۔ ایک اور ترجمہ بھی شائع نہیں ہوا ۔ جس میں اختصار عمل میں آیا ہے اور اس کا مترجم ژولسیاں گالاں ہے ۔ اور صرف چند اقتباسات پر مشتمل ہے ۔ جی ۔ جی ۔ ڈبلیو گب نے بھی چند اقتباسات کا انگریزی ترجمہ جو فتح قسطنطنیہ کے متعلق ہے ۱۸۷۹ء میں گلاسگو سے شائع کیا ۔ دتاسی نے پانچ ابواب کا ترجمہ کیا جس کی ابھی ہم نے فہرست دی ہے ۔ جنگ وارنا کے اقتباس پر جو تمہید ہے وہ ۱۸۳۶ء میں لکھی گئی[1] اس میں دتاسی لکھتا ہے " یہ اقتباس نیز فتح قسطنطنیہ اور شہزادہ جم کے کارنامے جو بعد میں آئیں گے ترکی مورخوں سے لئے گئے ہیں ۔ اور میں نے یہ موسیو میشو کو ان کی کتاب " تاریخِ حروبِ صلیبیہ " کی جلد چہارم میں داخل کرنے کے لئے مہیا کئے ہیں ۔ یہ کتاب تین سال پہلے طباعت کے لئے کمپوز ہو چکی ہے اور جیسے ہی موجودہ تاریک سیاسی فضا نے جدت پسند اور فاضل مؤلف کو اجازت دی کہ اس نفیس کتاب کی طباعت میں سرعت پیدا کرے دنیائے علم اس کا بے چینی سے انتظار کر رہی ہے "۔

---

[1] جنگ وارنا ۔ ژورنال ازیاٹک ۱۸۲۶ء صفحہ ۳۰۶

میشو کی کتاب بالآخر ۱۸۲۹ء میں شائع ہوئی۔ اور دناسی کے فراہم کردہ اقتباس اس کی جلد سوم میں شامل کیے گئے ہیں اور صفحہ ۴۴۴ تا ۴۸۱ میں آئے ہیں۔

● فتح قسطنطنیہ سے متعلقہ باب کی تمہید میں جو ژورنال ازیاتک ۱۸۲۶ء میں شائع ہوا دناسی لکھتا ہے " اس باب کا کسی قدر مختصر ترجمہ جوگالاں نے کیا اور جس کی نظرثانی موسیو آمیدے ژوبیرنے کی، موجود ہے۔ فرنچ اکیڈمی کے رکن موسیو داریو کی فرانسیسی کتاب " تاریخ ونیز" کی آٹھویں جلد کی تشکیل میں حصہ لیتا ہے اس میں ۱۹۲ صفحے ہیں جو دوسرے ایڈیشن سے متعلق ہیں[1]

جب ۱۸۷۶ء میں دناسی نے ایلیگوری شائع کی تو تاج التواریخ کے مذکورہ اقتباسات بھی اس میں شامل کیے گئے۔ (صفحہ ۵۹۹ تا ۶۳۹)

اصل ترکی کتاب اب سے ایک صدی قبل استنبول میں دو ضخیم جلدوں میں شائع ہوئی۔ جلد اوّل پر ۱۲۷۹ھ بطور تاریخ طباعت درج ہے۔ جلد دوم پر کوئی تاریخ نہیں ہے۔

دناسی کا پہلا اقتباس اصل کتاب جلد اوّل میں صفحہ ۳۲ تا ۳۴ پر ہے۔ ترجمہ کا اصل ترکی سے مقابلہ کرنے پر اندازہ ہوتا ہے کہ بعض جگہ دناسی نے بہت سی عبارتیں چھوڑ دی ہیں۔ مثلاً چند اشعار جن میں ترکی انداز میں مترادفات کی بھرمار ہے اسی طرح دناسی نے متن میں کچھ اضافے بھی کیے ہیں۔ مثلاً زیر ذکر اقتباس کی تمہید میں اس نے سیاق وسباق بتایا ہے تاکہ وہ ناظر بھی اس کو سمجھ سکیں جو تاج التواریخ کے سابقہ ابواب سے ناواقف ہوں۔

---

[1] خون ہامر نے بھی یہی چھوٹی سی غلطی اس خط میں بھی کی ہے جو گارسین دناسی کو لکھا اور جو ژورنال ازیاتک جلد ۵ ۱۸۳۴ء صفحہ ۲۳۸ تا ۲۴۰ پر شائع ہوا۔ خون ہامر بیان کرتا ہے کہ نہ صرف اس نے شہر آیدوس کے کھنڈر دیکھے ہیں جو شہر استنبول کے ایشیائی حصے سے چار گھنٹے کی مسافت پر واقع ہیں بلکہ وہ بعض جغرافیائی کتابوں کا بھی حوالہ دیتا ہے۔ مثلاً کتاب " جہاں نما" صفحہ ۶۶۳ نیز دیگر کتابیں۔ یہ امر قابل حیرت ہے کہ اس ترجمہ کو اپنی کتاب ایلیگوری میں دوبارہ شائع کرتے وقت گارسین دناسی نے اس غلطی کی اصلاح نہیں کی۔ شاید یہ سہواً ہوا ہو۔

- ذناسی نے آبیدوس کی فتح کا ذکر کرتا ہے۔ لیکن اصل ترکی میں نام آبدوس ہے۔
- دوسرے اقتباس کا نام ذناسی نے جنگ وارنا دیا ہے اور یہ اصل ترکی کتاب کی جلد اوّل صفحہ ۳۷۵ تا ۳۸۴ میں ہے۔ اس میں بھی ذناسی نے ان عبارتوں کو حذف کر دیا ہے جو اس کی رائے میں ترجمہ کے لیے غیر اہم تھیں۔ اصل ترکی میں اس کا عنوان "سلطان مراد کی وفات پر تخت شاہی میں خلا" ہے لیکن ذناسی کو وارنا سے دلچسپی ہے اس لیے اس نے باب کا عنوان بدل دیا ہے۔
- تیسرا اقتباس ترکی کتاب کی جلد اوّل میں ہے اور صفحہ ۴۱۹ تا ۴۲۹ پر ہے۔

چوتھا اقتباس اس کے بعد ہی ہے اور ترکی میں ۴۲۹ تا ۴۴۳ پر ہے۔ اس کتاب میں اسلوب کو بوجھل نہ بنانے کے لئے مترجم نے بہت سی عبارتیں حذف کر دی ہیں تاکہ فرانسیسی ناظر گھبرا نہ جائے۔

آخری یعنی پانچویں اقتباس کا تعلق شہزادہ جم کے کارناموں سے ہے[1] یہ اقتباس ہمیں ترکی کتاب کی جلد دوم میں صفحہ ۲ تا ۴۰ پر ملتا ہے۔ اصل کتاب میں اس کا عنوان "مبارک شاہ سلطان بایزید کی تخت نشینی" یہ باب طویل ہے۔ ذناسی نے اس کے اقتباسات ہی کا فرانسیسی ترجمہ کیا ہے۔

ترجمہ کا اسلوب تو بہت نفیس ہے لیکن ترجمہ چونکہ مکمل نہیں ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ ترجمہ کس حد تک مطابقِ اصل ہے اور ذناسی کی ترکی دانی کا کیا معیار ہے؟ کسی بڑی کتاب

---

[1] ژورنال ازیاتیک جلد ۶ ۱۸۳۵ء صفحہ ۲۵۵ تا ۲۵۶ میں گارسین ذناسی نے ایک خط شائع کیا۔ فون ہامر نے بھی شہزادہ جم کا ذکر کیا ہے۔ خاص کر اس کے پایۂ تخت سے باہر صوبجات کے قیام کے زمانے کے متعلق جو اس نے فون ہامر کے مضمون میں جو غلطیاں پائی جاتی ہیں ان کی تصحیح کی ہے۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ترکی لفظ "سوید لادد کاسی" کا ترجمہ ہامر نے شاہیزی کا گورنر کیا ہے۔ اور ذناسی بتاتا ہے کہ اس سے مراد "ڈیوک آف سوائے" ہے اور اس وقت جو ڈیوک تھا وہ "شارل" تھا۔ (۱۴۶۸ء میں پیدا ہوا اور ۱۴۸۹ء میں فوت ہوا) یہ فرانس کے بادشاہ لوئی یازدہم کے ماموں زاد بھائی کا بیٹا تھا۔ (دیکھیے ذناسی کے مضمون کا ۲۵۶)

جیسے ترکی کی تاج التواریخ کے پورے ترجمہ کے بجائے اس نے منتخب بابوں کا ترجمہ کیا بلکہ اِدھر اُدھر سے چند اقتباسات لیئے اور کسی جملے کے صرف چند الفاظ کا ترجمہ کر دیا اور شہر قسطنطنیہ کے مناظر کی تفصیل نظم و نثر سب کو ملا کر اصل کے چار صفحوں کا چار سطروں میں ترجمہ کیا ہے۔ بعض وقت تو ترجمہ کے ایک جملہ کا نصف حصّہ کسی نثری عبارت سے اور نصف حصہ نظم سے لیا گیا ہے۔ قسطنطنیہ کے فتح کے تذکرے میں نثر کی اصل میں ابتداً پندرہ اشعار ہیں زناسی ان میں سے صرف چار کا خلاصہ و مفہوم دیتا ہے۔ اس طرح جو عبارتیں نثر میں ہیں ان کا بھی کامل ترجمہ نہیں کیا گیا ہے۔

جہاں تک قسطنطنیہ کے حالات کا ذکر ہے اس میں نہ صرف وہ باب ہے جو ترکی میں اس عنوان کے تحت دیا گیا ہے بلکہ اس کے بعد کا ایک اور باب بھی جس کا عنوان " اس قلعہ اور پرانی عبادت گاہ کے بانیوں کے حالات " اصل ترکی میں آیا صوفیا گرجا کا جو تذکرہ ہے وہ ۴۴۷ تک جاتا ہے لیکن زناسی کا ترجمہ ۴۴۳ پر رُک جاتا ہے۔ جو صفحے زناسی نے چھوڑ دیئے ہیں ان میں آیا صوفیا کے متعلق قیمتی معلومات ہیں۔ بہ ظاہر جو معلومات ترکی اصل میں اس سلسلے میں دی گئی ہیں وہ ان چشم دید ترک گواہوں کے بیانات پر مبنی ہیں جنھوں نے قسطنطنیہ کی فتح میں حصّہ لیا تھا۔ کیونکہ اس میں اس کا ذکر ہے کہ آیا صوفیا گرجا کی آرائش و زیبائش میں کیا چیزیں استعمال کی گئی تھیں۔ یونانی ماخذ بھی اس سلسلے میں کافی معلومات مہیّا نہیں کرتے کہ ترکوں کے فتح قسطنطنیہ کے وقت عبادت گاہ آیا صوفیا کی کیا حالت تھی؟

اس چوتھے باب کے آخر میں زناسی نے ایک نوٹ کا اضافہ کیا۔ پیغمبر اسلام کی پیدائش کے وقت آیا صوفیا کے قبے (گنبد) کا داہنا حصّہ جھک گیا تھا اور یہ کہ مسلمان مورخوں کے مطابق "میڈیا کے شہر سا میں کھاری سمندر ہے وہ خشک ہو گیا تھا"[۱] لیکن یہ عراق کے "ساوہ" سے مراد ہے جیسا کہ ترکی متن کے اس جملے میں صراحت ہے۔ جس سے عین پہلے زناسی کا ترجمہ رُک گیا ہے۔ اور صبا جزیرہ نما عرب کے جنوب میں یمن کا مشہور شہر گزرا ہے۔

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ میشو نے اپنی کتاب میں زناسی کے فراہم کردہ جو اقتباسات

---

[۱] ایلیگوری صفحہ ۶۱۵

شائع کئے ہیں وہ ان عبارتوں سے طویل تر ہیں جو دتاسی نے زور نال از یاتک میں شائع کئے۔ چنانچہ ورنا کی لڑائی کے حالات بطور تمہید اور پس منظر کے اس عبارت کے شروع میں دیئے گئے ہیں جو ٹز کی کتاب کی جلد اوّل کے صفحہ ۴۱۶ تا ۴۱۹ کا ترجمہ ہیں۔ میشو کے یہاں جو عبارت چھپی ہے اس کے آخر میں ۴ صفحے ایسے ہیں جو زور نال از یاتک میں نہیں ہیں۔ یہ صفحے دتاسی کی کتاب ایلیگوری کے متعلقہ باب میں بھی نہیں ہیں۔

ایک اور بات جو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ زورنال از یاتک میں جو اقتباسات شائع ہوئے ہیں وہ مستشرقوں کے لئے تھے۔ اس لئے اس میں بعض وقت الفاظ عربی خط میں بھی دیئے گئے ہیں۔ میشو کی کتاب غیر مستشرق اہل علم کے لئے تھی اس لئے ضروری خیال کیا گیا کہ عربی خط کے الفاظ حذف کر دیئے جائیں۔ خود دتاسی نے اپنی کتاب ایلیگوری میں یہ عربی الفاظ نہیں رکھے۔

جہاں تک اضافہ شدہ ٹکڑوں کا تعلق ہے جو میشو کی کتاب میں ملتے ہیں ان میں دتاسی کے اسلوب اور اصول ترجمہ میں کوئی فرق نہیں ہوا ہے اسی لئے دیگر اقتباسات کے متعلق ہماری جو رائے ہے اس کا میشو کے ایڈیشن پر بھی اطلاق ہوتا ہے۔

انگریزی سے ترجمے :

"سر ولیم جونز کی فارسی گرامر"

- فرانسیسی ترجمہ کا دوسرا ایڈیشن بعد نظر ثانی، تصحیح اور اضافہ

مطبوعہ پیرس ۱۸۴۵ء ۱۲۹ صفحات

کلکتہ کی رایل ایشیاٹک سوسائٹی کا بانی سر ولیم جونز شرقیات کی تاریخ میں مشہور شخص گزرا ہے۔ اس کی چھوٹی سی فارسی گرامر جو ۱۷۷۲ء میں لندن میں چھپی تھی۔ بعد میں کئی بار شائع ہوئی۔ اس کی خامیوں کے باوجود یہ مفید سمجھا گیا کہ اس کا فرانسیسی ترجمہ کیا جائے اور انگریزی کتاب کے ناشر" بانتزاں میں دو پرا" کی خواہش پر دتاسی نے یہ کام انجام دیا۔ ولیم جونز چونکہ علم عروض میں کمزور تھا اس لئے دتاسی نے ضروری سمجھا کہ اس سے متعلق باب کو حذف کر دے اس بارے میں رینو کی رائے قابل ذکر ہے کہ " ولیم جونز نے ایشیائی شاعری پر ایک مستقل کتاب شائع کی تھی مگر وہ اس قابل نہ تھا کہ کسی ایک بیت کو صحیح وزن کے ساتھ پڑھ سکے

اس نے بعض نظموں کے اقتباسات دیئے ہیں اور ایک جدول میں ان کی بحریں بیان کی ہیں لیکن یہ جدول اس نے متعلقہ ملکوں کے شارحین کے بیان پر مبنی رکھی ہے بغیر اس کے وہ خود اس کو کچھ سمجھ سکے[۱]۔

اپنے دیباچہ میں ژناسی نے قدیم فارسی تلفظ کا ذکر کیا ہے کہ "میں ناظر کو متنبہ کرنا ضروری سمجھتا ہوں کہ جو تلفظ میں نے دیا ہے وہ کلاسیکل تلفظ ہے اور متعلقہ ملک کے گرامر اور اور لغت نویس اس ہی کا استعمال کرتے ہیں۔ اگر فارسی کا سنسکرت اور ژند زبانوں سے مقابلہ کریں اور ان زبانوں میں جو الفاظ ملتے ہیں ان کے مادہ پر غور کریں تو ہمارے بیان کی صحت کا ثبوت مل جائے گا اور فارسی الفاظ کا یہ ہی قدیم تلفظ ہندوستان میں وفادارانہ طور پر برقرار رکھا گیا ہے حالانکہ خود ایران میں عوام الناس کا تلفظ عام طور پر اُس وقت سے بدل گیا جب سے وہاں ترکی النسل خانوادے برسر اقتدار آئے اور دربار کی زبان وہاں ترکی ہو گئی تھی[۲]۔

اس فرانسیسی ترجمہ پر ایک تبصرہ شائع ہوا ہے چنانچہ دلیفرے مری نے ان پر ایک تنقید ژورنال ازیاتک نومبر ۱۸۴۵ء صفحہ ۴۱۴ تا ۴۲۲ میں شائع کی ہے جس میں ولیم جونز کی چند غلطیوں کا ذکر کر کے کہتا ہے کہ بے قاعدہ (irregular) افعال میں کچھ اضافوں کی ضرورت ہے۔

اس تنقید کا ژناسی نے جواب بطور خط کے ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۴۶ء صفحہ ۹۳ تا ۹۶ میں چھاپا ہے۔ وہ ان تنقیدوں میں سے یکے بعد دیگرے ہر ایک سے بحث کرتا ہے کہ وہ بے بنیاد ہیں مثلاً دلیفرے مری نے بتایا تھا کہ فارسی حرف "ی" کے مختلف تلفظ ہوتے ہیں۔ ژناسی کہتا ہے کہ چھوٹی سی کتاب میں اس کی ضرورت نہیں کہ اس قسم کی دقیق چیزوں کا ذکر کیا جائے جو مبتدی کو مدد دینے کی جگہ بھٹکا دیں گی اور پریشان کر دیں گی۔ جہاں تک قاعدہ

---

[۱] ژورنال ازیاتک نومبر ۱۸۴۵ء صفحہ ۴۲۴ میں یہ بیان نقل ہوا ہے اور حوالے میں لکھا ہے کہ وہ کتاب سلوستر ژناسی کے متعلق۔ تاریخی و ادبی حالات، دوسرا ایڈیشن صفحہ ۴۶ تا ۴۷

[۲] ولیم جونز کی گرامر کا فرانسیسی ترجمہ، مولفۂ ژناسی مطبوعہ ۱۸۴۵ء دیباچہ صفحہ ج

افعال کی فہرست میں بے فائدہ اضافہ کا تعلق ہے دتاسی کا یہی ردعمل ہے ۔ البتہ وہ بتاتا ہے کہ دلیفرتے مری کی چند تجویزیں بے بنیاد ہیں ۔ مزید برآں وہ لکھتا ہے کہ " میں ان مزعومہ غلطیوں کی جو علم عروض کے متعلق بیان کی گئی ہیں صحت کو قبول نہیں کرتا "[1]

---

[1] گارسین دتاسی کا خط اے۔ ایم۔ تژول کے نام جو ولیم جونز کی گرامر کے نئے ایڈیشن کے سلسلے میں شائع شدہ ایک مضمون کے متعلق ہے۔ مطبوعہ ژورنال ازیاٹک ۱۸۴۶ء صفحہ ۹۵۔

عمرانیات واسلامیات

عمرانیات

گارسین دتاسی کو علم نسلیات یا علم الاقوام (Ethnography) سے بڑی دلچسپی تھی ۔ وہ پیرس کی انجمن نسل نگاری کا نائب صدر تھا ۔ اس کے چند مضامین سے اس دلچسپی کا اندازہ ہوتا ہے ۔ ایسے سارے مضمونوں کو یہاں یکجا کیا گیا ہے جن میں ریاست سورت کے نواب کا ایک خط بھی دتاسی کے نام شامل ہے ۔ اور جس میں نواب میر جعفر علی خاں کی سیر و سیاحت کا ذکر ہے ۔

● "مشرقی ادبیات پر ایک نظر" ـــــ ایک خطبہ جو دتاسی نے پیرس کی انجمن حلقۂ ادب میں دیا تھا اور ۲۲ صفحوں میں زورنال ازیاتیک میں شائع ہوا ۔ یہ مضمون فرانس میں مستشرقیت کے متعلق یادگار رہے گا کیونکہ اسی سال فرانس کے علماء کو جو مشرقی مسائل سے دلچسپی رکھتے تھے، خیال آیا کہ سوسیتے ازیاتک کے نام سے مستشرقین کی ایک انجمن قائم کریں اور اس کو عملی جامہ پہنایا ۔ یہ انجمن آج تک باقی ہے ۔ اس کے بانیوں میں دتاسی شامل تھا جو اس وقت نوجوان تھا ۔ وہ اس انجمن کے شریک معتمد (سکریٹری) اور کتب خانہ دار (لائبریرین) کی حیثیت سے منتخب ہوا تھا اور اسی سال یکم مارچ کو اس نے حلقۂ ادب کے شعبۂ ادبیات مشرقی کے ابتدائی اجلاس میں یہ خطبہ دیا تھا ۔

اس وقت وہ ۲۸ سال کا تھا اور اس کی دیگر ابتدائی تالیفوں کی طرح اس خطبہ میں بھی وہ ایک ہونہار مستشرق نظر آتا ہے ۔ خود اسے مغرب کی کلاسیکل زبانوں (یونانی اور لاطینی) کے علاوہ جدید مغربی زبانیں انگریزی اور جرمن بھی آتی تھیں ۔ مزید برآں وہ اقوام مشرق کی اہمیت بتاتا ہے اور ان کی تین مشرقی زبانیں جانتا تھا چنانچہ اس مضمون میں وہ نہ صرف عبرانی جو یہودیوں اور عیسائیوں کے لئے مقدس زبان ہے ۔ بلکہ عربی، فارسی اور ترکی کی بھی اہمیت بیان کرتا ہے ۔ اسے معلوم ہے کہ "ایرانیوں کی شاعری نقالی نہیں مستقل چیز ہے"

---

[1] ہم Ethnology کا ترجمہ نسلیات اور Ethnography کا ترجمہ نسل نگاری کریں گے کیونکہ یہ مختلف علم ہیں ۔

اس مقالہ میں دتاسی زیادہ تر مشرقی اقوام اور وہاں کی شاعری کا ذکر کرتا ہے۔ غالباً حلقۂ ادب کے ماحول نے اسے اس پر مجبور کیا تھا کہ مستشرقیت کی صرف اس شاخ تک اپنے آپ کو محدود رکھے۔

اس ابتدائی زمانہ میں بھی نظر آتا ہے کہ دتاسی ایک آزاد خیال عالم ہے جسے مسلمانوں سے تعصب کے بجائے لگاؤ ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے "عبرانی شاعری عربی شاعری کا بچپن سمجھی جائے گی۔ عبرانی کی جو کتابیں بائبل میں ہیں اسی کی تقلید ہے اور بعض اوقات اتنی ہی بلندی پر پہونچ جاتا ہے"[۱]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دتاسی کو ابھی اس مضمون سے واقفیت نہیں ہوئی جو بعد میں اس کی خصوصیت اور اصل موضوع بحث بن گیا۔ یعنی ہندوستانی ادبیات کیونکہ اس کے متعلق وہ ایک لفظ بھی بیان نہیں کرتا۔

● "انجمن نسل نگاری کے اجلاس ۱۸۶۷ء میں دتاسی کا خطبہ"۔ دتاسی نے پیرس کی اس انجمن کی صدارت کی اور اس کے سالانہ اجلاس مورخہ ۲۷ فروری ۱۸۶۵ء میں اس نے ایک خطبہ دیا جو ۸ صفحوں میں چھپا ہے۔ اس خطبے میں زیادہ تر ہندوستان کا ذکر ہے۔ چنانچہ وہ دہلی کے میرحسن کی مثنوی سحر البیان کے قصہ کا تجزیہ کرتا ہے۔ کیونکہ چھوٹی سی کہانی میں اسے عمرانی دلچسپی کی چیزیں ملتی ہیں۔ اس خطبہ کے آخر میں دتاسی بیان کرتا ہے کہ "برطانوی ہند کی حکومت ہندوستان کے باشندوں کی تقریباً چار سو تصویریں شائع کرے گی جو نسلوں، ذاتوں اور رسم و رواج کی نمائندگی کریں گی اور ان کے رہنے سہنے کے طریقوں اور ان کی دستکاریوں کا بھی ذکر ہوگا"[۲] وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ یہ کام ڈاکٹر مسٹر فوربز ڈیٹسن اور مسٹر کلیے کے سپرد کیا گیا ہے۔

● سوسیتے ازیاتک کے سالانہ اجلاس کے وقت جو ۲۷ جون ۱۸۶۷ء کو دوپہر میں ایک بجے ہوا اس کا صدر اسی زمانہ میں فوت ہوا تھا۔ اور نائب صدر موجود نہ تھا۔ اس لیے دتاسی نے جلسہ پر ملال کا ذکر کیا تھا اور یہ کہ وہ ۲۰ بیس سال سے انجمن کا صدر تھا اور یاد دلاتا ہے کہ سوسیتے ازیاتک

---

[۱] مشرقی ادبیات پر ایک نظر۔ مؤلف دتاسی ۱۸۲۲ء صفحہ ۱۴، ۱۵۔

[۲] انجمن نسل نگاری کا خطبہ ۱۸۶۳ء ص ۸۔

۱۸۲۲ء میں ڈیوک آف اورلیاں کی صدارت میں قایم ہوئی تھی۔ ملک کے ممتاز ترین عالم سلوستر دساسی اور مصری ہیرو گلیفی کے خطِ شناس[1] شاپولیوں وغیرہ اس کے اراکین تھے۔ انجمن کی کارگزاری کا ذکر کرنے کے بعد جو اس وقت پینتالیس سال سے قایم تھی دتاسی نے بیان کیا "حضرات! اس کام کو ہمیں جاری رکھنا چاہیے جس سے ہماری انجمن کو یورپ کی اعلیٰ علمی انجمنوں میں وہ درجہ ملا ہے جو اس وقت اسے حاصل ہے اور مجھے یقین ہے کہ اس ذوق وشوق کو دیکھنے کے باعث جو قدیم وجدید مشرق کے متعلق نئی تحقیقات کرنے کے لیے ہم میں موجود ہے اور جس سے روز افزوں اہم نتائج کی توقع کی جاسکتی ہے، انجمن کا یہ درجہ برقرار رہے گا"[2]

- "ہندؤں کے تہواروں کا ذکر" — ہندوستانی زبان کی کتابوں کے مطابق، مؤلفہ دتاسی مطبوعہ ژورنال ازیاتک پیرس ۱۸۳۴ء۔

دیگر قوموں کی طرح ہندؤں کے یہاں جو عام تہوار ہیں ان کا تعلق دیو مالا، موسموں کی تبدیلی، بہادروں کے کارناموں یا مختلف تاریخی واقعات سے ہے۔ اس کے علاوہ مناظر فطرت اور دوسری رسومات بموقع چاند گرہن، سورج گرہن وغیرہ کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ دتاسی کو ہندؤں کی تہذیب سے خصوصی دلچسپی نہیں تھی اس کے باوجود زیر ذکر مضمون کی تالیف کی وجہ وہ خود تمہید میں بیان کرتا ہے "میں نے مسلمانوں کے مذہب پر جو یادداشت شائع کی ہے۔ اس میں زیادہ تر میں نے مسلمانوں کی تقریبوں کا ذکر کیا ہے اور خیال ظاہر کیا ہے کہ ان اسلامی تقریبوں میں سے متعدد میں ہندو بھی حصہ لیتے ہیں اور ہندؤں کے تہواروں میں مسلمان اکثر شریک رہتے ہیں۔ اس لیے مجھے مفید معلوم ہوا کہ آج برہمنی ہندوستان میں جو عام تہوار پائے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق صحیح معلومات پیش کروں اور یہ نیا مضمون میرے پرانے مضمون کا گویا تکملہ سمجھا جاسکے گا۔ وہ مضمون بھی دیکھے جائیں جو میں نے بیگم حسن علی اور مسٹر ہرکولٹس کی دلچسپ تالیفوں پر لکھے

---

[1] اس خط میں ہر آواز کو کسی جانور، کسی پرندے یا کسی اور چیز کی شکل کے ذریعے لکھا جاتا ہے اور اب سے تین چار ہزار سال پہلے مصر میں رائج تھا۔ اس کا کوئی پڑھنے والا دنیا میں باقی نہیں تھا۔ شاپولیوں نے نہایت ذہانت سے اس کو پڑھ لیا تھا۔

[2] ژورنال ازیاتک ۱۸۶۷ء ص ۹

تھے[1]

ہندوستان کے مسلمان اور خود مسلمان بادشاہ ہندؤں کے ان تہواروں میں حصہ لیتے ہیں جیسے دسہرہ دیوالی وغیرہ۔ البتہ شرکت جزوی طور پر کرتے ہیں۔ تہوار کا مذہبی حصہ یعنی پوجا جس میں بتوں کی پرستش ہوتی ہے۔ ہندؤں کیلئے باعث دلچسپی ہے۔ مسلمان صرف جشن کے مظاہرات میں حصہ لیتے ہیں۔ روشنی دیکھنے جاتے ہیں اور دیگر تماشوں سے لطف اٹھاتے ہیں۔ ایک قابلِ ذکر بات جس کو اہمیت حاصل ہے وہ یہ کہ اس مضمون کے ماخذوں میں دتاسی کو متعدد ایسی تالیفوں سے بھی مدد ملی ہے۔ جو ہندوستان کے مسلمانوں نے لکھی تھی مثلاً بارہ ماسہ وغیرہ۔

- ہز ہائنس میر جعفر علی بہادر کا خط جو رسالہ ریویو دلوریاں للجیری اے دکولونی جدید جلد ۱ ۱۸۵۵ء صفحہ ۵۸ تا ۵۹ میں چھپا ہے اور دو صفحوں میں اس خط کا فوٹو بھی شائع کیا گیا ہے۔

میر جعفر علی خاں ریاست سورت کے حکمراں تھے جو مغربی ہندوستان میں واقع ہے۔ ۱۸۵۴ء کے آخری مہینوں میں پیرس آئے تھے اور چند دن مقیم رہے تھے۔ اپنی فرصت میں وہ دتاسی سے ملنے گئے جس کے ساتھ انھوں نے اپنی مادری زبان اور اردو میں طویل گفتگو کی تھی۔ پیرس سے روانہ ہونے سے پہلے حکمران سورت نے دتاسی کو خط لکھا جس کا فوٹو اور ترجمہ آخر الذکر نے شائع کیا ہے۔ اس خط پر ۱۳ نومبر ۱۸۵۴ء کی تاریخ ہے۔ اس میں دتاسی کا شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ سیاحت پیرس کے متعلق نواب صاحب نے کچھ تاثرات کا ذکر کیا ہے اور وعدہ کیا ہے کہ سفر سے واپس ہوتے ہی سفرنامہ تالیف کریں گے اور اس کا نسخہ دتاسی کو روانہ کریں گے۔

یہ سفرنامہ کبھی شائع نہیں ہوا ورنہ دتاسی اس کا ضرور ذکر کرتا۔ خط کا ترجمہ دتاسی نے چھاپا ہے وہ صرف مفہوم ادا کرتا ہے اور مطابق اصل نہیں ہے جیسے نواب صاحب نے خط کے آغاز میں لکھا ہے "مشرقی علوم کے محترم عالم کی خدمت میں" مگر ترجمہ میں دتاسی نے لکھا ہے "محترم

---

[1] ہندؤں کے تہواروں کا ذکر مطبوعہ پیرس ۱۸۳۴ء ص۱

علوم کے فاضل کی خدمت میں سلام"۔ یہ مکتوب خط شکستہ میں ہے اور ممکن ہے کہ گارسین د تاسی اس کے چند الفاظ کو پڑھ نہ سکا ہو۔

اِسلامیات

گارسین د تاسی کے علمی کام میں مذہبِ اسلام سے متعلق اس کی مطبوعات کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ جس طرح د تاسی نے ہندوستانی ادبیات پر بہت سی کتب شائع کی ہیں اسی طرح مذہبِ اسلام پر اس نے طویل مقالے لکھے ہیں۔ صفحات ذیل میں ہم کوشش کریں گے کہ قارئین کو اس موضوع پر د تاسی کے علمی کام سے آگاہ کریں تاکہ انیسویں صدی فرانس میں اس کے علمی کارناموں کی وجہ سے اس کے مقام کا تعین کیا جا سکے۔

- "مذہب اسلام کے عقائد اور فرائض" (عربی سے ترجمہ) جو قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔
  اشاعت دوم جس میں نظر ثانی اور اصلاحیں بھی ہوئی ہیں۔
  مطبوعہ پیرس سنہ ۱۸۴۰ء ۲۷۶ صفحات۔

اس کتاب میں اسلام سے متعلق معلومات کو قلم بند کیا گیا ہے۔ تمہید میں رسول اکرمؐ کی سوانح عمری ہے اور یہ بہت ہمدردانہ ہے۔ اگرچہ بعض جگہ اس کو غلط فہمیاں بھی ہوئیں، اور جانب داری سے کام لیا ہے مثلاً پیغمبر اسلام سے متعلق لکھتا ہے "آپ نے اچھے عیسائیوں سے تعلیم پائی اور ان کی مقدس کتابیں پڑھیں اور اس طرح اصل ماخذوں کی ابدی حقانیت سے متعلق معلومات حاصل کیں"[1]

اسی طرح قرآن مجید کی تدوین کے متعلق لکھتا ہے "تنقید اور حسنِ ذوق سے کام لینے کی جگہ اس پر اکتفا کیا گیا کہ آیتوں کے آخری لفظوں کو جو ہم قافیہ ہوں یکجا جمع کر دیا جائے۔ شروع میں وہ آیتیں ہوں جو سب سے زیادہ واضح ہیں۔ اس کے بعد نسبتاً کم واضح آیتیں اور آخر میں وہ مشکل آیتیں جن کا مفہوم مبہم ہے"[2]

---

[1] کتاب مذہب اسلام کے عقاید و فرائض ص۵

[2] " " ص۸

دتاسی نے ناظرین کی توجہ قرآن پر منعطف کرانے کے لیے اس کتاب کے مندرجات کا تجزیہ کیا ہے اور قرآن شریف سے بہت سے اقتباسات دیئے ہیں۔ یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ دتاسی نے خود یہ ترجمے کیے لیکن وہ وضاحت کر دیتا ہے "اگرچہ قرآن مجید پر میں نے جو لکچر دیئے ہیں ان میں بعض وقت یہ اعتراف کیا ہے کہ سوآری کا ترجمۂ قرآن اس قابل نہیں کہ ہر جگہ اس پر کامل اعتماد کیا جائے۔ لیکن میں نے شایع کئے ہوئے اقتباسات میں اس سے استفادہ کیا ہے اگرچہ جہاں ناگزیر نظر آیا اس کی تصحیحیں کی ہیں۔ میں نے از سر نو کامل ترجمہ نہیں کیا تاکہ جو کام ہو چکا ہے اس سے اپنے کو بچاؤں اور اہم تر کاموں میں مشغول رہ سکوں"[1]

اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ دتاسی کو اسلام سے ہمدردی تھی اور چاہتا تھا کہ فرانسیسی ناظرین کے سامنے اسلام کا ایک ایسا خاکہ پیش کرے جو اس کی اپنی قابلیت اور معلومات کے لحاظ سے بالکل صحیح ہو۔ شروع میں وہ بائبل کے کچھ اقتباس دیتا ہے جو مسلمان علما کی رائے کے متعلق پیغمبر اسلام کی پیشین گوئی پر مشتمل ہیں۔ چنانچہ بائبل کی کتاب پیدائش فصل ۱۷ جملہ ۲۰ (کتاب تثنیہ) کتاب تثنیہ فصل ۱۸ جملہ ۱۸ نیز فصل ۲۳ جملہ ۲۔ کتاب یسعیا فصل ۱۹ جملہ ۶-۷-۹۔ نیز فصل ۴۲ جملہ ۱-۷-۱۶ اور ۱۷ بلکہ پوری فصل نیز فصل ۶۳ جملہ ۱ اور ۶ وغیرہ۔ کتاب حبقوق فصل ۳ جملہ ۳ وغیرہ۔ انجیلوں میں سے مینھیلو (متیٰ) کی انجیل فصل ۲۰ جملہ ۹، ۱۶۔ یوحنا کی انجیل فصل ۱۴ جملہ ۱۶ فصل ۱۵ جملہ ۲۶ فصل ۱۶ جملہ ۷، ۱۳ وغیرہ۔

ان اقتباسات میں سے متعدد کے متعلق گارسین دتاسی نے اپنی طرف سے تائیدی توضیحیں شامل کی ہیں۔

دتاسی نے قرآن مجید کے اقتباسات موضوع وار جمع کئے ہیں۔ جیسے خدا، فرشتے،

---

[1] کتاب مذہب اسلام کے عقائد و فرائض ص۱

شیطان، انجیل اور مختلف پیغمبروں کی کتابیں۔ عبادت۔ سماجی فرائض اور قرآن کے بتائے ہوئے اصول وضوابط۔

دتاسی نے سواری کے ترجمے میں کچھ اصلاح ضروری ہے لیکن سواری کے ترجمے پر حقیقت تو یہ ہے کہ اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ اب فرانسیسی میں اس سے بہتر ترجمے شائع ہو چکے ہیں۔ دتاسی سے پہلے قرآن مجید کے جو ترجمے فرانسیسی میں ہوئے وہ حسب ذیل ہیں:

۱۔ بون آون تورا دیبو۔ یہ ترجمہ نامکمل ہے۔ جوئش انسائیکلوپیڈیا میں لفظ قرآن کے تحت لکھا ہے کہ قرآن مجید کے سورہ نمبر ۷۰ کا ایک ترجمہ تیرہویں صدی عیسوی اسپینی زبان میں ہوا تھا اور اس سے فرانسیسی ترجمہ مرتب ہوا۔

۲۔ سیور دوریے۔ اس کا عنوان 'محمد کا قرآن' ہے۔ یہ ۶۸۶ صفحات میں ۱۶۴۷ء میں پیرس میں شائع ہوا تھا۔

۳۔ سواری کا ترجمہ جو ماراچی کے لاطینی ترجمۂ قرآن کی بنیاد پر کیا گیا اور ۱۷۸۳ء پیرس میں شائع ہوا تھا۔ ماراچی کا لاطینی ترجمہ ۱۶۹۸ء میں شہر پادووا میں چھپا۔

۴۔ ریتو کی کتاب "مونیوما عراب" کی جلد دوم صفحات ۲۹۱۔ ۲۹۵۔ ۲۹۸۔ ۲۹۹۔ ۳۰۱۔ ۳۱۷۔ ۳۲۰۔ ۳۲۲۔ ۳۲۵۔ ۳۳۱۔ ۳۴۶ اور ۳۴۹ میں قرآن مجید کے بہ کثرت اقتباس دیئے ہیں۔

۵۔ کازی میرسکی کا ترجمہ پہلی بار پیرس میں ۱۸۴۰ء میں شائع ہوا اور اس زبان کے بہترین ترجموں میں شمار کیا جاتا ہے[1]

ان اقتباسات کے بعد دتاسی اپنی کتاب میں سُنّی فرقہ کی ایک دینی کتاب کے ترجمہ کو شامل کرتا ہے جو کلکتہ میں "ہدایت الاسلام" کے نام سے عربی میں اردو ترجمہ کے ساتھ ۱۸۰۴ء

---

[1] یہ ترجمہ جی پوتیے کی کتاب مشرق کی مقدس کتابیں۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۴۰ء میں ص ۵۸۹ تا ص ۷۴۶ میں شامل ہے۔ اس کے بعد پوتیے اور بردونے کی کتاب "بائبل کے سوا سارے مذاہب کی دیگر مقدس کتابیں" مطبوعہ پیرس جلد ۱ ص ۵۳۹ تا ۷۴۶ میں مکرّر شائع ہوا ہے اور ان اشاعتوں میں باہم کوئی فرق نہیں ہے۔

میں شائع ہوئی تھی۔ ذناسی نے اس میں متعدد دعائیں بھی بڑھائیں جو اس نے دیگر ماخذوں سے لی ہیں۔ یہ دعائیں نجی یا پبلک زندگی کے مختلف شعبوں سے متعلق ہیں۔ چاہے فرد کے متعلق ہوں یا اجتماعی زندگی کے متعلق۔ اس میں اس نے وہ کلمے بھی شامل کر دیے ہیں۔ جن کی بیمار کو بستر مرگ پر تلقین کی جاتی ہے۔

غرض اس کتاب میں مختلف قسم کی معلومات جمع کر دی گئی ہیں جو مذہب اسلام کے سارے شعبوں کے متعلق ہیں۔

- "لالیجنداد ے ماحوما" اسپینی کتاب جو ذناسی کی فرانسیسی تالیف کا ترجمہ ہے۔ ۱۸۴۰ء میں بارسلونا میں ۱۸۴۰ء میں شائع ہوئی۔

اب سے ایک صدی پہلے ذناسی کے زمانے میں یہ بات آسان نہ تھی کہ اسلام پر معروضی طور گفتگو کی جا سکے اور اگر کوئی مؤلف ایسا کرتا تو فوراً اس کے متعلق شبہ کیا جانے لگتا کہ وہ مرتد ہو کر مسلمان بننا چاہتا ہے۔ اپنی کتاب ایلیگوری میں ذناسی نے ان شبہات کی پیش بینی کے طور پر لکھا ہے کہ "میرے ترجموں کی ان عبارتوں سے جو اختصارات کے ساتھ درج ہیں ممکن ہے بعض ناظرین کو صدمہ ہو اور وہ انھیں مناسب خیال نہ کریں۔ میں نے صرف اس لیے درج کیا ہے کہ مشرقی مسلمانوں کے خیالات اور اسلوب تحریر سے اپنے ناظرین کو واقف کراؤں۔ انصاف پسند ناظر کو یقیناً یہ چیز پسند آئے گی اور میرے لیے یہ ضرورت نہ ہوگی کہ اپنے نصرانیت پر برقرار رہنے کے متعلق مکرّر کلمۂ شہادت پڑھوں"[1]

ہماری رائے میں مذکورہ سبب ہی سے ذناسی نے اپنی کتاب کا نام "محمد کا قصہ" (لیجند) پسند کیا ہے۔ یہ مختصر کتاب سیرۃ النبیؐ پر ہے جو ہمیں بارسلونا میں شائع شدہ اسپینی ترجمہ میں دستیاب ہوئی۔ اسپینی کتاب کا مترجم گمنام ہے۔ مؤلف کے نام کے لیے B.Y.B. دیا گیا ہے۔ یہ نسخہ پیرس مدرسہ السنہ شرقیہ میں موجود ہے۔ اور اس مترجم کا پورا نام بوفارولا ای بروکا لکھا ہے۔

---

[1] کتاب ایلیگوری دیباچہ

چھوٹی تقطیع کی اس کتاب میں جو چالیس صفحوں پر مشتمل ہے مؤلف نے پیغمبر اسلام کی مختصر سوانح عمری رقم کی ہے اور معراج اور جنت کا بالخصوص تذکرہ کیا ہے۔ آخر میں ایک چھوٹا سا نوٹ قرآن مجید کے متعلق بڑھایا گیا ہے جو بہ ظاہر اسپینی مؤلف کا اضافہ کردہ ہے دناسی کا نہیں۔ چنانچہ کتاب کے خاتمہ میں لکھا ہے کہ اس کتاب میں کچھ نوٹ یا اضافے فاضل مؤلف سوآری سے لے کر شامل کئے ہیں[1]۔ جو پیش نظر کتاب کو سمجھنے کے لیے مفید ہیں اور محمدؐ کی شخصیت کو صحیح طور سے اجاگر کرنے کے لیے کار آمد ہیں"۔

قرآن مجید پر اس نوٹ میں جو دناسی کے ترجمہ کے دیباچے سے لیا گیا۔ لکھا ہے کہ قرآن مجید میں ایک سو چودہ سورتیں ہیں۔ شروع میں بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا جملہ ہوتا ہے اور یہ کہ قرآن شریف ایک حد تک مکہ میں اور ایک حد تک مدینہ میں ۲۳ سال کے عرصے میں نازل ہوتا رہا۔ اس کے بعد مترجم نے اضافہ کیا کہ قرآن مسلمانوں کے سارے عقائد معلوم کرنے کے لیے کافی نہیں ہے بلکہ اس کی وضاحت کے لیے دیگر دینی کتابوں کی ضرورت بھی ہے۔ مثلاً محمد بن پیر علی البرکوی کی کتاب جس کا دناسی نے حال میں فرانسیسی ترجمہ کیا ہے، پیغمبر اسلام کی یہ سوانح عمری جو بظاہر اسلامی ماخذوں پر مبنی ہے کافی غیر جانب دار ہے۔ صرف اس حصے میں جو معراج کے متعلق ہیں چند تفصیلات ایسی ہیں جو بہ ظاہر عوام الناس کی زبان زد چیزوں سے لی گئی ہیں۔ ان کا تعلق راسخ العقیدہ لوگوں سے نہیں۔

● "قرآن کے مطابق مذہب اسلام"۔ عقاید و عبادات کی تفصیل۔
تیسرا ایڈیشن مطبوعہ پیرس ۱۸۷۴ء ۶۱۲ صفحات۔

---

[1] بریکٹ میں جا بہ جا حاشیے اور نوٹ ہیں جو سوآری سے لیے گئے ہیں۔ سوآری فرانسیسی زبان کا قدیم ترین ترجمۂ قرآن کا مؤلف ہے۔ اسے عربی نہیں آتی تھی اس لیے ترجمہ میں سیکڑوں غلطیاں اور من گھڑت باتیں ہیں۔ مترجم کے سات آسمان، حور اور زینب وغیرہ الفاظ سے ناظرین کو اندازہ ہو جائے گا کہ اس میں استہزاء کا پہلو ہے اور حضرت زید کا اپنی بیوی حضرت زینب بنت جحش کو طلاق دینا اور حضورؐ کا ان سے نکاح کر لینا وہ مشہور واقعہ ہے جسے معاندین بات کا بتنگڑ بناتے ہیں۔ یہاں بھی اس کا ذکر ہے۔

یہ مذکورہ بالا "مذہب اسلام کے عقائد و فرائض" نامی کتاب کا جو ۱۸۴۰ء میں شائع ہوئی
ایک نیا ایڈیشن ہے اور اسی لیے مؤلف زیر نظر کتاب کو تیسرا ایڈیشن قرار دیتا ہے۔ ۴۴ سال کے
مطالعے اور غور و فکر کے بعد دتاسی کے اسلام سے متعلق معلومات میں نیز اس موضوع پر
مؤلف کی ہمدردی میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ چنانچہ زیر نظر کتاب میں وہ اسلام اور پیغمبر اسلام
کی مدافعت بہت زور سے کرتا ہے اور والٹیر کی کتاب "فناٹزم" نیز دوسری کتاب "محمد" پر بڑی
شدت سے تنقید کرتا ہے اور واقعہ ذیل کو بیان کرتا ہے کہ "والٹیر نے پرشیا (جرمنی) کے
بادشاہ کو ۲۰ جنوری ۱۸۴۲ء میں خط لکھا۔ اس میں اعتراف ہے کہ اپنی تالیف میں اس
نے جس حزن انگیز واقعہ کا ذکر کیا ہے وہ محض غلط ہے اور میں جانتا ہوں کہ محمد نے
(نعوذ باللہ) وہ غداری بالکل نہیں کی جس کا میری اس ٹریجڈی میں ذکر ہے"[1]

اگر دتاسی نے اپنی کتاب میں مسلمانوں کی تاریخ پر کچھ تلخ اور نامناسب ریمارک نہ کیے
ہوتے تو آدمی یہ خیال کر سکتا تھا کہ اس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ اس کا امکان ہے کہ حقیقی
جذبات کو اپنے ماحول سے چھپانے کیلئے اس نے عمداً یہ اعتراض اسلام پر کیے ہوں۔

چنانچہ پیش نظر کتاب کے تین اقتباس پیش کیے جا سکتے ہیں جن میں یہ اعتراض کیا
گیا ہے۔ خود رولان پر یہ اعتراض کیا جا سکتا ہے کہ وہ مسلمانوں کی جانبداری کرتا ہے[2] "میں اس
سے بھی کم یہ چاہتا ہوں کہ انجیل کا ادنیٰ ترین مقابلہ قرآن سے کروں۔ ساری دیگر دلیلوں کو چھوڑ
بھی دیں تو عیسائیت کا جو ابتدائی صدیوں میں پھیلی اسلام کیساتھ مقابلہ کیا جا سکتا ہے
جو تلوار کی مدد سے مروّج ہوا ہے"[3]

"بودھ مت اور عیسائیت کے بعد اسلام وہ مذہب ہے جو سب سے زیادہ رائج ہوا اور ان
میں سے عیسائیت ہی واحد سچا مذہب ہے"[4]

---

[1] قرآن مجید کے مطابق مذہب اسلام دیباچہ ص ۹ نوٹ ۱
[2] " " " " ص ۸
[3] " " " " ص ۱۱ تا ص ۱۲
[4] " " " " ص ۷

ذناسی اپنی تالیف کی ابتدا میں حسب ذیل توضیح کرتا ہے:

آجکل ہندوستان[1] کے مسلمانوں کے متعلق بڑا چرچا ہے۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مذہب اسلام کے متعلق پرانی تالیفوں پر نظر ثانی کے بعد شائع کروں تاکہ لوگوں کو اس کے اصول سے واقفیت ہو اور (حضرت) محمدؐ کے متبعین کے اندھے پن کی شکایت کے باوجود لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ اس مذہب میں خرافات نہیں۔ میں نے اس تالیف میں حسب ذیل چیزوں کو جمع کیا ہے:

۱. اسلامی مذہب کے عقائد و فرائض جو من وعن قرآن سے لئے گئے ہیں۔

۲. اسلامی عقائد کی توضیح جو سنّی فرقہ کے مطابق ہیں۔ ایک ترکی کتاب سے ترجمہ ہے۔

۳. مسلمانوں کی مذہبی کتاب کا عربی فارسی سے ترجمہ۔

۴. ہندوستان میں مذہب اسلام[2]

اسی لیے موجودہ تالیف کے آغاز میں بائبل کے وہ اقتباس ہیں جن میں پیغمبر اسلام کے آمد کی پیشین گوئی ہے اور جس کا ہم اوپر ذکر کر چکے ہیں۔ اس رسالے کے بعد ایک اور رسالہ "مذہب اسلام کے عقائد اور فرائض" پر ہے اس کا بھی ہم پہلے تجزیہ کر چکے ہیں۔ یہ ذکر کرنا مناسب ہوگا کہ یہ رسالہ ۴۳ سال پہلے شائع ہوا تھا۔ اور اب اشاعت جدید کے وقت تصحیحیں اور اصلاحیں عمل میں آئی تھیں۔ اس کے بعد وہ رسالہ ہے جو البرکوی کی تالیف ہے اور جس کا عنوان "مذہب اسلام کا بیان" ہے اس رسالہ کا بھی ہم نے اوپر ایک فصل میں تجزیہ کیا ہے۔

"ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب کی خصوصیتوں پر ایک یادداشت"۔ اس رسالے میں سو سے زیادہ صفحے ہیں اس پر ذیل کی توضیحیں مناسب معلوم ہوتی ہیں۔

یہ دراصل ایک مضمون تھا جو ابتداً ژورنال ازیاتک ۱۸۳۱ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد اسے ایک اور کتاب میں شامل کر دیا گیا جو پیرس میں ۱۸۶۹ء میں شائع ہوئی تھی۔ اسی طرح پیش نظر کتاب میں بشمول اشاعت سوم متصور ہو سکتی ہے۔ یہ کہنے کی

---

[1] معلوم نہیں ذناسی کس چیز کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔

[2] رسالۂ قرآن کے مطابق اسلام۔ مطبوعہ ۱۸۷۴ء۔ دیباچہ ص۵

ضرورت نہیں کہ ہر نئے ایڈیشن کے وقت مؤلف نے نظر ثانی اور تصحیح کی ہے۔

مذکورہ بالا یادداشت میں دتاسی اولاً بیان کرتا ہے کہ "بعض ہند شناس اور سیاح سفر ہندوستان سے واپس آ کے صرف ہندوؤں کا ذکر کرتے ہیں یعنی ان ہندوستانی باشندوں کا جو برہمنی مذہب کے پیرو ہیں۔ اگر ہندوستان کی تہذیب و تاریخ کا ذکر کرنا ہو تو صرف ہندوؤں پر اکتفا نہ کی جائے کیونکہ اس مذہب کے پیرو ہندوستان کے واحد باشندے نہیں ہیں اور آجکل (دتاسی کے زمانے میں) وہاں ۲۵ ملین[1] مسلمان ہیں جو ایک زمانے میں اس وسیع بر اعظم پر صدیوں تک حکمرانی کرتے رہے۔ ان کی ایک اپنی تہذیب بھی ہے اور ان کی اپنی مخصوص روایتیں بھی ہیں۔ اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستانی مسلمانوں کا خصوصی مطالعہ کیا جائے۔"

دتاسی کو خاص کر ان علائق اور خصوصیتوں سے دلچسپی رہی جو ہندوستانی مسلمانوں میں نظر آتی ہیں۔ اور یہ کہ وہ دیگر ملکوں کے مسلمانوں سے کس طرح اور کس حد تک مختلف ہیں۔ ان پر ہمسایہ ہندوؤں کے کیا اثرات پڑے ہیں۔ ان میں کون سے غیر اسلامی رسم و رواج جڑ پکڑ چکے ہیں اور غیر مسلم ہندوستان کس حد تک مسلمانوں کے عیدوں، تہواروں اور تقریبوں میں شریک ہوتے ہیں اسی لئے دتاسی اپنی کتاب کو دو بڑے حصوں میں تقسیم کرتا ہے۔ پہلے میں عام تقریبوں کا ذکر ہے اور دوسرے میں ہندوستانی مسلمانوں کے اولیاء کا ذکر ہے۔ اس کے مطابق ہندوستان میں اسلام ترقی کر رہا ہے اور اس سے مراد نہ صرف وہ علاقہ ہے جو برطانوی کہلاتا ہے بلکہ وہاں کی دیسی ریاستیں بھی۔ دوسرے الفاظ میں آجکل کی جمہوریۂ ہند اور جمہوریۂ پاکستان دونوں کے علاقوں سے بحث کی ہے۔ دتاسی ان ماخذوں کا ذکر کرتا ہے جس پر اس کی کتاب مبنی ہے جو بیشتر قصے کہانیوں اور منظوم داستانوں پر مشتمل ہے۔ کہ اس زمانے تک ہندوستان میں عمرانیات پر کتابیں لکھنے کا رواج عام نہیں ہوا تھا۔

---

[1] ۱۹۶۰ء میں پاکستان کو چھوڑ کر خود ہندوستان میں ۴۰ ملین مسلمان ہیں اور ۱۹۸۳ میں ایک سو ملین سے زیادہ مسلمان ہیں۔

ڈناسی کو ان چند تحریکوں کا بھی علم ہے جو ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی اصلاح کے لیے شروع ہوئی تھیں مثلاً سید احمد بریلوی کی وہابی تحریک کا ذکر اس نے اپنے خطبات میں کیا ہے۔ دتاسی نے اس پر بھی توجہ کی کہ ہندوستان میں نہ صرف سنی مسلمان بلکہ شیعہ بھی ہیں اور اسی لیے ” ان کی تقریبوں میں بھی قدرے اختلاف پایا جاتا ہے۔ دیسی ریاستوں میں بھی بعض کے حکمران شیعہ ہیں اور بعض کے سنی ۔ اس لیے جشنوں میں فرق پیدا ہوگیا ہے۔ ڈناسی نے اپنی کتاب میں مذہبی اختلاف سے متعلق جو حالات لکھے یا واقعات بیان کیے وہ اگر صحیح بھی ہوں تو وہ اب ہمارے زمانے میں باقی نہیں۔ اس طرح ان عادتوں کو جو بعض گروہوں اور بعض طبقوں میں پائی جاتی ہیں۔ انھیں ہندوستانی مسلمانوں سے متعلق کر دینا کہاں تک صحیح ہوگا۔ چنانچہ اولاً ہم ڈناسی کے مندرجہ ذیل رائے نقل کرتے ہیں۔

”ہندوستانی مسلمانوں کی مذہبی عبادتوں میں سے جو چیز سب سے زیادہ متوجہ کرتی ہے وہ مقامی رنگ میں رنگ گئی ہے اور یہ ذیلی تقریبیں اور عادتیں جو یا تو قرآن سے بہت کم مطابقت رکھتی ہیں یا قرآن کے روح کے بالکل مخالف ہیں لیکن جو ہندوؤں سے میل جول کی بنا پر غیر محسوس طور پر مسلمانوں میں رائج ہو گئی ہیں۔ ان کے علاوہ قبروں اور ایسے اولیاء کے مزاروں جن میں بعض مسلمان بھی نہیں بہ کثرت زائرین جاتے رہے ہیں اور غیر مسلم اولیاء کے اعزاز کے لیے نیم مشرکانہ (جاہلانہ) رسمیں انجام دی جاتی ہیں“[1] یہاں ڈناسی نے غلطی کی ہے کیونکہ غیر مسلم اولیاء کے مزار نہیں ہوتے سمادھی ہوسکتی ہے[2]

بعض اوقات ڈناسی کچھ تقریبوں کے اثر کے متعلق مبالغہ آرائی کرتا ہے کہ ” میں ذیل میں ان تقریبوں کا ذکر کروں گا جن سے اکثر کو پہچان لیا جائیگا کہ وہ ہندوؤں کی تقریبیں ہیں مثلاً امام حسین کی شہادت منانے کے لیے تعزیئے کی رسم قائم ہوئی ہے وہ درگا دیوی کی پوجا سے جو

---

[1] قرآن کے مطابق مذہب ص ۲۹۶

[2] ہندو سنتوں کی سمادھیوں پر مسلمان نہیں جاتے نہ عیسائیوں کی قبروں پر۔ دتاسی نے میلوں اور مزاروں پر ہندوؤں کی کثرت کے متعلق معلوم کرتے ہوئے یہ سوچا ہوگا کہ غیر مسلم اولیاء کے مزاروں پر بھی مسلمان جاتے ہوں گے۔

ہندو کاتک (اکتوبر، نومبر) کے مہینے میں مناتے ہیں۔ ماخوذ نظر آتی ہے۔ درگا موت کی دیوی اور شیو یا مہا دیو کی بیوی ہے۔ تعزیہ بھی درگا پوجا کی طرح دس دن جاری رہتا ہے۔ دسویں دن ہندو بھاگتے ہوئے جاکر درگا کو جم غفیر کی موجودگی میں دریا میں پھینکتے ہیں اور اس وقت ایک بڑا جشن ہوتا ہے۔ اور موسیقی کے بہت سے آلات پر گانا بجانا ہوتا ہے۔ یہی چیز امام حسین کے مزار پر کی جانے والی چیزوں میں نظر آتی ہے۔ تعزیہ کو عام طور پر جشن کے ساتھ دریا برد کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اور دیگر تقریبوں کا جو مسلمانوں نے اختیار کرلی ہیں یہاں تذکرہ کیا جائے گا۔ مسلمانوں نے مذہبی تقریبوں میں ہندوؤں کے رسم و رواج کو اختیار کرلیا ہے چنانچہ پرشور جلوس نکلتے ہیں۔ اس سے جگنا تھ کے جلوس اور دیگر دیوتاؤں پر کیے جانے والے جشنوں کی یاد دلاتے ہیں۔ یہ جلوس کم ہی مہذب کہے جاسکتے ہیں لیکن ناگزیر ہیں اور ہندوؤں کی مقدس رسموں سے ماخوذ ہیں۔ اور ان کے ساتھ راسخ العقیدہ لوگوں کا جلوس رہتا ہے۔ مسلمان اپنے اولیاء کے مزاروں پر نذرانہ پیش کرتے ہیں۔ وہ بھی ہندوؤں کی یاد دلاتے ہیں۔ ان نذرانوں میں چاول گھی اور پھول ہوتے ہیں[1]

ذناسی نے جن تقریبوں کا ذکر کیا ہے ان میں سے صرف چند ہندوستان سے مخصوص ہیں باقی تو ساری دنیائے اسلام میں پائی جاتی ہیں یہ ممکن ہے کہ بعض اسلامی تقریبات کے منانے میں ہندوستان میں کچھ خصوصیات مشترک ہوں۔ ہندوستانی مسلمانوں کی عیدوں کا ذکر کرنے سے پہلے ذناسی کی تمہید کے چند جملے کا عنوان ہے "ابتدائی ریمارک" یہاں نقل کئے جاتے ہیں، جیساکہ ہم نے "اسلام کے عقاید و فرائض" کے سلسلے میں بیان کیا ہے کہ ذناسی کی کتابوں کو پڑھتے وقت کبھی کبھی یہ تاثر ہوتا ہے کہ وہ اسلام کا بے حد مداح تھا۔ چنانچہ زیر بحث کتاب میں بھی ایسی چیزیں ملتی ہیں۔ سیاق وسباق میں کوئی ضرورت نہ ہونے کے باوجود اس نے جملہ لکھا ہے، گویا ذناسی نے اپنے آپ کو کسی دوسرے کے پیچھے چھپا کر یہ چند چیزیں نقل کرنے کی اجازت چاہی جو مسلمان خود بیان کرتے ہیں۔ "جب حضرت عیسیٰ کے

---

[1] قرآن کے مطابق مذہب اسلام صفحہ ۲۹۹ تا صفحہ ۳۰۰

پیرو خود صحیح راستے سے بھٹک گئے اور جہالت و کفر میں غرق ہوکر یہ کہنے لگے کہ حضرت عیسیٰ خدا کے بیٹے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے عیسائیوں کے دین کو رد کر دیا اور عربوں میں ایک بڑا نبی پیدا کیا اس کے دائیں ہاتھ میں عصائے حکومت اور بائیں میں قرآن مجید دیا تاکہ روئے زمین کے لوگوں کو واحد صحیح دین پر جمع کرلیں اس پیغمبر کا نام محمد تھا۔ جو حمد و ستائش کا مستحق ہو اس پیغمبر نے پوری کوشش کی کہ شرک اور کفر کو ختم کریں وہ قول و فعل دونوں میں یکساں قوت رکھتے تھے۔ چنانچہ وعظ و نصیحت بھی کی اور معجزے بھی دکھائے اور ان کا دین روز افزوں پھیلتا گیا اور ہمیں توقع ہے کہ آئندہ زمانے میں ایسا واحد دین ہو جائے گا جس کے ذریعہ انسان نجات حاصل کر سکے گا۔[1]

تقریبات کا ذکر کرتے ہوئے دتاسی نے ان کو دو مختلف قسموں میں تقسیم کیا ہے۔ پہلے میں قمری تقریبوں کا نام دیتا ہے۔ (کیونکہ قمری مہینے کے لحاظ سے منائی جاتی ہیں) دوسری شمسی تقریبیں (جو شمسی مہینوں کے اعتبار سے منائی جاتی ہیں)

پہلا قمری مہینہ امام حسین کی شہادت کی یاد دلاتا ہے چنانچہ دتاسی ۶۸۰ء کے اس تاریخی واقعہ کا پس منظر بیان کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ بتاتا ہے کہ ہندوستان کے مختلف حصوں میں محرم کس طرح منایا جاتا ہے۔ اس کے بیان کردہ واقعات یورپی سیاحوں کے تذکروں پر مبنی ہیں)۔

دوسرے قمری مہینوں کے متعلق اولاً پیغمبر اسلام کی بیماری سے شفا پانے کا واقعہ ہے لیکن اس پر صرف چند سطریں دی گئی ہیں۔ اس کے بعد دوسرا واقعہ اس مہینے میں آخری چہار شنبہ ہے جس کے متعلق دتاسی یہ عجیب و غریب بیان دیتا ہے کہ ماہ صفر کا آخری چہار شنبہ شیعوں کے یہاں بدشگونی اور سنی اس دن خوشیاں مناتے ہیں۔[2]

تیسرے قمری مہینہ میں پیغمبر اسلام کی ولادت کا جشن منایا جاتا ہے۔ عام طور پر اولیاء اللہ سے متعلق ان کی تاریخ وفات پر کوئی نذر و نیاز ہوتی ہے۔ لیکن پیغمبر اسلام کا جشن تاریخ ولادت پر

---

[1] قرآن کے مطابق مذہب اسلام صفحہ ۲۹۰ تا صفحہ ۲۹۱

[2] " " " " صفحہ ۳۴۵

منایا جاتا ہے۔ یہ صحیح ہے کہ اس تقریب کو "بارہ وفات" کہتے ہیں لیکن یہ اصطلاح سارے ہندوستان میں عام نہیں۔ معلوم نہیں کہ "بارہ وفات" کی اصطلاح کا آغاز کس طرح ہوا ممکن ہے یہ "گیارہ وفات" کی اصطلاح کے باعث مروّج ہوئی ہو۔ سنیّوں کے یہاں ربیع الثانی کی گیارہویں کو عبدالقادر جیلانی کی نذر دی جاتی ہے مگر وہ کہتا ہے اس کی اصلیت کا ہمیں علم نہیں۔ اسی چوتھے مہینے کو اور مختلف ناموں سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ چند کا دتاسی نے ذکر کیا ہے۔

پانچویں مہینے میں شاہ مدار کا عرس ہوتا ہے جو خالص ہندوستانی ہے۔ دتاسی کے بیان کے مطابق شاہ مدار کی ولادت حلب میں ۱۰۵۰ء اور ان کا مزار ضلع قنوج مقام مکن پور واقع ہے۔ چھٹے مہینے میں دتاسی ایک نفل روزہ رکھنے کا ذکر کرتا ہے جو کسی جلال بخاری نامی بزرگ کے احترام میں ہے۔ ساتواں مہینہ رجب کا ہے جس کی ۱۳ تاریخ کو حضرت علی کی پیدائش ہے اور ۲۲ رجب کو امام جعفر صادق کے کونڈے ہوتے ہیں۔ آٹھویں مہینے میں شب برات کا تہوار منایا جاتا ہے۔ یعنی مردوں کی یاد میں قبرستان کی زیارت کی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں کیتھولک عیسائیوں کے یہاں کی یکم نومبر کو منائی جانے والی "آل سینٹس" مماثل تقریب کا ذکر کیا جا سکتا ہے۔ نواں مہینہ رمضان کا ہے جس میں مسلمان روزہ رکھتے ہیں اس کی ۲۱ تاریخ کو حضرت علی کی شہادت کی یاد میں جلسہ ہوتا ہے۔ دسویں مہینے کے آغاز پر روزوں کے اختتام کی بڑی عید منائی جاتی ہے۔ گیارہویں مہینے میں کوئی تقریب نہیں۔ اسی لیے خالی کا مہینہ کہا جاتا ہے۔ آخری یعنی بارہویں مہینے میں عید الاضحیٰ کی قربانی ہوتی ہے اور حج بھی ہوتا ہے۔ ان کے علاوہ اسی مہینے کی ۱۸ تاریخ کو اہل التشیع عید تجدید مناتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ اس دن پیغمبر اسلام نے حضرت علی کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔

شمسی مہینوں کے لحاظ سے جو تقریبیں منائی جاتی ہیں ان کی تاریخیں ہندو تقویم پر مبنی ہیں۔ دتاسی تین کا ذکر کرتا ہے۔ ایک سالار مسعود غازی کا عرس بہرائچ میں ہے۔ یہ میلہ جیٹھ کے مہینے جو عموماً مئی جون میں پڑتا ہے۔ اسی طرح خضر علیہ السلام کی عید ماہ بھادوں میں آتی ہے اور آخری تقریب گوگا سے متعلق ہے جن کو "ظاہر پیر" بھی کہا جاتا ہے۔ اور یہ بھی بھادوں میں ہوتی ہے۔ دتاسی کے مطابق آخر الذکر تقریب راجپوتانہ میں منائی جاتی ہے۔

اور وہ بتاتا ہے کہ یہ شخص غیر مسلم اور سلطان محمود غزنوی کے حملے کے زمانے میں جنگ کرتے ہوئے مارا گیا تھا۔

زیر تبصرہ کتاب کے حصہ دوم میں دتاسی ۱۴ مسلمان ولیوں کی مختصر سوانح عمریاں دیتا ہے جن میں بعض ہندوستانی نہیں ہیں۔ جیسے بغداد کے شاہ عبد القادر جیلانی۔

دتاسی کے زمانے کے بعد سے ہندوستان میں بہت سی چیزیں بدل گئی ہیں اور اس کی کتاب میں جو حالات بیان ہوئے ہیں۔ ان میں سے بہت سی کو اب سماجی کے بجائے صرف تاریخی اہمیت حاصل ہے۔

● "قرآن مجید کی غیر معروف سورت"۔ جو پہلی بار علم میں آئی اور ژورنال ازیاتک مئی ۱۸۴۲ء صفحہ ۴۳۱ تا ۴۳۹ پر شائع کی جارہی ہے۔

اس مضمون میں صرف عربی عبارت اور اس کا فرانسیسی ترجمہ شامل ہے اور کوئی تفسیر نہیں ہے۔ شروع میں مختصر تمہید میں شیعہ روایت کا ذکر ہے کہ مروجہ قرآن میں کچھ اور سورتیں تھیں جو اب ضائع ہو گئی ہیں۔ دتاسی نے اس سلسلے میں "دبستان مذاہب" صفحہ ۳۴۷ اور مابعد کا حوالہ دیا ہے۔ یہ مشہور فارسی کتاب سترھویں صدی عیسوی کے وسط میں ایک کشمیری مسلمان محسن فانی نے لکھی تھی۔ اس بارے میں مضمون ذیل بھی دیکھا جائے۔

● "قرآن مجید کی ایک غیر معروف سورت"۔ جسے مرزا لیگزنڈر کاظم بیگ نے اپنے مختصر تعارف کیساتھ ترجمہ کرکے شائع کیا تھا۔ یہ شخص قازان (روس) کی یونیورسٹی[1] میں السنہ مشرقیہ کا پروفیسر تھا۔ دتاسی کا یہ مضمون ژورنال ازیاتک پیرس دسمبر ۱۸۴۳ء صفحہ ۳۷۳ تا ۴۲۹ پر شائع ہوا ہے۔

کاظم بیگ کے نوٹ[1] ۵۵ صفحوں پر پھیلے ہیں۔ جن کے بعد خود دتاسی کا نوٹ دو صفحوں میں ہے۔

---

[1] کاظم بیگ نے اسلام ترک کرکے عیسائیت قبول کر لی تھی۔ اس کی وفات پر دتاسی نے اپنے ۱۸۷۱ء کے خطبہ میں ص ۱۵۲ تا ص ۱۵۸ پر ایک طویل وفات نامہ دیا ہے اور اس بارے میں کاظم بیگ کے بیٹے کی مہیا کردہ معلومات سے دتاسی نے فائدہ اٹھایا ہے۔ کاظم بیگ اور دتاسی کی خط و کتابت اور دوستی عرصہ تک رہی وہ وفات نامہ میں اس تعلق خاطر کا ذکر کرتا ہے۔

کاظم بیگ کی تحریر میں یہ بتایا گیا ہے کہ پیغمبر اسلام اور ان کے ابتدائی خلفاء کے زمانے میں قرآن مجید کی تدوین کس طرح عمل میں آئی۔ دیگر معلومات کیساتھ وہ مشہور شیعہ عالم ابوجعفر قمی کی رائے نقل کرتا ہے کہ "سنیوں کے یہاں جو قرآن مروّج ہے اس میں اور شیعوں کے یہاں کے قرآن میں کوئی فرق نہیں لیکن بعض غالی شیعہ فرقوں میں ایک روایت پائی جاتی ہے کہ قرآن کی چند سورتوں کو جن میں حضرت علی کا ذکر تھا۔ خلیفہ ابوبکر یا عثمان نے قرآن کی تدوین کے وقت حذف کردیا۔ مگر اس روایت میں بیان نہیں کیا جاتا کہ جب حضرت علی خلیفہ ہوئے تو انھوں نے ان حذف شدہ سورتوں کو کیوں بحال نہیں کیا۔ کاظم بیگ کے خیال میں قرآن مجید کے ایک جزو کا مخطوطہ ملا ہے جس کا عنوان سورۃ النورین یعنی دو نوروں کا سورۃ۔ اس میں بیالیس آیتیں ہیں۔ اس مضمون کو اسی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ اس کا کم امکان ہے کہ وہ قرآن مجید کا ایک حقیقی جزو ہوں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں قرآن مجید کی مختلف سورتوں سے آیتیں چنی گئی ہیں اور انھیں یکجا کر دیا گیا ہے۔ اس قلمی نسخہ کو دتاسی نے دریافت کیا ہے۔ اس میں شک نہیں کہ جدید دستیاب شدہ دستاویز میں حضرت علی کی تعریف میں چند جملے ضرور ہیں لیکن اس سورت کا اسلام کے ابتدائی زمانے میں کوئی وجود نہیں ملتا۔ مزید برآں اس مضمون کی اشاعت پر ایک سو سال سے زیادہ عرصہ گزر چکا ہے اور اس میں شیعہ حضرات کو کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی۔ اسی "سورۃ النورین" کے متعلق نولدیکے اور شوالی کی جرمن کتاب تاریخ قرآن میں حسب ذیل ذکر ہے:

"تاریخ قرآن" از تھیوڈر نولڈیکے اور فریدرس شوالی
مطبوعہ لاسنگ سنہ ۱۹۱۹ء جلد دوم ص۱۰۱۔

یہ جرمن مصنفین اولاً دتاسی اور کاظم بیگ کے مضمون کا حوالہ دیتے ہیں۔ مذکورہ سورۃ النورین کا متن "دبستان مذاہب" نامی فارسی کتاب میں ملا ہے۔ یہ سترہویں صدی عیسوی کے محسن فانی کی تالیف ہے۔ یہ جرمن مؤلف اس تضاد کو نمایاں کرتا ہے جو دتاسی اور کاظم بیگ کی شہادتوں میں پایا جاتا ہے۔ یعنی کاظم بیگ کا بیان ہے کہ اس کو (دتاسی کی) فرانسیسی تالیف سے اس سورۃ کا علم ہوا۔ اس کے برخلاف دتاسی کا یہ بیان ہے کہ ۱۸ سال کی تلاش کے بعد کاظم بیگ کو قرآن مجید کی اس سورۃ النورین کے کامل متن کا پتہ چل سکا۔ نولڈیکے یہ بھی بیان کرتا ہے کہ

کہ اس تضاد کے متعلق یہ بیان کرنا مشکل ہے کہ آیا اس میں کوئی غلط فہمی ہے یا وہ ایک نجی خط ہے جسے اس مضمون میں لطور تمہید شامل کر دیا ہے۔ اگر آخر الذکر بات صحیح ہے تو اس سورۃ کی دستیابی کے متعلق بیان کردہ تفصیل پر بہت کم اعتماد کیا جا سکے گا۔ کیونکہ کاظم بیگ نے یہ بیان نہیں کیا کہ اسے یہ متن کہاں سے دستیاب ہوا۔

پہلے تو کاظم بیگ کا دیا ہوا عربی متن نقل ہوا ہے پھر جرمن ترجمہ دینے کے بعد اشارہ ہے کہ اس سورۃ کو پڑھیں تو اندازہ ہوتا ہے کہ وہ پرانے اسلوب میں ہی ہے کیونکہ اکثر جملے یا جملوں کے حصے وہی ہیں جو قرآن کی مختلف سورتوں میں استعمال ہوئے ہیں۔ کاظم بیگ کا خیال ہے کہ یہ مماثلت اس دستیاب شدہ سورۃ کی عدم صحت کی دلیل ہے۔ لیکن نولڈیکے کی رائے میں یہ کوئی فیصلہ کن بات نہیں۔ بلکہ ضرورت ہے کہ اس سورۃ کا لغوی اسلوبیاتی اور دیگر نقطہ ہائے نظر سے سارے قرآن مجید کے ساتھ مقابلہ کیا جائے۔ طویل بحث کے بعد نولڈیکے اس نتیجہ پر پہونچتا ہے کہ جدید دستیاب شدہ سورۃ النورین کے متعلق تاثر پیدا ہوتا ہے کہ وہ غالباً شیعوں کا لکھا ہوا ہے۔ رہا اس کی تدوین کا زمانہ اسے متعین کرنا مشکل ہے۔ قرآن مجید کے قدیم ترین شیعہ مفسر القمی (چوتھی صدی ہجری کے ہیں) ابن مرتضیٰ (جن کی وفات ۹۱۱ھ میں ہوئی) سورۃ النورین سے ناواقف نظر آتے ہیں، ورنہ وہ اس کا ذکر کرتے۔

- "مذہب اسلام کا بیان" جو محمد بن پیر علی البرکوی کی ترکی تالیف کا ترجمہ۔ مطبوعہ پیرس ۱۸۲۸ء ہے۔

اس کتاب میں سعدی کی فارسی کتاب "پندنامہ" کا فارسی ترجمہ بھی شامل ہے جو دتاسی ہی نے کیا ہے۔ نیز "قصیدہ بردہ" کا ترجمہ جو سلوستر دتاسی نے کیا تھا۔

ہم یہاں ان میں سے صرف کتاب اول کا ذکر کریں گے۔ دتاسی نے یہ کتاب کاؤنٹ پوزنالیس کے نام معنون کی ہے اور دیباچہ میں اس علمی کام کے آغاز کی وجہ بیان کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مذہب اسلام" شاید سارے مذہبوں سے زیادہ پھیلا ہوا ہے..... لیکن اس بات میں لوگوں کی معلومات غلط خیالات پر مبنی ہیں۔ صدیوں تک (یورپ میں) مسلمانوں کو بت پرست کا نام دیا جاتا رہا ہے اور بوتاس نامی شاعر نے اپنی نظم میں مسلمانوں کو اسی نام سے یاد کیا ہے وہ بیان کرتا ہے کہ

کبھی دنیا کی کوئی قوم بت پرستی سے اتنی دور نہ تھی اور خدا کے ساتھ شرک کرنے سے اتنی بیزار نہ تھی جیسے مسلمان۔ برکوی کا چھوٹا سا رسالہ "مذہب اسلام کا بیان" سے موسوم ہے اور جس کا میں آج ترجمہ شائع کر رہا ہوں وہ ترکی میں مسلمانوں کو مذہب کی ابتدائی بنیادی تعلیم دینے کے لیے مستعمل ہے یہ کتاب ترکوں میں بڑی عزت کی نظر سے دیکھی جاتی ہے اور بہت رائج ہے۔۔۔۔ واقعہ یہ ہے کہ اس میں برکوی نے عقاید کا بیان تفصیل سے کیا ہے اور اپنی کتاب کے ابتدائی چھ باب اس سے مختص کئے ہیں۔ لیکن اس رسالہ میں عبادتوں کا شکل سے کوئی ذکر ہے جس کا میں نے ایک نوٹ میں کسی قدر تفصیل سے ذکر کرنا ضروری خیال کیا ہے یہ صحیح ہے کہ وضو اور نماز کے متعلق مؤلف نے بڑی تفصیل دی ہے۔ لیکن یہ اس کی تالیف کے ضمیمے میں ہیں۔ میں نے ساتویں باب کا صرف آخری حصہ باقی رکھا ہے اور باقی کا ترجمہ نہیں کیا ہے۔ اپنے رسالہ کے آخر میں محمد برکوی نے موت کے وقت جو چیزیں ملحوظ رہنی چاہیئے ان کا بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ میں نے ان کو بھی حذف کر دیا ہے کہ ناظرین کو ان سے دلچسپی نہ ہوگی۔

اس کتاب کی طباعت اس وقت ہو چکی تھی جب مجھے ایک فرانسیسی تالیف کا علم ہوا جس کا عنوان ہے "ترکوں کا مذھب یا ان کی دینیات کے متعلق رسالہ" مطبوعہ بروسلز ۱۷۰۴ء۔ اس کتاب کے آخر میں محمد برکوی کے رسالہ کا ترجمہ بھی شامل ہے لیکن یہ ترجمہ میری تالیف سے ہٹا ہوا ہے اس میں مترجم نے ان چھوٹی چھوٹی باتوں کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جو میں نے عمداً حذف کر دی تھیں اور جن سے ناظرین کو کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی۔ مزید برآں وہ ترجمہ ہر جگہ صحیح نہیں۔ بعض وقت تو فاش غلطیاں کی گئیں اور مفہوم الٹ دیا ہے[۱]"

اولاً اسی کتاب کے اس دوسرے ترجمے کا چند الفاظ میں ذکر کیا جانا چاہیئے۔ واقعہ یہ ہے کہ بلجیم کے ایک مستشرق نے جس نے گمنامی میں رہنا پسند کیا ہے دو کتابوں کا فرانسیسی ترجمہ کر کے ان کو حسب ذیل عنوان سے شائع کیا "ترکوں کا مذہب یا ان کی دینیات" مؤلفہ البتال مفتی نیز محمد بن پیر علی کی کتاب "عقائد دینی" پہلی کتاب دو جلدوں میں ہے اور ۲۲۸ + ۱۰۹ صفحوں

---

[۱] "مذہب اسلام کا بیان" مطبوعہ پیرس ۱۸۲۶ء دیباچہ صفحہ ۱

میں ہے ہمیں اسی دوسری کتاب سے براہ راست تعلق ہے۔ یہ چھوٹی تقطیع ۱۶۶ صفحوں میں ہے۔ دونوں کتابوں میں سے ہر ایک میں ایک فرضی تصویر ہے۔ پہلی تصویر پر لکھا ہے "مکّہ کا باشندہ مفتی اعظم اشکیال" اور دوسری تصویر میں سات آدمیوں کا گروپ ہے اور اس پر لکھا گیا ہے "فلاڈلفیا کا باشندہ فقیہ محمد بن بیر علی"۔ اس زمانہ میں واقعہ تو یہ ہے کہ مغرب میں قبول اسلام آسان بات نہیں تھی۔ چنانچہ کتاب کے مترجم نے نہ صرف اپنے نام کو مخفی رکھا ہے لیکن بطور عذر اپنے عیسائی ہونے کا اطمینان دلایا ہے اور مزید برآں اسلام پر کچھ لغو اعتراض بھی کئے گئے ہیں (خوش قسمتی سے دتاسی کی کتاب ان باتوں سے مبرا ہے)۔ لفظ "اشبال" یا "اشکیال" "الحبال" سے بگڑا ہوا ہے۔ بلجیم اور فرانسیسی مصنفین کے ترجموں کا ایک ایک اقتباس درج ذیل ہے تاکہ دونوں کے اسالیب کا فرق نمایاں ہو سکے:

گارسین دتاسی کا ترجمہ

باب اوّل۔ خدا سے متعلق۔

اولاً اس بات کا اعتراف کرنا چاہیئے کہ صرف خدائے تعالیٰ ہی کی عبادت کی جانی چاہیئے۔ اس کا نہ کوئی شریک ہے اور نہ کوئی اس کے برابر۔ اس میں انسانوں کی خامیوں میں سے کوئی بھی نہیں پائی جاتی۔ اس کی ولادت نہیں ہوئی اور نہ اس سے کوئی اولاد ہوئی۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ بیٹا نہ بیٹی۔ اس میں یہ حوادث نہیں پائے جاتے ہیں اور نہ پائے جا سکتے ہیں۔ وہ نہ آسمان میں ہے اور نہ زمین میں۔ اس کا کوئی مسکن نہیں۔ نہ دائیں جانب ہے نہ بائیں جانب.... وغیرہ۔

بلجیم کے مستشرق کا ترجمہ

باب اوّل۔ خدا کی صفات کا بیان جو سلبی ہیں اور جن کا کوئی جواب نہیں ہے۔ میری اصلی اور واحد وصیت جو میں اپنے عزیز بھائیوں اور سچے مسلمانوں کو کرتا ہوں وہ صرف یہ ہے کہ اللہ صرف ایک ہے کہ اور وہی ہماری عبادتوں کا مستحق ہے اور اسی سے دعائیں کی جانی چاہیئے۔ اس کا کوئی شریک نہیں۔ نہ کوئی اس کا مماثل۔ اسے نہ کھانے کی ضرورت ہے اور نہ پینے کی۔ اسے نیند کی بھی حاجت نہیں۔ نہ وہ کسی سے پیدا ہوا اور نہ اس سے کوئی پیدا ہوا۔ اس کی نہ بیوی ہے نہ بیٹا نہ بیٹی اور یہ ہو بھی نہیں سکتے۔ وہ نہ آسمان میں ہے نہ زمین میں نہ آگے ہے نہ پیچھے۔ نہ اوپر نہ نیچے اور نہ بازو یہ...... وغیرہ۔

ذناسی نے اس کتاب میں اتنے ہی کثیر نوٹ دیئے ہیں جتنا اصل کتاب کا ترجمہ ہے۔ ان حواشی کا مقصد اصطلاحات، تلمیحات اور دیگر مبہم چیزیں جو متن میں آئی ہیں ان کی توضیح کرنا ہے۔ یہ چیزیں مسلمان ناظر کے لیے واضح ہوتی ہیں۔ لیکن غیر مسلم کیلئے نہیں۔ اپنے معلومات کے لیے کئی بار بطور حوالہ مراجعہ دوسوں کی فرانسیسی کتابیں سلطنت عثمانیہ کی جدولوں کا ذکر کیا ہے دیگر مقامات پر زیر تبصرہ کتاب کی ترکی شرحوں کا یا کسی اور کتاب کا حوالہ دیا ہے۔ یہ نوٹ عام طور پر بہت غیر جانبدارانہ ہیں۔ اور ان میں مذہبی مباحثوں سے اجتناب کیا گیا ہے۔ بعض وقت ذناسی مسلمانوں کے ان عقائد کا نمایاں طور پر ذکر کرتا ہے جن سے اہل مغرب واقف نہیں ہیں۔ مثلاً کنواری مریم کے بطن سے حضرت عیسیٰ کی ولادت۔ اسی طرح ص ۱۷ پر کہتا ہے:

"یہ حضرت محمد کی قبر نہیں ہے جس کی مکہ میں زیارت کی جاتی ہے جیساکہ بہت لوگ (مغرب میں) اب بھی خیال کرتے ہیں بلکہ اس قدیم عبادت گاہ یعنی کعبہ کی زیارت جو ہمیشہ سے عربوں کے نزدیک قابل احترام رہی ہے۔ حضرت محمد کی قبر مدینہ میں ہے۔ یہ صحیح ہے کہ بہت سے حاجی مکہ سے فارغ ہونے کے بعد مدینہ کی زیارت کے لیے جاتے ہیں لیکن یہ مذہبی فریضہ نہیں بلکہ ایک قابل ثواب چیز سمجھی جاتی ہے۔ یہ قبر فضا میں معلق نہیں جو مقناطیس کی مدد سے کھڑی کی گئی ہو۔ یہ ایک افسانہ ہے جس کو رولاں اور نودیرینی نے بڑی سنجیدگی کے ساتھ بیان کرنے کی زحمت اٹھائی ہے۔"

ایک اور مقام (ص ۴۲) پر لکھتا ہے: "ہم ہر روز یہ سنتے آئے ہیں کہ حضرت محمدؐ کے بیان کے مطابق عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔ میں نے اس لغو بیانی کی تردید عزالدین کی کتاب کے ترجمہ میں ص ۲۲۴ پر شدت سے کی ہے"۔ بعض جگہ اصطلاحی الفاظ آئے ہیں جن کا مفہوم ذناسی ٹھیک طور پر نہیں سمجھتا اس کی وجہ یہ ہے کہ یا تو ذناسی کے زمانے میں ان کی غلط تعبیر کو بہ طور عادت قبول کرلیا گیا تھا یا لفظوں کی ظاہری مناسبت کی وجہ سے خود اس نے غلط مفہوم لے لیا ہے۔ مثال کے طور پر ص ۸۳ پر زکوٰۃ کا ترجمہ "دیم" کرتا ہے اس فرانسیسی لفظ کے معنی ۱/۱۰ یعنی عُشر کے ہیں اور یہ معلوم ہے کہ زکوٰۃ شرح ہمیشہ ۱/۱۰ نہیں ہوتی بلکہ قابل زکوٰۃ اشیاء کی قسموں کے لحاظ سے اس کی شرح بدلتی رہتی ہے۔ مزید برآں زکوٰۃ کوئی خیرات نہیں بلکہ ایک سرکاری محصول ہے جس کی مقدار اور جس کا زمانۂ ادا معین ہیں اور اگر کوئی اس کی ادائیگی سے انکار کرے تو حکومت

اس کو بزور مجبور کرتی ہے۔ خیرات میں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔

ترجمہ عام طور پر اچھا ہے۔ جہاں تک ممکن ہو سکا فرانسیسی ناظرین کے لیے قابل فہم ہے۔ ظاہر ہے کہ بہت زیادہ لفظی ترجمہ اس مقصد کو پورا نہیں کر سکتا۔

اس کتاب کے متعدد ایڈیشن نکلے ہیں اور اس ترکی کتاب کا ایک عربی ترجمہ بھی ملتا ہے۔ اس کے ایڈیشن ترکی کے باہر بھی ملتے ہیں مثلاً ایک ایڈیشن روس کے شہر قازان میں بھی شائع ہوا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اقتباس کا اضافہ کیا جا سکتا ہے جو زناسی نے اپنے ترجموں کو دوبارہ ۱۸۷۴ء میں اپنی بڑی کتاب "قرآن کے مطابق مذہب اسلام" میں شامل کرتے وقت لکھا تھا۔ اس کے کئی ایڈیشن سقوطری (البانیہ) میں نکلے۔ ایک اور ترجمہ ۱۸۰۶ء میں قازان (روس) میں شائع ہوا۔ ایک اور شخص نے منظوم ترکی ایڈیشن شائع کیا قاضی زادہ اسلامبولی احمد بن محمد امین نے اس کی ایک شرح لکھی جو چوصفحی تقطیع کے ۳۵۲ صفحوں پر مشتمل ہے۔ یہ کتاب ترکی میں ہے اور دینیات کا مختصر رسالہ بھی سقوطری میں دوبارہ شائع ہوئی۔ اس کا نام "احمد کا گوہر بیش قیمت" (جو برکوی کی چھوٹی کتاب کی شرح کا نام) ہے میں نے اس سے بہت استفادہ کیا ہے کیونکہ اصل کتاب میں بہت سے مقامات پر مفہوم واضح نہیں۔ برکوی کی نسبت شہر برگی کی طرف سے جو برگی نامی پہاڑ کے قریب اناطولیا میں واقع ہے۔ اسے قدیم زمانے میں (فون ہامر کی جرمن کتاب ادبیات کے سالنامے ۱۸۲۷ء کی چوتھی سہ ماہی ص۳ کے مطابق) "ہائی پے پا" کہا جاتا تھا۔ اور یہ کہ اس کتاب کے مؤلف کی وفات پچپن سال کی عمر میں ۹۸۱ھ مطابق ۱۵۷۳ء میں ایک وبا میں ہو گئی تھی۔ اس نے لسانیات اور دینیات پر بکثرت کتابیں لکھی ہیں۔ اس کی تفصیل ہمیں عطائی کی کتاب "طاش کوپری زادہ کی تالیف "علمائے سلطنت عثمانیہ کی سوانح عمریوں" کے تکملہ میں ملے گی اور وہیں ہمارے مؤلف کی زندگی کے متعلق تفصیل دستیاب ہوتی ہے"۔

اس دیباچہ کے ص۱۵ پر ایک نوٹ میں بیان ہوا ہے کہ زناسی کے فرانسیسی ترجمے کا ہولمبو نے ناروے کی زبان میں ترجمہ کر کے ۱۸۲۹ء میں شہر کرستیانا (اوسلو) سے طبع کیا ہے۔ اور عنوان TYRKISK KATEKISMUS رکھا۔ یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ژورنال ازیاتک کی جلد اوّل بابت جولائی ۱۸۲۲ء ص۱۰۹ تا ص۱۱۵ میں جے سیس مارٹین نے زناسی کی کتاب پر تبصرہ

کیا ہے اس میں کتاب کے مندرجات کا تجزیہ اور تنقید اور غلطیوں کی تصحیح بھی دی گئی ہے۔

نون ہامر نے اپنی کتاب ادبیات کے سالنامے کی ۱۸۲۸ء کے ایڈیشن میں دناسی کی کتاب پر ایک تبصرہ[1] شائع کیا ۔ اس کو جو اعتراض تھے، ان میں اہم ترین یہ نظر آتا ہے کہ ترکی مؤلف کا نام البرکوی غلط ہے۔ اسے البرگوی لکھنا چاہیئے یا ترکی زبان کے مطابق "برگی لی"۔

- دناسی نے اس کے جواب میں خط لکھا جو ژورنال ازیاتک کے سلسلہ دوم جلد دوم جولائی ۱۸۲۸ء صفحہ ۱۵۱ تا ۱۶۰ میں شائع ہوا اور اس میں واضح کرتا ہے کہ یہ دونوں نام شہر برگی کی نسبت ہیں اور عربی صرف ونحو کے لحاظ سے یہ نسبت برگوی ہوگئی اور ترکی زبان کے متعلق برگی لو یا برگی لی ہوگی لہذا ان دونوں میں کوئی تضاد نہیں۔

- "مسلمانوں کے یہاں آدمیوں کے ناموں اور لقبوں پر ایک یادداشت"۔
مطبوعہ پیرس ژورنال ازیاتک ۱۸۵۴ء، ۹۳ صفحات۔
اشاعت دوم ۱۸۷۸ صفحات ۱۲۸۔

اسلامی ادبیات میں ہمیشہ سے یہ قابل ذکر خصوصیات پائی جاتی ہیں کہ ایک ہی آدمی کا ذکر کئی ناموں سے ہوتا ہے۔ اگر کسی کو ان مختلف ناموں کا علم نہ ہو تو غلطی سے ایک ہی شخص دو مختلف اشخاص خیال کیئے جاسکتے ہیں۔ مثلاً حضرت علی کا نام ابو الحسن بھی ہے۔ دناسی کہتا ہے کہ یہ دشواری صرف اسلامی ادبیات سے متعلق نہیں مثلاً انگلستان میں ہر سال ان لوگوں کو جنھوں نے قوم کی بڑی خدمت کی ہو اعزازی القاب دیئے جاتے ہیں اور وہاں بھی وہی پیچیدگی پیدا ہو جاتی ہے مثلاً لارڈ برکن ہڈ نے قانون بین الممالک پر ایک کتاب شائع کی ہے۔ اس کے ابتدائی ایڈیشنوں میں مؤلف کا نام صرف فریڈرک اسمتھ اور بعد کے ایڈیشن کا مؤلف لارڈ برکن ہڈ کو نہ صرف دو مختلف اشخاص خیال کرنے کا بلکہ یہ بھی کہ لارڈ برکن ہڈ نے فریڈرک اسمتھ کی کتاب سے بہت سی باتیں چرالی ہیں۔

زمانۂ جاہلیت سے عربوں میں یہ رواج رہا ہے کہ کسی شخص کو مخاطب کرنے کے لیے کبھی تو فلاں، کا بیٹا اور کبھی فلاں کا باپ (اسی طرح فلاں کی بیٹی یا فلاں کی ماں) اور اسی طرح محض کسی لقب کا بھی استعمال کیا جاتا تھا۔ اسلامی دور میں خلفاء کے زمانے سے خاص کر عباسی دور میں حکومت کی طرف سے ممتاز اشخاص کو اعزازی خطاب دیئے جاتے تھے۔ اسی طرح کسی شخص کو اس کے جان

پہچان کے لوگ بھی کسی نہ کسی نام یا لقب سے یاد کرتے ہیں۔ یہ عادتیں صرف عربوں کی نہیں ہیں۔ ناموں اور القاب کے متعلق کتاب دو طریقے پر تالیف کی جاسکتی ہے۔ ایک یہ کہ ایسے سارے یا بہ کثرت ناموں کو جمع کر کے انھیں حروف تہجی پر مرتب کیا جائے۔ اور ایک ہی شخص کے جو مختلف نام ہیں ان کا حوالہ دیا جائے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ ایک ایسی کتاب لکھی جائے جو ناموں میں پیدا ہونے والی تبدیلیوں اور اختلافوں پر مجرد انداز Abstract میں بحث کرے۔ ذناسی نے اس دوسری قسم کو اختیار کیا ہے اور اس کی تالیف اول الذکر نزکی کی کتاب کی اچھی تمہید بن سکتی ہے[1]

ذناسی نے کوشش کی ہے کہ اس کے زمانے میں مسلمانوں میں جو نام رائج ہیں ان کے اشتقاق کا پتہ چلائے اور یہ دیکھے کہ وہ ابتدائے اسلام میں بھی پائے جاتے تھے یا نہیں۔ وہ یہ بھی بتاتا ہے کہ بعض نام ایسے ہیں جو مسلمانوں میں بھی مروج ہیں اور عیسائیوں اور یہودیوں میں بھی۔ اس کی وجہ سادہ ہے اسلام میں ان پیغمبروں کو بھی مانا جاتا ہے۔ جن کے نام بائبل میں ہیں اور قرآن نے ایسے درجنوں نام نقل کئے ہیں۔ ذناسی نے ناموں کے اشتقاق کا پتہ چلانے کی بھی کوشش کی ہے۔ جہاں تک عربی زبان کا تعلق ہے اس موضوع پر ابن دُرَید کی مشہور کتاب "کتاب الاشتقاق" موجود ہے۔

یہ ظاہر ہے کہ ذناسی کے یہاں اس موضوع پر کچھ عام معلومات ملتی ہیں مگر وہ بھی کوئی ایسی کتاب نہیں جس میں اسلامی ادبیات میں پیش آنے والی دشواریوں کو حل کرنے کے لیے حوالے کی کتاب کے طور پر استعمال کی جاسکے۔

ذناسی نے بیان کیا ہے کہ بعض وقت ہندوستانی مسلمان اپنے بچوں کو ہندوانہ نام بھی دیتے ہیں اور بعض ہندو بھی بچوں کا عربی یا فارسی نام رکھتے ہیں۔ مثلاً ہندوستان کے پہلے وزیر اعظم کا نام جواہر لعل نہرو عربی ہے۔ جواہر کے معنی قیمتی پتھر۔ لعل کے یاقوت اور نہرو کے معنی نہر پر رہنے والا۔ ذناسی کی کتاب کا ایک حصہ نظم ونسق کی اصطلاحوں سے متعلق ہے۔ اسی طرح ایک حصہ میں قلمی ناموں کا ذکر ہے

---

[1] یہ بات بعد میں کی بھی گئی۔ دیکھئے ژورنال ازیاتک ۱۹۰۷ء جہاں اے۔سی۔ باربی۔ اے دو مینار کی فرانسیسی کتاب" عربی ادبیات میں لقب اور کنیتیں" جو حروف تہجی پر مرتب ہیں۔

● "لباس پر عربی فارسی یا ہندوستانی الفاظ کاڑھے جاتے ہیں۔ اس پر ایک یادداشت"
پیرس ۱۸۳۸ء ۲۲ صفحات۔ مطبوعہ ژورنال ازیاتک۔

ہندوستان سے آئے ہوئے بعض کپڑوں پر جو الفاظ کڑھے ہوئے نظر آتے ہیں۔
دتاسی نے اس مضمون میں ان کو پڑھنے کی کوشش کی ہے۔ معلوم نہیں کہ کپڑے پیرس کس طرح پہونچے اور یہ کہ وہ اب کہاں ہیں؟ اس بارے میں دتاسی نے صرف یہ بیان کیا کہ "ہمارے معزز رفیق کار موسیو رکیتی نے ہندوستان کو دوبارہ روانہ ہونے سے پہلے مجھے کچھ کپڑے سپرد کئے جو بہت عجیب ہیں وہ اسے کلکتہ میں قیام کے دوران دستیاب ہوئے تھے[1]"

ان کی اہمیت یہ ہے کہ "یہ کپڑے مشہور مصلح سید احمد (شہید) کے تھے۔ اور ان پر جو چیزیں کاڑھی گئی تھیں وہ خود ان کی دستکاری یا ان کا ڈیزائن انھوں نے بنایا ہے۔ بہرحال ان پر جو عربی جملے ہیں۔ ان کا انتخاب انھیں نے کیا تھا اور غالباً ان کپڑوں پر جو فارسی الفاظ اور خصوصاً ہندوستانی اشعار ہیں۔ اس حصے کے مؤلف بھی وہی ہیں[2]"

شروع میں دتاسی نے انیسویں صدی عیسوی کے ہندوستان کی اس مشہور شخصیت کی سوانح عمری دی ہے۔ پھر سید احمد بریلوی کے متعلق ایک اہم انکشاف کرتا ہے کہ وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے مصر اور ترکی سے بھی پہلے یہ سوچا تھا کہ مسلمانوں میں قرآن کو پھیلانے کے لیے طباعت اور ترجمہ سے کام لیا جائے۔ چنانچہ سید احمد نے ہگلی کلکتہ میں مطبع احمدی کے نام سے ایک پریس قائم کیا تھا جس میں انھوں نے مختلف رسالے ہندوستانی یا فارسی میں چھاپے ہیں اور ان سب کا مقصد یہ تھا کہ جو اصلاح چاہتے ہیں اُس کا پرچار کریں، وہیں قرآن مجید کا ہندوستانی ترجمہ بھی شائع ہوا اور سید احمد شہید نے اس کام کیلئے اپنے ایک مرید کو آمادہ کیا تھا۔ اشاعت کے اس کام میں یورپیوں کو کوئی دخل نہیں رہا۔ چنانچہ دتاسی لکھتا ہے کہ:

"اس ترجمہ کا مؤلف بھی ایک مسلمان ہے مطبع میں کام کرنے والے لوگ بھی مسلمان

---

[1] کپڑوں پر یادداشت ص۳

[2] 〃 〃 〃 ص۳ تا ص۴

تھے۔ ناشر بھی مسلمان تھا اور اس کے جو اشتہار تقسیم ہوئے وہ صرف مسلمانوں کو بھیجے گئے۔[1]

آگے لکھا ہے کہ ہمیں معلوم ہے کہ سید احمد کو ۱۸۳۱ء میں ایک لڑائی میں سکھوں کے ہاتھ شہادت حاصل ہوئی۔ کپڑوں پر عبارتیں پڑھنے سے نظر آتا ہے کہ وہ فوجی لباس ہیں اور ان میں خدا سے جنگ میں فتح اور مدد کی دعا کی گئی ہے۔

دناسی کا بیان ہے کہ ان میں چند عربی الفاظ کا املا غلط دیا گیا ہے۔ اگر ایسا ہے تو یقین کرنا پڑتا ہے کہ ان کے مؤلف سید احمد شہید نہیں کیونکہ وہ بڑے عالم تھے۔

جن چیزوں پر یہ عبارتیں کاڑھی گئی ہیں ان کی تعداد آٹھ ہے ایک شال، دو کمر بند، ایک صدری آستینوں دار، ایک صدری بلا آستین اور تین ٹوپیاں۔ دناسی نے چھوٹے سائز پر ان کی تصویریں بھی شائع کی ہیں۔ مسلم بادشاہ اور مجاہدین اکثر جامۂ قرآن پہن کر محاذ جنگ پر جاتے تھے۔ حافظ رحمت خاں اور ٹیپو سلطان کے جامہ ہائے قرآن ابھی عجائب خانوں میں محفوظ ہیں۔ ممکن ہے دناسی نے اسی نوع کا کوئی جامہ دیکھا ہو جو بالا کوٹ کی لڑائی کے بعد انگریزوں کے ہاتھ پڑا ہو۔

---

[1] کپڑوں پر یادداشت ص۵ تا ص۶

متفرق مطبوعات

اُردو کے چند نادر خطوط

"محبّت کی مجلس کے چراغ"

سنہ ۱۸۳۳ء میں گارسین دتاسی نے بڑی تقطیع کے ۶۸ صفحوں میں بعنوان ضمیمہ ہندوستانی کی مبادیات **Appendice aux Rudiments de la langue Hindoustanie** شائع کی۔ اس کتاب[1] میں اس نے اُردو کے ۱۸ خطوط شامل کئے۔ سرورق پر مندرجہ ذیل اُردو جملہ مع فرانسیسی ترجمے کے درج کیا گیا "نحو کلام میں جیسی نمک طعام میں" چونکہ اس وقت یائے مجہول کا رواج نہیں ہوا تھا اس لئے "جیسے" کو "جیسی" لکھا گیا۔ یہ عربی کہاوت "النحو فی الکلام کالملح فی الطعام" کا ترجمہ تھا۔

بدقسمتی سے ان خطوط میں مرسل اور مرسل الیہ کا نام اور مقام موجود نہیں۔ اپنے مختصر دیباچہ میں دتاسی لکھتا ہے کہ یہ خطوط اسے حسب ذیل دوستوں کے ذریعے حاصل ہوئے۔ مگر یہ تفصیل نہیں لکھی کہ کون ساخط کس نے بھیجا۔

---

[1] ناشر کا نام اور پتہ: **De Buze rrere Librarie de la Bibliotheque du roi, Rue no. 7 Serpente,**

پیرس میں یہ گلی تو اب تک باقی ہے مگر ڈیڑھ سو برس پرانی دوکان غائب ہو چکی ہے۔

۱. میجر اینٹنی ٹروییر[1] ۔ کلکتہ

۲. کیپٹن جیمز مائیکل[2] ہیلی بری کالج (انگلستان)

۳. ڈنکن فوربز[3] ۔ اورینٹل انسٹی ٹیوٹ لندن

۴. موسیو ایمدے ہلن ۔ پانڈی چری ۔

۵. ڈاکٹر لوزیب دسال ۔ مدراس

۶. ڈاکٹر جی ۔ اے ۔ ہرکولٹس[4] ۔ مدراس ۔

یہ خطوط جو ابتک اردو قارئین کے لیے منظر عام پر نہ آسکے تھے اور پہلی مرتبہ شائع کئے جارہے ہیں تاریخی اور ادبی اعتبار سے بے حد اہم ہیں ۔ یہ اس حقیقت کا اظہار کرتے ہیں کہ اُردو

---

[1] میجر اینٹنی ٹروییر کلکتہ ہندو کالج کے معتمد اور سنسکرت اور فارسی کے عالم تھے ۔ ہندوستان سے واپسی پر پیرس میں سکونت اختیار کی اور وہیں بعد میں ۹۳ سال کی عمر میں ۱۸۶۹ء میں انتقال کیا۔ دتاسی کے لئے انھوں نے متعدد قدیم مخطوطے نقل کروائے تھے۔ ٹروییر نے "دبستانِ مذاہب" اور "راج ترنگنی" کے انگریزی ترجمے کی تکمیل کر کے شائع کئے۔ ان کے مضامین پیرس کے ژورنال ازیاتک میں چھپتے رہتے تھے۔

[2] کیپٹن جیمز مائیکل اردو داں ہیلی بری کالج سے متعلق تھا اس نے "انتخاب اخوان الصفا" (اردو از اکرام علی) کو لندن سے ۱۸۲۹ء میں ایڈٹ کیا۔

[3] ڈنکن فوربز گلکرسٹ کے شاگرد اور لندن کے ادارۂ شرقیہ کے بانیوں میں تھے۔ ۱۸۳۷ء میں کنگز کالج لندن میں السنہ شرقیہ کے پروفیسر بنائے گئے۔ دتاسی کے گہرے دوست تھے ۔ فوربز نے باغ و بہار کو مرتب کر کے پہلے رومن اسکرپٹ میں شائع کیا اور ۱۸۶۲ء میں فارسی رسم الخط میں چھپا۔ لندن میں اس کی وفات ۱۸۶۸ء میں ہوئی۔

[4] ڈاکٹر جی ۔ اے ۔ ہرکولٹس نے "قانون اسلام یا ہندوستان کے مسلمانوں کے رسم و رواج" (از جعفر شریف) کا ترجمہ لندن سے ۱۸۳۲ء میں شائع کیا۔

زبان میں عام خط وکتابت اُردو کے روایتی مراکز سے بہت دور مدراس اور پانڈیچری میں بھی کی جارہی تھی۔ خواص وعوام بے تکلفی سے اُردو میں خط لکھتے تھے۔ ان کا اسٹائل اس فارسی آمیز طرز قدیم سے مختلف تھا جو اردو مکاتیب کے اولین مجموعے انشا خرد افروز، مکتوبات احمدی و محمدی اور رقعات عنایت علی انشاء میں شامل ہیں۔ والاجاہ نواب محمد علی خاں والیٔ ارکاٹ کے اخلاف کی اپنے خانگی اور جائداد کے معاملات کے متعلق فارسی خط وکتابت جو نقوش (لاہور) خطوط نمبر (شمارہ ۱۰۹۔ اپریل مئی ۱۹۶۸ء) میں شائع کئے گئے ہیں اور ۳۵-۱۸۳۳ء کے عرصہ میں لکھے گئے تھے۔ اس مجموعہ میں چند رقعات پرانی اردو کے بھی موجود ہیں مثلاً سپریم کورٹ مدراس کا ایک سمن "اہل کورٹ سے شرلیف کو یہ حکم ہے کہ وہ قیام الدولہ اور قمر الدولہ فرزندان ممتاز بیگم زوجہ جو وارثاں ہیں نواب سیف الدولہ بہادر مرحوم کے اور عمدہ مسلمان باشندے ہیں مدراس کے۔ سوان کو سمن کرے حاضر ہونے چہارشنبہ کو روز تیسری تاریخ کو جون کے...." وغیرہ وغیرہ۔ دکھنی اردو میں لکھا ہوا ایک شادی کا دعوت نامہ اور تین چار عرضیاں اور چیٹھیاں بھی اس مجموعے میں شامل ہیں:

مرزا غالب نے شاید ۱۸۵۰ء کے لگ بھگ اُردو میں خط وکتابت شروع کی اور عام طور پر یہ خیال کیا جاتا ہے کہ سب سے پہلے انھوں نے فارسی کے پُر تکلف القاب و آداب ترک کرکے بے تکلف اور غیر رسمی اندازِ تحریر اپنایا اور مراسلے کو مکالمہ بنا دیا۔ لیکن گارسین دتاسی نے جو خطوط اپنے مجموعے میں پیش کئے ہیں وہ مرزا غالب سے بہت پہلے لکھے گئے تھے۔ دتاسی کے مکتوب نگار کسی ایک خطے، طبقے یا فرقے سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ یہ اٹھارہ خطوط ہندوستان کے مختلف دور افتادہ علاقوں میں لکھے گئے۔ کلکتہ، مدراس، پانڈیچری، دکھن اور شمالی ہند اور مکتوب نگار اوائل انیسویں صدی کے معاشرہ کے **Cross Section** کے نمائندہ ہیں۔ جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ اُردو زبان اس وقت ہندوستان کے طول وعرض میں نہ صرف بولی اور سمجھی جارہی تھی بلکہ اس میں نجی اور کاروباری خط وکتابت بھی رائج ہو چکی تھی اور روزمرّہ کی زبان میں خط لکھے جارہے تھے۔ اس مجموعے میں راجہ موہن رائے کا مراسلہ موجود ہے اور انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی اور فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی میں

ملازمت کرنے والے یا ملازمت کے خواہاں عام ہندوستانیوں کے خطوط بھی ملتے ہیں مکتوب الیہ فرنگی افسر ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انگریز اور فرانسیسی افسر بھی اُردو میں خط و کتابت کرتے تھے ۔ تیسری اہم بات دتاسی کے اس مجموعے سے یہ ثابت ہوتی ہے کہ جس طرح ملک محمد جائسی کی پدماوت فارسی رسم الخط میں لکھی گئی تھی اسی طرح اوائل انیسویں صدی تک اودھی اور بھوجپوری بولیاں بھی اردو رسم الخط میں قلم بند کی جاتی تھیں یہ دستور بعد کو ہوا کہ جن لوگوں کی مادری زبان پنجابی ، اودھی یا بھوجپوری ہے وہ خط و کتابت اردو یا ہندی میں کرنے لگے ۔ دتاسی نے اپنے اس مجموعے میں ایک خط ایک مارواڑی بنیے کا بھی پیش کیا ہے وہ اردو میں لفظ "میں" کے بجائے مارواڑی "مانڈ" استعمال کرتا ہے ۔

ان خطوط سے اس زمانے کے سیاسی و سماجی حالات پر بھی روشنی پڑتی ہے ۔

نوٹ : قارئین کی سہولت کی خاطر ضرورت کے مطابق یای معروف کی جگہ یائے مجہول بریکٹ میں لکھ دی گئی ہے ۔

کتاب میں "ہندوستانی خط اصلی" کے عنوان سے پہلا خط جو کسی نے اپنے دوست کو لکھا ہے۔ رسمی القاب و آداب کے بجائے دلاویز بے تکلفی سے شروع ہوتا ہے۔ یہ خط غالباً مدراس سے پانڈیچری بھیجا گیا ہے۔

اس خط سے پانڈیچری کے تامل باشندے اور زناسی کے عزیز شاگرد ای بیسے کے اس بیان کی تصدیق ہوتی ہے کہ ۱۸۴۴ء میں کرومنڈل سے مالابار تک بارہ سو میل کے دوران سفر اس نے ہر جگہ اردو میں بات چیت کی تھی اور جنوبی ہند میں یہ ایک رابطہ کی زبان کا درجہ اختیار کر چکی تھی۔

ہندوستانی خط اصلی

(۱)

محبت کی مجلس کے چراغ، خدا تم کو ہمیشہ روشن رکھے

مدت ہوئی کہ نہ کوئی خط تمہارا مجھے پہنچا نہ کچھ خبر تمہاری خیریت کی کسی کی زبانی سننے میں آئی نہ اس طرف کے آنے والوں سے کسی کے ساتھ ملاقات کا اتفاق ہوا، جو احوال تمہارا پوچھتا۔ اس لیے خاطر میری نہایت متفکر ہے۔ چاہیے کہ اس خط کے پہنچتے ہی دو چار سطریں اپنی خیر و عافیت کی لکھ کر بھیجیے کہ میرے دل کو اطمینان حاصل ہووے اور مجھے تھوڑا سا گلاب درکار ہے۔ اگر ہو سکے تو دو تین قرابے گلاب کی کسی بیوپاری کی کشتی میں بھیج دیجیے اور قیمت اس کی جو کچھ ہو سو لکھ کر ارسال کیجیے کہ یہاں سے بطریق ہنڈوی تمہاری خدمت میں بھیجا جائے۔ زیادہ کیا تصدیع دینے میں آوے۔

اقبال کا گل ہمیشہ شگفتہ رہے۔ ••

خط نمبر ۲ اور ۳ کے راقم رضا علی خاں فرانسیسی ہند کے شہری تھے۔ انہوں نے یہ خط غالباً کسی فرانسیسی مربی یا افسر کو اس کے اردو میں لکھے ہوئے خط کے جواب میں تحریر کئے۔ ان کے فرانسیسی ترجمے میں دتاسی لکھتا ہے کہ یہ خط ۱۸۲۷ء میں شہر "یاناون" میں لکھے گئے۔ اسی لئے انگریزی کی جگہ فرانسیسی الفاظ ملتے ہیں مثلاً ماہ جون اور جولائی کے بجائے "ژیئں" اور "ژ یت" ہے۔

مکتوب نگار اس شہر سے نالاں نظر آتا ہے اور لکھتا ہے کہ "اردی" کے سوا وہاں کوئی اور زبان سننے میں نہیں آئی۔ دتاسی کے مطابق اس سے اڑلیسہ کی زبان مراد ہے لیکن اس کا یہ خیال صحیح نہیں کیونکہ اڑلیسہ کی زبان کو "اڑیا" کہتے ہیں۔ بقول ڈاکٹر گریرسن دکن اور شمالی ہند کے مسلمان تامل کو "اروا" کہتے تھے، جو مدراس اور پانڈیچری وغیرہ میں بولی جاتی تھی اور اب بھی بولی جاتی ہے۔ مکتوب نگار نے اسے "اردی" لکھا ہے۔ جس شخص کو فرانسیسی نہ آتی ہو اسے اس خط کے چند الفاظ سمجھنے میں دقت ہوگی۔ مثلاً انگریزی کے لیفٹیننٹ کو رضا علی خاں فرنچ لوتنیاں لکھتا ہے کمانڈانٹ کو کماندان وغیرہ۔ وہ مکتوب الیہ کو یہ بھی لکھتا ہے اردو لکھنے کی مشق جاری رکھیں اس کی دکنی اردو سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ وہ حیدر آباد، کرناٹک یا مدراس کا باشندہ ہے اور فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کی کسی رجمنٹ میں اُردو پڑھانے پر مامور ہے۔

(۲)

صاحب مشفق مہربان فیض بخشنے والے اور غریبوں کو پرورش کرنیہارے، سلامت رکھے اللہ تعالے تمہارے تئیں اور تمہارے عیال و اطفال کو۔

بعد از عرض کرنے سلام نیاز کے اور آرزو ملاقات کی نہ اس قدر ہے کہ قلم سے لکھا جاوے اور تمنا ہمکلامی کی نہ اس قدر ہے کہ زبان سے کہا جاوے۔ اس واسطے ملاقات کے اشتیاق کو یک دو لفظ میں آخر کرکر آپ کی خدمت عالی میں احوال اپنا ظاہر کرتا ہوں۔ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور آپ کی مہربانی سے میں اور میرے اقربا ژیت کے مہینے کی دسویں تاریخ تک خیریت سے ہیں۔ آپ کی خیر و عافیت کے واسطے شب و روز بلکہ ہر ہر دم حق سبحانہ و تعالیٰ کی جناب میں دعا کرتے ہیں۔

مہربان سلامت آپ کا عنایت نامہ جو ژیئین کی دوسری تاریخ کا لکھا ہوا ژیت کی چوتھی کو پہنچا۔ اس کے مضمون سے یہ فدوی بہت خوش و خرم اور مسرور ہوا اور تمہاری خوش عبارت نے میرے دل کے گلشن کو طراوت بخشی اور تمہارے دست مبارک سے لکھے ہوئے خط کو میں آنکھوں کو لگا کر ہزار با بوسے دیکر میں اپنے دل کی گلی کے پہنے کر رکھا ہوں محسن میرے اگرچہ ظاہر میں میں تمہاری خدمت سے دور ہوں لیکن دل میرا ہمیشہ تمہارے حضور میں رہتا ہے۔ خدا آگاہ ہے، میں ہمیشہ اپنے چشم دل سے تمہاری ملاقات فیض آیات سے مفتخر ہوں۔ آپ اپنے خط میں لکھتے تھے کہ موسیئے دوازئی صاحب کو اور دوروں صاحب کو سلام بولو کر کر آپ کے حکم اشرف کے موافق ان صاحبوں کو کہدیا۔ عبداللہ خاں کے واسطے میں آپ سے کچھ سفارش کرنا ضرور نہیں کس واسطے کہ آپ اس پر ماں باپ سے زیادہ الطاف رکھتے ہیں۔ بڑے صاحب کو عبداللہ خاں یوسف بیگ اور شیخ حسین کو وہاں بلا بھیجنے کا سبب کچھ معلوم نہیں ہوا۔ شیخ بڑے میرے دوست ہیں۔ آپ کی فرمایش کے موافق اور تھوڑے دنوں میں یک بہتر کتاب میں اپنے ہاتھ سے لکھ کر بھیجتا ہوں۔ شیخ فرید خوب ہیں۔ اپنی امانت پہنچا دیا۔ میرے استاد حضرت قادر حسین صاحب کی جناب فیض مآب میں اس فدوی کی طرف سے آداب قدم بوس عرض

کرنا۔ الطاف فرمانے والے میرے، اگر صاحب کو یہاں کی اشیاء کچھ مطلوب ہو تو منجھ پر توجہ فرماکر فرمائش کیجے تو میں اپنی سرفرازی سمجھ کر حتی المقدور بخوشی تمام ارسال رکھوں گا۔ مجھے امید ہے کہ صاحب کے اور صاحب زادے کے مزاج مبارک کی خوشخبری سے خوشحالی بخشتے رہیں گے۔ کمندان دلارش صاحب اور کپتان لمبر صاحب کو میرا اسلام بولنا۔ صاحب میرے آپ کی فرصت کے وقت مشق کرتے رہنا بہتر ہے۔ اے جوہر شناس، یہ عجب ملک ہے کہ اس کی چوحدی میں مسلمان مرد آدمی کی صورت اروپ ہے۔ رات دن گلی کوچے میں اور ہاٹ بازار میں سوائے اروی زبان کی آواز کسی دوسری زبان اب تک نہیں سنا۔ پس میں اپنے دل میں یقین کر چکا کہ یہ بستی یک قید خانہ ہے، جو گنا ہگاروں کو تازیر (تعذیر) دینے کے لیے خدائے تعالیٰ بسایا ہے۔ اگر اسی طرح تھوڑے روز یہاں رہوں تو میں اپنی ذات کی زبان مطلق بھول جاؤں گا۔ اس بات میں آپ ہرگز شک نہ لایئے لیکن یہاں کے رئیس تمام سوداگر ہیں۔ اور تجارت کے سبب سے مرفع (مرفہ) الحال ہیں اور شہر بھی ان کے پسند آیا ہے۔ غرض آپ بھی تو اس بستی کے رونق افزا ہو کر تھوڑے روز یہاں تشریف رکھے تھے۔ پس اس بستی کا ڈول آپ سے بیان کرنا زیادہ سمجھ کر خاموش ہوا۔ صاحب میرے، یہاں کی نوکری کی کیفیت یہ ہے کہ جس جگہ یک کپتان یک لوتنان یک سو لوتنان یک سوبیدار (صوبہ دار) اور ایک جمعدار رہتے تھے اس جائے پر یک کپتان اور یک صوبیدار رہتے ہیں سو تم کو تو خوب عیاں ہے۔ پس لکھنا کیا حاجت۔

بندہ پرور سلامت، یہ فرماں بردار دور ہی کر کر آپ کے الطاف اور مہربانی میں کچھ کم نا کرنا مجھے آپ کے حضور میں ہمیشہ حاضر سمجھ کر قدیم مہربانیاں فرماتے رہنا۔ میں تمہارا خیر خواہ ہمیشہ تمہاری حیات کی درازی کے واسطے اور دولت کی ترقی کے لیے جناب باری میں ہاتھ اچایا ہوا رات دن

دعا کرتا ہوں ۔ پھولپری میں میری سفارش اور حامی اور پشتیبان تمہارے سوائے کوئی نہیں ہے یہ آپ خوب جانتے ہیں ۔

زیادہ سوائے سلام شوق اور اشتیاق ملاقات کے کیا عرض کروں ۔

تمہارا احسان مند اور فرمانبردار

رضا علی خاں

••

خط نمبر۳ کا مخاطب بھی کوئی فرانسیسی افسر ہے جس نے رضا علی خاں سے کچھ اُردو کتابیں منگائی تھیں۔ وہ جواب دیتا ہے کہ بڑی تلاش کے بعد چہار درویش دستیاب ہوئی ہے۔

اس خط میں بھی رضا علی خاں بہت سے فرانسیسی الفاظ استعمال کرتا ہے مثلاً " لو بیتنا کو مندان کروزک صاحب یہاں تشریف لائے جب سے نوکری کمپنی کی بہت درستگی سے چلتی ہے اور کومیسر دمرین ادمنسترا تر مونسیو دکلیر۔ یہ فرانسیسی میں یوں ہوگا:

Lieutenant Commandant Kerusec Commissaire de Marine administrateur monsieur Ducler

مغربی ساحل کے باشندے عموماً جہاز راں ہوتے ہیں اور ان کے یہاں یہ نام **Duclerque** ملتا ہے۔

اسی خط میں رضا علی خاں کہتا ہے کہ " موسئی دکلیر سری پر سے گر کر بہت ہلاک ہوئے " اس کا ترجمہ گارسیں دتاسی نے فرنچ میں اس طرح کیا کہ " موسیو دکلیر سری SRI نامی درخت سے گر کر سخت مجروح ہوئے " اور لفظ " سری " پر ایک عالمانہ نوٹ دیا ہے کہ اسے **Crataeva Marmelos** یا **AEGLE** کہتے ہیں۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایک عالی مرتبت بحری افسر کو درخت پر چڑھنے کی ضرورت بلا وجہ کیوں پیش آئی۔ علاوہ ازیں ہلاک کا ترجمہ " سخت مجروح " بھی غلط ہے۔ رضا علی خاں اردو کی اچھی استعداد نہیں رکھتا تھا جب ہی تو وہ لکھتا ہے کہ موسیو دکلیر نے " بہت ہلاک ہونے کے بعد اللہ کے فضل سے شفا پائی "۔ اس نے ہلاک زخمی ہونے کے معنی میں استعمال کیا اور اسی لئے

دناسی نے اس کا ترجمہ مجروح کیا۔ البتہ سری کو سیڑھی سمجھنا زیادہ مناسب ہوگا کیونکہ جہازوں پر سیڑھیاں ہوتی ہیں اور عمارتوں میں بھی جن پر سے ایک اعلیٰ بحری افسر گر کر یقیناً مجروح ہو سکتا ہے۔

اپنے فرانسیسی نوٹ میں دناسی لکھتا ہے کہ " مذکورہ لیفٹننٹ کمانڈر دکلیر فرانسیسی بستی کاریکال میں تھا۔ ابھی ابھی فرانس آیا ہے اور اپنے ساتھ وہاں سے بہت سی تصویریں، سنسکرت اور تامل زبان کے مخطوطے لایا ہے جس پر اس نے فرانسیسی انجمن سوسیتے ازیاتک میں ایک لیکچر بھی دیا (دیکھو رسالہ جدید ژورنال ازیاتک جلد ۱۰ صفحہ ۸۴)۔

(۳)

صاحب والاقدر غریب پرور مشفق مہربان فیض بخش فیض رسان دام الطافہ

بعد از عرض کرنے سلام شوق کے آپ کی خدمت عالی میں عرض یہ ہے کہ الحمدللہ، اللہ تعالیٰ کے فضل سے اور آپ کی مہربانی جو ہمیشہ اس فدوی کے سر پر چھتر ہے رمضان شریف کی چوبیسویں تاریخ اور اپل کے مہینے کی دسویں تک میں اور میرے قبایل سب خیریت سے ہیں اور صاحب کی خیریت اور بی بی صاحب (صاحبہ) اور صاحبزادے کی خیر و خوبی کے لیے دن رات حق سبحانہ تعالیٰ کی درگاہ عالی میں کوئی خط لکھا نہیں بلکہ آپ کے خط کا جواب بھی نہ لکھا یہ نشانی میری کم نصیبی اور نالائقی کے سوائے اور کچھ نہ کہا چاہیے لیکن انصاف سے پوچھیے تو جہان میں کوئی شخص بھی اپنے نقصان کا روادار نہ ہوگا باوجود اس کے میں اپنے اوپر اس واسطے روا رکھا کہ میری بیماری نے میرے ہاتھوں کی زنجیر ہوئی تھی۔ اب میں ہزار ہزار شکر کرتا ہوں کہ اس خدائے رحیم اور کریم کی جناب فیض مآب میں کہ جو آپ نے فضل و کرم سے مجھے شفا بخشا اور میرے ہاتھوں کی زنجیر کو کافور سا اڑا دیا اور میں آپ کی خدمت میں خط لکھنے کی خوش نصیبی حاصل کیا۔ خدا اس کا گواہ ہے۔ غریب پرور سلامت آپ کی خدمت میں یہی عرض کرتا ہوں کہ اس باب میں آپ کی خاطر مبارک پر کسی نوع کی

کدورت نہ رہے کس واسطے کہ ہمیشہ چھوٹوں سے خطا ہوتی ہے اس کو بزرگان اپنی بزرگی کے ناتے سے معاف فرماتے رہتے ہیں۔ پس مجھے خوب امید اور یقین کامل ہے کہ میری تقصیر بھی معاف فرمائیں گے۔ غرض اللہ تعالیٰ آپ کو سب چیز سے سرفراز فرما کر غافل کیا ہے اس واسطے میں اپنی تقصیر کا عذر اور مجاز کی شکایت زیادہ لکھنا حاجت نہیں اور مجھے وہی قدیم فرمانبردار سمجھ کر آپ کی خیریت کی خوشخبری کے خطوط سے سرفراز فرماتے رہنا۔ مشفق میرے، آپ کی فرمائش میرے دل پر نقش کالحجر یعنی پتھر کی لکیر کی سر کبھا ہے۔ کیا کروں یہ شہر ایسا ہے کہ سوائے سپاہی پیشے کے دوسرا کوئی گھر مسلمان مرد آدمی کا نہیں اور یہاں کے مسلمانان بھی چولیوں کی صحبت سے آدھے تیتر آدھے بٹیر بن رہے ہیں یہاں کوئی کتاب ایسی نہیں ملتی ہے جو اس کی نقل صاحب کے مطالعے کے کام آوے۔ موسیئو یحییٰ صاحب بھی آپ کی فرمائش کی تالاکش بن ہیں اور میں بھی اس کام کے لیے ناگور شریف اور ناگ پٹن تک ڈھونڈھا پن کوئی کتاب ہاتھ نہ لاگی مگر یک بات ہے۔ چہار درویش کی کتاب حضرت قادر حسین صاحب قبلہ کے پاس یا حضرت غلام مصطفےٰ خاں صاحب کے مکان میں ہے۔ حضرت قادر حسین صاحب سے بول کر مستعار لے کر منار نایک سپاہی پندرا روز کی رضا لے کر وہاں آیا ہے اس کے ہاتھ بھیجی تو انشاء اللہ تعالےٰ یک مہینے کے عرصے میں اس کی نقل لکھ کر دونو کتاب بھیج دیتا ہوں اور کیفیت یہاں کی لوٗ یتنا کو منداں کروزک صاحب یہاں تشریف لائے جب سے نوکری کمپنی کی بہت درستگی سے چلتی ہے اور کو میسر دمرین ادمنسترا تر موسیئو دکلیر صاحب سری پر سے گر کر بہت ہلاک ہوئے لیکن بہت نیک سردار ہونے کے سبب سے ان کی نیکی اور ان کے (اوروں کے) آگے آئی جو اللہ تعالےٰ کے فضل سے شفا پائی اور یہاں دیوار گر کر یک بیلدار مرگیا اور یک دو برس کا لڑکا گنتے ہیں (۱) پڑ کر مرگیا اور وہاں کی خبر کچھ مفصل معلوم نہیں ہوتی۔ لوگ عوام الناس کہتے ہیں کہ کمپنی بدلتی ہے

کر کر مگر کومندان سے پوچھا تو کہنے لگے کہ کچھ معلوم نہیں۔ زیادہ سوائے شوق ملاقات اور سلام شوق کے کیا لکھوں مگر عذر تقصیر کا حضرت قادر حسین صاحب قبلہ کی خدمت میں آداب و بندگی عرض کرنا اور آپ کی بی بی صاحب کی خدمت میں بہت سلام فرما دینا۔ کمندان صاحب کی خدمت میں بھی بہت سلام و نیاز رکھ دینا۔

تمہارا فرمانبردار

رضا علی خاں

شیخ فرید آپ کو بہت سلام بولے ہیں۔

خط نمبر ۴ کسی نواب صاحب کو گھوڑوں کی خریداری کے سلسلے میں لکھا گیا ہے۔

(۴)

نواب نامدار سلامت

آپ کا خط گھوڑوں کی طلب میں پہنچا اور اس حقیر کو سرفراز فرمایا۔ فدوی نے خط کے پہنچتے ہی ہرکارے تلاش کے لیے، جا بجا بھیجے چنانچہ چار گھوڑے بہت خاصے اصیل بے عیب ہزار رُپے کو ایک جگہ سے ہاتھ آئے اور ان کو حضور عالی میں ارسال کیا اور چار سئیس اور دو سپاہی ان کے ساتھ کر دیے۔ امید کہ جس وقت وے حضور میں پہنچیں اس وقت سرکار کے منشیوں کو حکم ہووے کہ ان کی رسید فدوی کو لکھیں۔ زیادہ حد ادب ••

خط نمبر ۵ غالباً کسی اردو پڑھانے والے منشی کا ہے جو احاطہ مدراس کے کسی انگریز کو لکھا گیا ہے۔ خط میں " کڑپہ " کی عدالت کا ذکر ہے۔ کڑپہ کے متعلق دتاسی نے نوٹ دیا ہے کہ اس شہر کی تاریخ اور حالات ہیملٹن کی ایسٹ انڈیا گزیٹر میں ملتے ہیں۔ اُردو کے " گرفت صاحب " کو دتاسی نے فرانسیسی ترجمہ میں GREAVES کر دیا ہے۔

(۵)

غریب کو پالنے ہارے اور غریبوں کے سرفراز کرنے ہارے سلامت رکھے اللہ تعالیٰ۔

آداب کورنشات بجا لاکر عرض جناب میں رکھتا ہے، فدوی آپ کے رونق افزا ہونے کی۔ پیش از جیسا کہ صفت اور ثنا سنیا تھا اس سے زیادہ غریبوں کے حق میں دیکھا۔ اللہ تعالیٰ آپ کی ذات کتیں (کے تئیں) ہمارے سر پر سلامت رکھے اور آپ کی ذات کے سوائے ہمارے تئیں دوسرا وسیلہ نہیں اور فدوی کو برون صاحب نوازش فرمائے آٹھ سال سے مقرر کر رکھے ہیں و شاگرد ان میرے تیار ہو کر ایک شاگرد مدراس کے کالج میں نوکر ہے اور ایک شاگرد کرپیکی کورٹ میں نوکر ہے اور میرے فرزند کتیں، برون صاحب نے سفارش کر کر گرفت صاحب کے نزدیک نوکر رکھائے تھے اس واسطے فدوی حضور میں عرض کرتا ہے۔ رحمان بیگ (کی) تئیں عنایت اور سرفرازی سے اپنے صاحبان بہادر ان سے سفارش فرمائے ہیں۔ اسی قدر سے سرفراز کرنا نام اور اوصاف صاحب کا بڑا ہوتا ہے۔ زیادہ حد ادب

خط نمبر ۶ مکتوب نگار کے لب ولہجہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ انگلش ایسٹ انڈیا کمپنی کی فوج کا کوئی پوربی ملازم ہے۔ "اچانک کی چھاونی" کو فرانسیسی ترجمہ میں بارک پور کی چھاونی لکھا گیا ہے۔ مکتوب نگار یہ بھی بتاتا ہے کہ "پرسوں دو کمپنیاں گوروں کی دانا پور چھاونی کو گئی ہیں۔

(۶)

کل ہم اچانک کی چھاونی میں کھیٹی کو تمام روز ڈھونڈھتے پھرے لیکن کہیں اس کا ٹھکانا نہ پایا۔ معلوم نہیں کیا اس کے دل میں آئی کہ ہمارا ساتھ چھوڑ کے چلا گیا۔ ہمارے دل میں رہ رہ کے یہ خیال آتا ہے کہ جب ہم اپنے وطن کو جائیں گے اور اس کی ما آن کے اپنے بیٹے کا حال پوچھے گی اس کو ہم کیا جواب دیں گے۔ بڑی مصیبت میں ہم پڑے۔ خدا ہم کو اپنے فضل و کرم سے اس بلا سے نجات دے اور نہیں تو ان سوچوں میں ہم کو جینا دشوار ہوگا اور آج ہم نے یہ سنا ہے کہاں سے حوالدار کی زبانی کہ پرسوں دو کمپنیاں گوروں کی دانا پور کی چھاونی کو گئی ہیں۔ ایسا نہ ہوا ہو کہ وہ بھی انھیں میں کسی کے ساتھ نوکری کر کے چلا گیا ہو۔ اس واسطے ہم تم کو لکھتے ہیں کہ تم اپنے بھائی پرکاس کو جو اجیٹن صاحب کے ساتھ ہیں لکھ بھیجو کہ کھیٹی کو وہاں ڈھونڈھیں۔ اگر ملے تو اس کو سمجھا کے ایک آدمی معتبر ہمراہ کر کے ہمارے پاس بھجوا دیں کہ ہمارے جی کو اطمینان ہو۔ ••

خط نمبر ۷ کا فوٹو دتاسی کی اس کتاب کے شروع میں دیا گیا ہے وہ فٹ نوٹ میں لکھتا ہے کہ "یہ خط ہندوستانی اردو کے بجائے برج بھاشا میں ہے اور نامانوس الفاظ کو واوین میں دے دیا گیا ہے۔"

یہ خط برج بھاشا میں نہیں بلکہ بھوج پوری میں ہے۔ خط نویس پتہ نہیں چلتا کہ مسلمان ہے یا ہندو لیکن اوپر "اللہ" لکھا ہے اور خط بہت بے ساختگی سے تحریر ہوا ہے۔

(۷)

اللہ

سدھیئ تورے (تیرے) پوت کا (کو) ہم لاکھن (لاکھوں) بیر سمجھا وا کہ ہمرے (ہمارے) پیچھے دوکان پر للوا کے تیر نہ بیٹھا کر اُکے (اس کے) ماتا پتا دیکھیں تو غصہ ہوئیں اور مار پیٹیں (پیٹیں) تورا (تیرا) کیا پھرپن پر وہ اوت ہمری بات کان دھر نہیں سنت (سنتا) ہے اور جب ہم رسوئی کھائے گھر جات (جاتے) ہمرے پیچھے دوکان پر آوت (آتا) ہے اور اُکے (اس کے) سنگ جوبڑ باجی (بازی) کرت (کرتا) ہے۔ تمکا (تم کو) چاہیے کہ اوہکا (اس کو) گھر میں بلائی کے اس (اسے) نیک طرح بوجھائی (بجھائی) دوکہ اگے اُوہکا سنگ چھانڑ (چھوڑ) دے اور نہیں تو ایک دن اُہکا (اس کو) بڑا ٹنٹا بکھیڑا ہوئی اور ہم سے تہسے (تم سے) اہمان (اس میں) کچھ بن نہ پڑی۔ اکے (اس کے) ماتا پتا کا حال تورا (تیرا) جانا ہے کہ جہکے (جس کے) پیچھے پڑت (پڑتے) ہیں اوہکا (اس کو) بیچھت کے بنا نہیں چھوڑت (چھوڑتے) ہیں اور تورے (تیرے) بھائی کے سنگ بہوار کرکے ہم اس جنجال میں پڑے ہیں کہ کچھ کہے (کہیں) نہیں بنت (بنتا) ہے۔ جو روپیہ تورے (تیرے) ہاتھن (ہاتھوں) لیبس (لیا) تھا۔

ابھین تک ایک کوڈی (کوڑی) اُہماں؛ سے (اُس میں سے) نہیں دلیس (دیا) ہے۔
جب ہمراجاکر تکادا (تقاضہ) کرے اُنکے دوارے پر جات (جاتا) ہے تو گھر
ماں (میں) لگ رہت (رہتا) ہے اور جو کبھون راہ باٹ میں بھیٹ ہوت (ہوتی)
ہے، تو ٹال مٹولا کرت (کرتا) ہے۔ ان باتن (باتوں) سے اس (اسے) جاناجات
(جاتا) ہے کہ اُنکی نیّت روپیہ دینے کی ناہیں (نہیں) ہے اور بنا نالش کے کبھون
نہ دیہیٔ۔ ••

خط نمبر ۸ کسی انگریز افسر کے نام فدوی جیون خاں کا عریضہ ہے جس میں اطلاع دی گئی ہے کہ حکم کے مطابق چھبیس لاکھ روپے چھکڑوں پہ لاد کے سپاہیوں کے ہمراہ مہینے کی چار تاریخ کو روانہ کیا گیا۔ نوکروں کے "سنگ" سے اندازہ ہوتا ہے کہ مکتوب نگار غالباً پورب یا اودھ کا باشندہ ہے۔

(۸)

غریبوں کے پالنے والے دام اقبالہ

فدوی جیون خاں آداب تسلیمات بجا لا کر عرض کرتا ہے کہ حضور کا فرمان عالیشان جو خزانے کے مقدمے میں اس حقیر کے نام صادر ہوا تھا، بندے نے اس کے پہنچتے ہی چھبیس لاکھ روپے چھکڑوں پر لاد کر کے سپاہی پیادے چوکی پہرے کے لیے اس کے ساتھ کر بعضی معتمد نوکروں کے سنگ اس مہینے کی چوتھی تاریخ حضور عالی میں ارسال کیا۔

ستارہ اقبال کا نت چمکتا رہے۔ ●●

خط نمبر ۹ کسی میر صاحب کے نام زمینداری کے معاملات سے متعلق ہے۔
"انعام دار" اور "ایما کیا ہوں" سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ بھی دکھن میں لکھا گیا ہے۔

(۹)

میر صاحب بدل مہربان زیادہ ہو الطاف آپ کا

بعد سلام کے واضح ہووے ہمارے گانو میں اب کے سال رمنا اچھا ہوا ہے۔
اگر آپ کے پاگا کے گھوڑے چرائی کی خاطر یہاں بھجواؤ تو اولا ہے۔ میں اس واسطے یہ کام چاہتا ہوں کہ پاگا کے ڈر سے زمیندار کا ظلم مجھ پر اور میری دیہہ پر نہ ہوگا۔ ہر طرح سکھ آنند سے بے کھٹکے رنگ رلیاں مناؤں گا۔ ضرور اس بات میں توجہ فرمایئے۔ دو بچھرے (: بچھیرے) میرے یہاں بکاؤ ہیں۔ ایک سمند نا کند دوسرا کمیت تین سال کا ہر یک کی قیمت واجبی اڑھائی سو روپے ہیں۔
اگر سرکار میں نواب صاحب کی مطلوب ہوں تو منگوا بھیجیے۔ نواز خاں لودی انعامدار چھ بگھے زمین اپنے انعام کی بینچا چاہتا ہے۔ اس کا اس جاے میں تیس درخت آم اور پانچ املی دو جامن کے ہیں۔ دو پختہ باولیاں تالاب کا نالا اس میں سے ہو کر گزرتا ہے یعنی دو فصلہ ہوتی ہے۔ از راہ یگانگت کے ایما کیا ہوں۔ خریدنے میں اس کے جیسی مرضی مبارک۔ زیادہ مہربانی ہو۔ ••

خط نمبر ۱۰ شمالی ہند کے کسی زمیندار نے اپنے بیٹے کو مالگزاری کے معاملات کے متعلق لکھا ہے۔ بھکاری داس تیواری بہاری داس کالیستھ اور بھجو قوال کے تذکرے سے اسوقت کے ماحول کا نقشہ کھنچ جاتا ہے۔

دو بین کھال شیر کی اپنی گھوڑی کو ڈھبٹ کرنے کے لئے کسی "خان دوراں" خاں صاحب نے طلب کی ہیں۔

دتاسی نے ایک نوٹ میں اس خوش عقیدگی کا مضحکہ اڑایا ہے۔

(۱۰)

فرزند سعادت مند میرے، خدا تعالیٰ تمہیں توفیق نیک دیوے

بعد دعا کے معلوم کرو یہاں سب خرد و بزرگ چنگے بھلے ہیں اور لیل و نہار تمہاری خیر و خوبی چاہتے ہیں۔ بھکاری داس تیواری تمہارے پاس آتا ہے اسے ایک ہزار بینسٹھ رُپے سوا آنہ آمدنی سے محصول محل در بیے بلدی کے ایک مہینے کے عرصے میں بلا عذر دے کر رسید لو۔ آئندہ بموجب اسی دستاویز کے یہ رقم حساب میں محل مذکور کے وضع محسوب و مجرا ہووے گی۔ بھجّو قوال کو مطابق سند حضور کے عوض سے تحصیل موضع شکار پور کی ایک رُپیا یومیہ سابق سے جاری تھا۔ شاید عمل میں بہاری داس کایتھ کے وہ روزینہ موقوف ہوا۔ اب تم برس کو نو مہینے کے لیکھے سے شروع سال سن بارہ سے چھتیس فصل سے اسے اجرا کر دو۔ مدت ہوئی کہ تم نے جمع خرچ پرگنی گودل امرآباد اور سرکار سری نگر کا نہیں بھجوایا۔ چاہیے کہ یہ خط دیکھتے ہی حساب کتاب دونوں کا صاف کر کے سانڈنی سوار کے ساتھ روانہ کرو اور اسباب میں توقّف جائز نہ سمجھو۔ خان صاحب والا شان خاندوران خان بہادر دو بین کھال

شیرکی اپنے گھوڑی جا ڈھیٹھ کرنے کو طلب کی ہیں. تم اپنی تعلق کے زمینداروں پر حکم کرو تا وے بے شتاب پیدا کر دیں. جب ہمدست ہوں تب بھجوادو۔

زیادہ عمر دراز ہووے۔

••

خط نمبر ۱۱ شمالی ہند کے ہندو بیوپاری کا مراسلہ ہے جو اس نے کسی سیٹھ جی کے نام لکھا ہے۔ زبان اور لب و لہجہ بھی کاروباری اور صرافہ بازار کا ہے۔

مکتوب نگار نے لفظ "میں" کو مارواڑی لہجہ میں "مانڈ" لکھا ہے جس کے لیے دتا سی فٹ نوٹ میں بتاتا ہے کہ یہ لفظ "مانڈ" سنسکرت کے "مدھیہ" سے لیا گیا ہے۔

"بتّا ستّا" کے لئے دتا سی لکھتا ہے کہ ہندوستانی عموماً اپنے الفاظ میں ایک اور ہم وزن لفظ لگانا پسند کرتے ہیں۔

(۱۱)

سیٹھ صاحب شفیق، زیادہ ہو عنایت آپ کی

بعد رام رام کے گزارش کرتا ہوں ہنڈوی باسٹھ ہزار رُپے کی جو تم نے معرفت سے سکھا رام کی بھجوائی تھی سو ہم نے دوکان سے بندرابن داس کی، بھر پائی۔ اُن رُپوں میں سے چھیالیس ہزار ترپن رُپے پونے پندارہ آنے میا رام اگروال کو دے کر تمام آٹھ برس کا لیکھا چکا دیا۔ بیاج بتّی سے اس کی خاطر جمع کر دی۔ آگے اس سے آپ نے جو سترہ ہزار رُپے نقد چاند وڑی سکّے کے، بالخصوص لیکھ راج گماشتہ بھیم سین کے بھجوائے تھے سو اس دلوالئے نے سب کے سب اڑائے۔ ایک کانی کوڑی بھی نہ دی۔ اس لیے رقم لیکھ راج مذکور نے بھگل نکالا ہے۔ جب میں تقاضا کرتا ہوں تو اپنی ناداری دکھلاتا ہے۔ ندان مانگتے مانگتے ناک میں دم آیا اور تھک گیا۔ اب صلاح بھی نظر پڑتی ہے کہ اس کے سیٹھ سے کسو ڈھب رقم پٹوا لیجیے۔ یہاں اور کچھ بیپار اچھا نہیں تھا۔

اس جہت سے ۵ ہزار روپے کے عوض سے صرافی کی دوکان مانڈ بٹا سٹا کرتا اسامیوں کو بنیچیت ہوں۔ اطلاعاً لکھا۔ زیادہ کیا تصدیع دوں۔ ••

خط نمبر ۱۲ کسی انگریز کے نام ایک کارندہ کا زمینداری اور فصل کے معاملات کے بارے میں ہے۔ غالباً یہ خط بھی دکن یا گجرات میں لکھا گیا ہے۔

(۱۲)

جناب عالی مرتبہ ہمیشہ زیادہ رہے اقبال ان کا

کیفیت غلام کی یہ ہے پاپڑو پٹیل کلیگور کی موازی پندرہ کھنڈی غلّہ از روئے شرارت کے زراعت میری سے چوری کر کے منصرف ہوا۔ غلام نے جا کر نزدیک عامل موضع مذکور کے فریادی ہوا۔ پاپڑو پٹیل نے یہ بات سن کر بھاگ گیا۔ بعد کتنے دن کے عمل لشکر جنگ کا ہوا۔ انھوتین (انھوں نے) پاپڑو پٹیل کو نزدیک اپنے بلا کر پندرہ کھنڈی غلّہ ذمہ اس کے لگا کر تمسک بیچ بات بھجائی۔ روپیوں غلّہ کے سات وعدہ چار مہینے کے اس کے ہاتھ سے لکھوا کر غلام کو دلوایا۔ اب وعدہ پر غلام نے جو روپے طلب کیے، نہیں دیتا ہے اور حیلے حوالے بتلاتا ہے۔ صاحب بہادر مالک اور منصف ہیں۔ اس واسطے امید رکھتا ہے کہ روپے غلام کے کہ حق واجبی نکلتے ہیں اس پر تقید کر کے دلوا دیویں۔

زیادہ کیا عرض کرے۔ ••

خط نمبر ۱۳ مکتوب نگار نے اپنے دوست کو شادی کی مبارک باد بھیجی ہے۔ زبان ادبی ہے لیکن وہ مقفیٰ اور مسجع اردو نہیں جو ہم تک فورٹ ولیم کالج کی داستانوں کے ذریعے پہنچی ہے بلکہ روزمرہ کی زبان ہے۔

(۱۳)

میرے دوست جانی پر واضح ہو جیو کہ تمہارا نامۂ عنبریں شمامہ ساعت نیک میں پہنچا اور اس کے مضمون بہجت مشحون کی نکہت سے مشام جاں کا معطر ہوا۔ خدا شاہد ہے کہ تمہارے بیاہ کی خبر سننے سے نہایت مسرت حاصل ہوئی اور اس شادمانی کے گل کے کھلنے کے نوید سے دل باغ باغ خوش ہوا۔ حق تعالیٰ مبارک کرے۔ ایک انگوٹھی سونے کی جس میں پنا جڑا ہے، میں نے برسم ارمغان کے ایک سوداگر کے ہاتھ تمہارے لیے بھیجی ہے۔ بے تکلف قبول کیا چاہیے۔ زیادہ کیا نگارش کرے۔

ساغر شادمانی کا مدام لبریز رہے۔ ●●

خط نمبر ۱۴ اس لحاظ سے مجموعہ کا اہم ترین خط ہے کہ یہ راجہ رام موہن رائے کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے اور انہوں نے اسے پر تکلف اور روایتی انداز کی اردو میں تحریر کیا ہے۔ یہ خط انہوں نے ۱۸۳۱ء میں لندن سے ڈنکن فوربز کے ذریعے دتاسی کو پیرس بھیجا تھا۔ اس زمانہ میں راجہ رام موہن رائے اکبر شاہ ثانی کے سفیر خاص کی حیثیت سے انگلستان میں مقیم تھے۔

(۱۴)

جناب فضیلت مآب زاد مجدہم و شرفہم

رقعۂ مبارک پہنچا و بندہ کو مسرور و معزز کیا۔ قادر علی الاطلاق آپ کو اس یادآوری کے ساتھ سلامت رکھے۔ تین مہینے سے زیادہ بندہ انگلینڈ میں مقیم ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ عنقریب پارس میں مشرف خدمت ہوگا اور آپ کی توجہ سے جناب شیزی صاحب کی ملاقات حاصل کرے گا۔ آپ کے وعدۂ مراعات سے بندۂ کمتر ممنون ہوا و ادائے شکر نہ دل سے کرتا ہے۔

زیادہ حد ادب　　خادمکم و ممنونکم

رام موہن

حرر فی التاریخ یکم اگست ۱۸۳۱ء (عیسوی)

جناب شفقت فرمائے گرامی قدر فاربس صاحب کے حوالہ کیا گیا۔

سرنامہ خط کا:

جناب فضیلت مآب جامع علوم عربی و ہندی مولوی گارسین دتاسی زاد مجدہم و شرفہم دار السلطنہ پارس فرانس۔

خط نمبر ۱۵۔ مسٹر فیلم لوئیس کے نام کسی شاہ میر کا ہے جس نے کھانے کی دعوت کا شکریہ ادا کیا ہے اور معذرت چاہی ہے۔ اس خط سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ غدر سے پہلے انگریزوں اور ہندوستانیوں میں سوشل میل جول ایک عام چیز تھی جو حصول سلطنت کے بعد منقطع ہو گئی۔ شاید یہ خط کلکتہ میں لکھا گیا ہو۔

(۱۵)

صاحب لطف فرمانے والے دوستوں کے مسٹر فیلم لوئیس صاحب بہادر کو سلامت۔

آپ نے مجھے آج شام کے وقت جو کھانا کھانے کو نیوتا ہے، میں بسر و چشم حاضر ہوں لیکن اس مصیبت زدہ کا دل کہیں جانے کو نہیں چاہتا اور کہتا ہے کہ اس مصیبت کی حالت میں ایسی باتیں کیا ضرور۔ پس میں ہاتھ جوڑ کے بصد انکسار التماس کرتا ہوں کہ اگر اس عاصی کو اپنی خوشی سے معاف اور معذور رکھیے تو آپ کی کمال مہربانی ہے۔ اِلّا آپ کے لطف اور مہربانی سے اس عاصی کو انکار نہیں۔ یہ عاصی بہر حال اپنے وعدہ کے بجائے اور آپ کے پاس خاطر سے لاچار ہے۔ کچھ عذر نہیں کر سکتا۔ مگر آپ کی خوشی کے ساتھ یہ چاہتا ہوں۔ زیادہ کیا تصدیع دیوئں۔

شاہ میر

خط نمبر ۱۶ کسی انگریز کے نام ہے جس میں مکتوب نگار کا کسی وکیل سے "ساؤتھ سی ہاؤس" میں ملاقات کا ذکر ہے۔ ممکن ہے یہ خط بھی کلکتہ میں لکھا گیا ہو

(۱۶)

صاحب بہادر والا قدر کو سلامت

آج پیر کے دن میں بارہ بجے اس اُلاسوتھ سے ھوس میں آیا تھا اور وکیل صاحب سے بھی ملاقات ہوئی لیکن آپ کے نہ ہونے سے نہ میں کچھ کہہ سکا اور نہ وکیل صاحب۔ ایک بجے میں آپ کی راہ دیکھ دیکھ کر گھر پھر گیا۔ اب جس دن اور جس وقت آپ کو یہاں یعنی الاسی سوتھ ھوس میں آنا ہو، مجھے لکھ بھیجیے۔ میں اس دن اور اس وقت یہاں پہونچوں گا (پہنچوں گا)۔

••

خط نمبر ۱۷ ۱۲۳۴ھ مطابق ۱۸۱۸ء شیخ غلام محی الدین نے منشی غلام حیدر کو لکھا ہے۔ خط میں مکتوب الیہ کا نہایت فصیح و بلیغ روایتی انداز میں شکریہ ادا کیا گیا ہے۔ اغلباً یہ خط شمالی ہند میں لکھا گیا ہے۔

(۱۷)

جناب فیض مآب منشی صاحب، مشفق قدر دان کرم فرمائے مخلصان دام الطافہٗ

اس نیاز مند مخلص مشتاق کی جانب سے حضور کو اور بی بی صاحبہ مشفقہ مکرمہ کی خدمت میں بعد سلام و بعد نیاز تمام کے اظہار یہ ہے کہ آپ کا عنایت نامہ نوازش کا بھرا ہوا اور مرحمت نامہ اشفاق میں ڈوبا ہوا اچھی ساعت اور مبارک گھڑی میں پرتو افگن ہو کر اس عاجز کا رتبۂ کم یہاں تک بڑھایا کہ قلم کا مقدور نہیں جو وصف اس کا بیان کرے اور زبان کی کیا قدرت کہ تعریف ادا کرے۔ اسی سبب آپ کے روشن ضمیر پر موقوف رکھ کر مدعا اظہار کرتا ہے کہ سنیچر کے دن جو آپ تشریف لا کر اس خانۂ تاریک کو اپنے قدوم کی برکت سے منور کریں گے تو عین سرفرازی اور بندہ نوازی ہے کہ یہ نیاز مند معہ آدمان ہمراہی آپ ہی کا ہے۔ بقول فارسی بیت:

رواق و منظر من چشم آشیانۂ تست
کرم نما و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست[۱]

اور بنارے کے لے جانے کے واسطے آپ لکھے ہیں۔ گستاخی معاف، آپ نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا تھا کہ جب سب کام اس خیر اندیش کا فیصلہ ہو اور روانگی کے چند روز آگے میرے یہاں آ کے رہنا۔ اسی وعدہ پر یہ عاجز امیدوار تھا کہ عنقریب روانگی کے چند روز خدمت عالی میں رہ کر مستفیض ہوں اور خصوص دوستی کے باب میں جو حضور کا ارشاد ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ

---

[۱] یہ شعر بحر مجتث میں ہے اور اس کے ارکان مفاعلن فعلاتن مفاعلن فعلاتن۔

بندہ پہلے دولت خانے میں حاضر ہوکر چند روز رہا کرے۔ آپ کا شفقت بی بی صاحبہ کی الفت صاحبزادوں کی خدمت نوکروں کی اس حد تلک ہوئی اور ظہور میں آئی کہ اگر تمام ہر بنِ مو اس کے مشکور ہوں تو بھی ادا نہ ہو سکے اور آپ کی خوبیاں تا لب زندگی اس حقیر کے دل سے فراموش نہ ہونگیں، مصرع

پتھر کا نقش ہے یہ مٹایا نہ جائے گا

اور یہ نیازمند جب تک آپ کی خدمت میں تھا، تمام فکر و افکار جو اس عاجز کے دل بیکل میں تھے سب کے سب کافور ہو گئے اور یک لخت دور ہوئے اور اب بھی باعثِ فراق یہاں تک بیقراری ہے کہ خدا ہی جانتا ہے اور جو کچھ احوال کام کاج کا آپ پر بخوبی روشن ہے مصرع: حاجت مشاطہ نیست روئے دلارام را (۱) لاکن پھر تسلی خاطر غمگین وحزیں یہ شعر میرزا رفیع السودا مرحوم کا ورد زبان ہے ؎

خواہی رہ صد سالہ ہو خواہی تو یہیں ہو

نزدیک بدل ہوا ے مری جان کہیں ہو (۲)

اور دو لستی سوغات کی جو آپ نے مرحمت فرمایا تھا سو پہنچی۔ غرض یہ تکلیف اور یہ تصدیع کیا ضرور تھی آپ کا الطاف بس ہے۔ خانۂ احسان آباد زیادہ بجز عنایات و کرم کے کیا لکھے۔ والسلام و الاکرام

عریضۂ مخلصی اخلاص امین شیخ غلام محی الدین

مری طرف سے صاحبزادوں کو دعا و دیدہ بوسی پہنچے۔

بشرف مطالعۂ جناب منشی غلام حیدر مشرف باد ۶ ر ذی الحجہ ۱۲۳۴ سنہ اور کمترین عقیدت مندی میر افضل علی کی جانب سے خدمت شریف میں آپ اور بی بی صاحبہ کی بندگی و نیاز قبول ہو اور برخورداران سعادت مندوں کو دعائے فراواں مقبول ہو

---

(۱) یہ مصرع گلستان سعدی سے ہے۔

(۲) یہ بحر ہزج میں ہے جس کے ارکان مفعول مفاعیل مفاعیل فعولن

خط نمبر ۱۸ فورٹ ولیم کالج کے اسٹائل کی اردو میں ہے مکتوب نگار مرزا کاظم علی جواں کی طرف سے بھی مکتوب الیہ کو سلام پہنچاتا ہے۔ مکتوب نگار کا نام افتخار الدین علی خاں ہے اور پتہ "کولو ٹولہ حویلی نواب واثق علی خاں صاحب۔ کلکتہ" ہے۔ یہ خط جنوری ۱۸۰۱ء میں لکھا گیا ہے اور اس میں مکتوب الیہ مولوی صاحب سے درخواست کی گئی ہے کہ ان کے جو شاگرد انگریز اِدھر آئیں ان سے مراسلہ نگار کی سفارش کر دیں۔ افتخار الدین علی خاں بھی بحثیت منشی فورٹ ولیم کالج میں ملازم تھا۔ کیونکہ وہ یہ بھی لکھتا ہے کہ ہنٹر صاحب بدستور کالج کے مالک و سردار ہیں۔ لڈن صاحب ہندی اور متھو لمسڈن فارسی کے مدرس ہیں۔ البتہ فورٹ ولیم کالج کے کسی تذکرہ میں ان کا نام یا حالات نہیں ملتے۔ "ارباب نثر اردو" مولفہ سید محمد میں اس مشاعرہ کا ذکر ہے جو ہر سال فورٹ ولیم کالج میں ۲۵ر جولائی کو منعقد ہوتا تھا۔ بقول مولف برٹش میوزیم میں ایک گلدستہ غالباً ۲۵ر جولائی ۱۸۱۵ء کے مشاعرہ کا محفوظ ہے جس میں حصہ لینے والے آٹھ شعرا ہیں مرزا کاظم علی جواںؔ۔ حیدر بخش حیدریؔ۔ مظہر علی ولاؔ کے علاوہ ایک نام افتخار الدین علی خاں شہرتؔ کا بھی شامل ہے۔

(۱۸)

مولوی صاحب مشفق مہربان فراموشگار دور افتدگان زاد لطفہ

ذوق مواصلت کا اور شوق معانقت کا اتنا نہیں ہے کہ تحریر و تقریر میں گنجائش پائے یا زبان و بیان میں آئے۔ اگر شب رنگ قلم کو اس میدان بے پایاں میں چھیڑنے کا قصد کیجے اور باگ ادہم کلک کی اس صحرائے بے انتہا میں چھوڑ دیجے تو دور نہیں ہے کہ دوڑتے دوڑتے مت کھڑا ہو کاندھے دینے لگے اور

اڑ جائے بلکہ نزدیک ہے کہ شرم سے عرق عرق ہوکر زمین میں گر جائے ۔ اس واسطے ہم اس میدان سنسان لق و دق سے اس گھوڑے کی باگ موڑ کر اور اس طرف سے اسے توڑ کر مدعا کے صحن میں کداتے ہیں اور راستے کے راستے پر بٹھاتے ہیں ۔

جس دن سے آپ یہاں سے تشریف لے گئے ہیں اور دوستوں کے دل کو داغ جدائی کا دے گئے ہیں ، ایک خط بھی نہ لکھا اس بے پروائی کو کیا کہتے ہیں ۔ اگرچہ ہملوگوں سے آپ منھ پھیر بیٹھے ہیں اور جانتے ہیں کہ اس گروہ سے کیا کام ، کیا غرض ہے کہ ناحق ایک گھڑی اوقات ضائع کرکے کاغذ خراب کیجے اور کچھ لکھ بھیجے لیکن اسے بھی سمجھیے کہ زمانہ ایک رنگ پر نہیں رہتا ۔ اگر کبھی احیاناً ملاقات ہو تو کیا عذر کیجیے گا ۔ بہت صاحب لوگ یہاں کے وہاں ، وہاں کے یہاں آتے جاتے ہیں ۔ اگر گاہے ایک رقعہ سے بھی ممنون فرمایئے تو بعید نہیں ۔ ہاں کیا خوب ہم نے سنا ہے کہ آپنے وہاں شادی کی ہے ۔ اگر یہ بات سچ ہے تو ہماری ضیافت باقی ہے ، اس کو ادا کرنا ضرور چاہیے اور ہماری ضیافت یہی بہت ہے کہ صاحب لوگوں میں سے آپ کا شاگرد جو ادھر تشریف لاوے اس کی خدمت میں ہماری سفارش کر دیجیے اور افتخار الدین علی خاں نام لکھوا دیجیے کہ یہاں تشریف لاکر ہماری تلاش کرے اور ہمارے بہرے پر دھیان دھرے اور اگر مہربانی نامہ آپ لکھیں تو ضرور ہے کہ بعضے عجائب و غرائب مراسم و اخبار بھی وہاں کے مندرج کریں کہ ہمیں علم حاصل ہووے اور دو گھڑی اوقات خوش گذرے ۔ افسوس ہے کہ میر شبر علی کا واقعہ ہوا ۔ حق تعالیٰ اس متقی پرہیزگار کو بہشت نصیب کرے اور اس کے گناہوں سے درگزر کرے ۔ ہنٹر صاحب بدستور کالج کے مالک و سردار ہیں اور لڈن صاحب ہندی کے اور منصور الدین صاحب فارسی کے مدرس ہیں ۔ بڑے صاحب نے اب تک کلکتے میں مراجعت نہیں کی ہے لیکن خبر آمد آمد کی ہے ۔ دیکھیے کب آتے ہیں ۔ قاضی القضات محمد نجم الدین خاں صاحب ، مولوی سراج الدین علی خاں صاحب ، مولوی راشد صاحب ،

[illegible]

گارسین دتاسی کے نام فورٹ ولیم کالج کے منشی افتخار الدین شہرت کے خط کا آخری حصہ

(سنہ ۱۸۱۰ء)

مولوی معین اللہ صاحب وغیرہ سب بخیر و عافیت ہیں اور آپ کا ذکر اکثر درمیان آجاتا ہے۔ اطلاعاً التماس کا زیادہ صداع کا موجب جان کر نہ لکھا۔

والسلام والاکرام

تحریراً فی التاریخ دہم ماہ جنوری ۱۸۱۰ سنہ مسیحی ۱۲۱۶ سنہ بنگلہ

یہ خط نیاز نامہ ہم نے بہت جلد لکھا ہے۔ اگر عبارت میں کچھ قصور ہوا ہو تو معاف کیجیے گا:

اگر کبھی خط لکھیے تو مقام کو لوٹولہ حویلی نواب واثق علی خاں صاحب کی، لفافے پر لکھیے گا۔ البتہ ہمیں پہنچے گا۔

میرزا کاظم علی جوان کی طرف سے سلام نیاز پہنچے۔ ••

اپریل ۱۸۳۴ء کے ژورنال ازیاتک میں اس کتاب پر ایک مختصر تبصرہ چھپا۔ ناقد لکھتا ہے کہ "درسی کتاب ہندوستانی مبادیات ۱۹۲۸ء میں چھپی تھی اور اس پر ژورنال ازیاتک جلد ۹، ص ۲۴۷ پر ایک تبصرہ چھپ چکا ہے۔ اب اس کا ضمیمہ نکلا ہے جس میں ہندوستانی زبان میں لکھے ہوئے چند خط جمع کر کے یکجا چھاپے گئے ہیں، جو بڑی اچھی چیز ہے۔ یہ مبتدیوں کے لیے ہندوستان میں مستعمل نستعلیق اور خط شکستہ کو پڑھنے کی مشق کے لئے بھی مفید ہیں کیونکہ سارے تو نہیں چند اصل خطوط کو فوٹو سے چھاپا گیا ہے۔ حروف کو نئے سرے سے کمپوز کیا ہے"۔ یہ اکیس۲۱ خط ہیں جو مختلف مقامات ہند سے آئے ہیں۔ ان کے موضوع بھی مختلف ہیں۔ اس لیے ہندوستان کے اسلوب خطوط نویسی کا اچھا نمونہ ہیں۔ اس کتاب کے دیباچہ میں مولف اس بات پر زور دیتا ہے کہ ہندوستانی زبان متموّل ہے اور اہم بھی اور ثبوت کے لیے بتاتا ہے کہ اس میں دیگر فنون کی کتابوں کے علاوہ تاریخی نظمیں بھی ہیں۔ مثلاً چند اور بھگت مال نیز قصص چترسلی (چھتر سال راجہ بندیل کھنڈ) قصص پرت وی راجہ (پرتھوی راج) وغیرہ اس کتاب میں ساری مطلوبہ چیزیں خواہشمندوں کو نہیں ملیں گی لیکن جو بھی ملتی ہیں غنیمت ہیں۔ خود گارسین دتاسی نے ژورنال ازیاتک بابت ۱۸۴۷ء میں صفحہ ۳۵۳ تا ۳۵۶ پر ایک مختصر نوٹ شائع کیا جس میں لکھتا ہے کہ "۱۸۳۳ء میں اردو خطوط کا مجموعہ چھپا۔ اس کے بعد سے میرے پاس بکثرت دیگر خطوط بھی اس زبان میں جمع ہو گئے ہیں۔ فارسی اور ناگری دونوں رسم الخط میں۔ بعض لندن کی ایشیاٹک سوسائٹی نے مجھے تحفتاً دیئے ہیں۔ اور کچھ مختلف لوگوں سے مستعار ملے ہیں جیسے پیٹرکن، ایلف بتروس، کے بلاں وغیرہ۔ میں ان کو انگریزی ترجمے کے ساتھ مستقبل قریب میں چھاپنا چاہتا ہوں اور اس کام میں میرا شاگرد پادری برتراں بھی مجھے مدد دینے والا ہے[1]

---

[1] بظاہر گارسین دتاسی کی یہ خواہش علمی جامہ نہ پہن سکی۔

ان میں سے صرف ایک کو میں یہاں ترجمے کے ساتھ نقل کرتا ہوں۔

یہ خط فوٹو سے نہیں بلکہ حروف کو کمپوز کر کے ژورنال ازیاتک میں شائع کیا گیا ہے۔ ڈیڑھ سو سال گذرنے کے باوجود ہنوز روز اوّل ہے کیونکہ ہولی اور محرم کے موقع پر ہندو مسلم فساد آج تک اسی طرح ہو رہے ہیں۔ یہ عبرتناک خط حسب ذیل ہے۔ ژورنال ازیاتک میں دتاسی نے اس کا فرانسیسی ترجمہ مقابل کے صفحہ پر شائع کیا۔

ل ن

دوست میری سلامت

سلام شوق کی بعد میہہ مبرھن ھووی کہ بعضی اشخاص کی زبانی سنی (سنے) مین آیا ھی (ہے) کہ ہندو اور مسلمان آپسمین مستعد جنگ کی ھو رھین (رہے) ھین کیونکہ اس سال ھولی اور محرم ملکی اتی (مل کے آتے) ھیں۔ اسلئی آپکو لکھا جاتا ھی (ہے) کہ آپ کسی مصلحت اور مشورت سی شریک جنگ وجھاد کی نو وین کیا واسطی کہ جو کوئی ویسی (ویسے) کامون مین شرکت کرتا ھی (ہے) آخر پشیمان وخجل ہوتا ھی (ہے) بلکہ اندیشہ آبرو ریزی کا ھی (ہے)۔ چنانچہ قبل تھوڑی سال کی اسیطور سی ھولی اور محرم ملکی آتی تھی (مل کے آتے تھے) سوار کاٹ کی ہندوؤن نی جمع ہوکی موافق دستور اپنی دیو کو مسجد کی روبرو سی لیجانیکا ارادہ کیٔ اس وقت آدمی مین دس پانچ سی زیادہ نتھی جب وی ہندو لوگ نزدیک پھنچی مسجد والی باہر آکی مزاحم ہوئی اور کہنے لگی کہ خلاف معمول اپنی دیؤ کو مسجد پر سی لیجانا مناسب نہیں ہی لازم کہ ہمارا کہا مان کی اپنی دیو کو معمولی راستی سی لیجاوین تو خیر ھی (ہے) نہیں تو اپنا کیا پاوینگی غرض انھوں نی اپنی توانگری اور کثیر الجمعات کی اوپر غرور کر کی زبردستی سی لیجانیکا ارادہ کیا تو مسلمان جو دس پانچ حاضر تھی سو باتون مین لاٹھین لیکر اپنی دوڑی اور دیؤ پر مارنے لگی ہندوؤن نی جو یہہ حال دیکھا تو دیؤ کو نیچی ٹپک دیٔ اور بھاگ گیٔ

مسلمانوں نی دیو کو معہ لباس وزر وزیور پھونک دیا بعد اس کی اس ارکات کی پٹیل اور
تحصیل دار ہندو تھی اپنی علاقی کی تمام مواضع اور دیہات سی ہندوؤں کو جمع
کر کی مستعد بجنگ ہوئی یہ خبر سرکار مین پہنچتی ھی کلکٹر صاحب شہر کو چڑھ دوڑی
اور فی مابین انھون کی صلح کروا دیا اور دوسری روز ان دونون قوم کی روبکاری
کر کی جن مسلمانون نی دیو کو جلایا تھا اور جن ہندؤن نی زبردستی کی بانی مبانی
تھی صاحب موصوف نی ان دونون کو قید کر لیا اور بی عزت کیا اسلئی آپ کو
بھی لکھا جاتا ھی کہ اگر آپ کو کچھ پاس عزت وحرمت کا ہو تو ان کی شریک نہ
ہو جئیگا آیندہ مختار ہو زیادہ کیا۔

MANUEL DE L'AUDITEUR

COURS D'HINDOUSTANI

OU THÈMES GRADUÉS

POUR S'EXERCER À LA CONVERSATION ET AU STYLE ÉPISTOLAIRE,

ACCOMPAGNÉS

D'UN VOCABULAIRE FRANÇAIS-HINDOUSTANI

پارسی شکر است هندی نمک است

Le Persan a la douceur du sucre, l'Hindoustani, l'énergie du sel.

PROVERBE INDIEN.
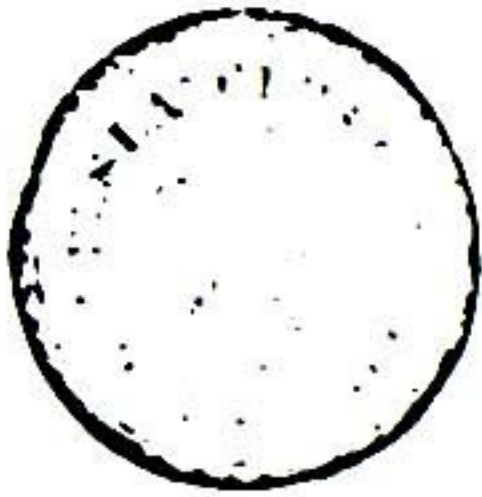
PARIS.

IMPRIMÉ PAR AUTORISATION DE M. LE GARDE DES SCEAUX,

À L'IMPRIMERIE ROYALE.

M DCCC XXXVI

"ہندوستانی زبان کے مبتدیوں کے لیے درسی کتاب" کا سرورق

(بزبان فرنچ) پیرس، ۱۸۳۶ء

ہندوستانی ترجمہ
ان سبقون کا کہ جنکو منشی گارسین دتاسی نے
فرانسیس زبان مین ترتیب کیا
فرانس کی بہازون کی
دیوان خانی مین چہپے
سنہ ۱۸۳۷ عیسوی مطابق
سنہ ۱۲۵۳ ہجری
چہاپا گیا
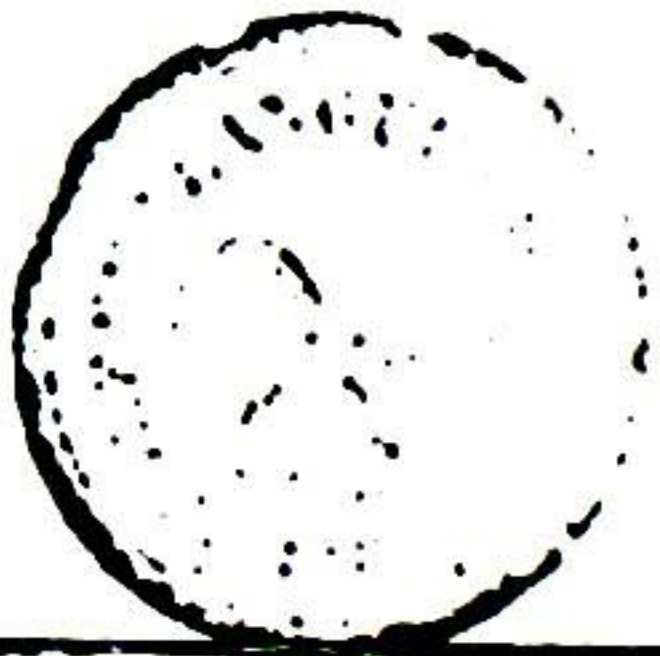
"ہندوستانی زبان کے مبتدیوں کے لیے درسی کتاب" کے چوتھے حصے کا سرورق جو سال بھر بعد سنہ ۱۸۳۷ء میں طبع کیا۔

● "ہندوستانی زبان کے مبتدیوں کے لئے ایک درسی کتاب جس میں بات چیت اور خط وکتابت سکھانے کے لئے مشقیں تدریجی طور پر دی گئی ہیں"۔ پیرس ۱۸۳۶ء

اس کتاب کی طباعت کے لئے نستعلیق کا وہی ٹائپ ڈھالا گیا جو ہم کو فورٹ ولیم کالج کلکتہ کی شائع کردہ کتابوں میں نظر آتا ہے۔ یہ حیرت انگیز بات ہے کہ آج سے ڈیڑھ پونے دوسو سال قبل انگریزوں اور فرانسیسیوں نے اردو نستعلیق کا ٹائپ ایجاد کر لیا تھا اور اسے استعمال کر رہے تھے لیکن ہم آج تک انتہائی سست رفتار اور صبر آزما کتابت کے محتاج ہیں۔

مذکورہ کتاب کی ساری مشقیں فرانسیسی میں ہیں اور ان کا ترجمہ اردو میں دیا گیا ہے۔ دتاسی نے اردو کے مکالمے اس لحاظ سے وضع کئے ہیں کہ ان سے روزمرہ بول چال کی مشق ہو سکے اور اردو گرامر یعنی اسماء، صفات اور افعال کا بھی طالب علموں کو اندازہ ہو جائے۔ ان مکالموں کی زبان آج ہمیں غیر مانوس معلوم ہوتی ہے کیونکہ دتاسی نے انیسویں صدی کے نصف اول میں بولی جانے والی اردو کے ساتھ ساتھ مغربی طرز بیان کا لفظی ترجمہ بھی کر دیا ہے مثلاً

۱. ہم نے دیکھا بڑا گروہ آدمیوں کا We saw a big crowd of men

۲. کون ہے مصنف اس کتاب کا Who is the author of this book

لیکن ہم کو یہ نہ بھولنا چاہیئے کہ انگریزوں نے اپنے گورے فوجیوں کو سکھانے کے لئے جو رومن اردو کی مشقیں شائع کیں ان میں بھی اکثر اسی قسم کی زبان ملتی ہے جسے عوام نے گوراشاہی اردو کہا۔ دتاسی کی تصنیف کردہ ان مشقوں میں اس دور کے بنگال کی یورپین مرکنٹایل سوسائٹی کی جھلک موجود ہے۔ دتاسی کے مدنظر فرنچ ایسٹ انڈیا کمپنی کے تجارت پیشہ کارکن تھے جن کی سہولت کے لئے یہ کتاب لکھی گئی تھی اس لیے مکالمے ساٹھ صفحوں پر مشتمل ہیں ان میں سے چند بطور نمونہ پیش کئے جاتے ہیں اور ایک بار پھر تعجب ہوتا ہے کہ پانڈیچری، چندرنگر اور کلکتہ میں قیام کئے بغیر دتاسی نے اس ماحول کو کس طرح اپنے اندر جذب کیا اور اس بے تکلفی اور روانی سے یہ مشقیں لکھیں گویا وہ ان نو آبادیات کا باشندہ ہو۔

کل خبر کے کاغذ میں ہم نے وہ اشتہار دیکھا

ہم نے دس روپے بیعانہ دیا

سپاہی فجر کے وقت اپنا اسباب لیکر کوچ کر گیا

ہم نے القطر ان کے تیس پیسے بیچے

ہم کو تین برس ہوئے بنگالے میں

تم نے اس کا کتب خانہ دیکھا

اس بی بی کے ہاتھ میں کڑے ہیں

ہم فلانے صاحب کے دفتر میں جاتے ہیں

انھوں نے وہاں کے نزدیک چھاونی کی

اور مصالحوں کے ساتھ دار چینی ملاؤ

آج اس کے مقدمے کا فتوا کریں گے

اس نے کمرے میں گھستے ٹوپی اتار لی

دو شمعدان میرے لئے مول لو

وہ کوئلے کھریئے وغیرہ سے تصویر کھینچتی ہے

روئی کا گٹھر کھولو

ولایت کی آب وہوا یہاں کی آب وہوا سے بہت اچھی ہے

وہ بادشاہی چھاپے خانے میں حرف جمانے والا ہے

رکھو ان سب چیزوں کو ٹوکرے میں

ہمارا رسل اور رسائل موقوف ہوا

اس ملک میں بہت روئی پیدا ہوتی ہے

اس دلال سے پوچھو اس کی دلالی کتنی ہوگی

اس کا کاروبار بگڑ گیا ہے۔ اس واسطے اس نے اپنے قرض خواہوں کو بلایا ہے

ہم نے ایک مگر گنگا میں دیکھا۔

ہم صاحب اور منشی کے مکالمے کی کتاب پڑھتے ہیں
کیا ان دونوں چھاپے میں فرق ہے
یہ فوج قواعد نہیں جانتی
شہر چندن نگر کلکتے سے کتنی دور ہے
وہ بڑے زور سے کام کرتا ہے
تم کیا کام کرتے ہو
سارے لوگ اس کی تعریف کرتے ہیں
تم گئے چبوتری میں
ہم کو اس کپڑے کا ایک نمونہ دکھاؤ
اس خبر کے کاغذ کا مؤلف کون ہے
کال نیلام میں جاؤنگا۔
اس تمسک پر تمہارے صحیح ضرور ہے
وے طرح بہ طرح کا مصالح بیچتے ہیں
یہ بڑی دل گیری کا اتفاق ہے
تم اس فقرے کی شرح بتاؤ
پہلے یہاں نیل کے کاروبار کی جگہ تھی
تم جانتے ہو زمین کی ہیئت کیسی ہے
اس نے علم ارض میں کتاب تصنیف کی ہے
وہ ابھی بچھولچری کا حاکم ہے
مُہرکن کو بلاؤ
وے فقط ترکاری کھا کر جیتے ہیں
تم نے فرانسیس کے ملک کی تاریخ پڑھی ہے
ایک دارالشفا وہاں بنے گا۔

وہ اپنی آزادی رکھتا ہے
اس پتھر پر جو کتابہ لکھا ہے پڑھو
ہندوستان کا تمہارا ارادہ ہے
اگر تم یہاں کی بات نہیں جانتے تو مترجم سے مکالمہ کرو
ضعیفوں کے لیے پارلیس میں ایک مکان ہے
اس گھر کا کرایہ پچاس روپے ہے
انکا گودم بہت بڑا ہے
اس کو اس تقصیر کے لئے قاضی صاحب کے پاس لے گئے
جب تم کلکتے جاؤ تو ہمارے لئے ایک آئینہ لینا
تم نے ہماچل پہاڑ دیکھا ہے
تمہاری گھڑی اچھی چلتی ہے
راگ تمہیں بھاتا ہے
وے رقم رقم کے زیورات پہنتیاں ہیں
کنگھی لو اور اس لڑکے کا سر جھاڑو
طوطیاں سکھانے سے پڑھ سکتی ہیں
اس مرچ کو ہاون دستے میں کوٹو
اپنی اور اپنے بیٹے کی تصویر کھنچوائی
ہم کو چاہیئے کہ تعصب چھوڑ دیں
کیا تمہارے خیال میں ہمارا تلفظ درست ہے
کیا اس کپڑے کی قسم خوب پاتے ہو
بغیر ڈانڈ کے ملاح کیونکر ناؤ کھیو سکتا ہے
کیا انگریزی زبان سے ہندی زبان میں ترجمے اکثر خوب ہیں
مندراس بڑا شہر ہے۔

ہماری چچی ہمیں بڑی پیاریاں ہیں

ہم نے سنا تمھاری شادی ہو گئی

تم غلط کرتے ہو جو ہندوستانی زبان مشکل جانتے ہو

وے کوشش والے شاگرد ہیں

یہاں کے سیدھے راہ سے عظیم آباد کو جاتے ہیں

نواب اپنی سپاہ کو غیر مغلوب تصور کرتا ہے

بنگال میں لڑکے لڑکیاں برہنہ رہنے دیتے ہیں اور برخلاف فرانس میں ان کو زیادہ اوڑھنی ہیں۔

فارسی لوگ بہت حیلہ باز ہیں۔

تم اس جہاز کے بیما کرنے کا ارادہ کرتے ہو

ہم نے بہت آدمیوں کو گنگا میں غسل کرتے دیکھا

ہمارے بعض سپاہی زخمی ہوئے

اس نے سارے ملک کو فتح کیا

ان دونوں رومالوں کو باہم سیونے دو

ہم نے ملک ادھر بیچ میں سیر کیا

اس ہنڈی پر صحیح کرنا تم کو ضرور تھا

آج اس کے باپ کو گاڑنے گئے ہیں

وہ لڑکا بن اپنی کو بھیجو

تم ایک مہر فارسی خط میں کھود دو

اس نے نماز کے بعد وعظ کیا۔ ••

کتاب کے صفحہ ۶۱ سے ۸۱ تک ۱۳ مراسلات ہیں جو باپ بیٹے، دو بھائیوں، دوستوں، ایک متصدی اور اس کے غیر ملکی آقا، ایک سوداگر اور اس کے گاہک کے مابین خط و کتابت پر مشتمل ہیں، ان خطوں کی زبان اکثر مقامات پر غیر مانوس ہے مثلاً "تمہارا سرفراز نامہ مہربانی سے بھرا ہوا سعادت سے پہونچا your letter full of kindness

ان خطوط میں ذناسی نے اردو مکتوب نویسی کے وہ پر تکلف لمبے چوڑے القاب اور آداب استعمال نہیں کیے ہیں جو اس زمانے میں مستعمل تھے۔ عموماً وہ اس طرح شروع ہوتے ہیں:

خط ایک باپ کا اپنے بیٹے کو

"اے میرے برخوردار" مگر آگے چل کر انداز روایتی ہو جاتا ہے "یہاں ہم سب خدا کے فضل سے عافیت سے ہیں اور عافیت و خیریت اس برخوردار کی رات دن خدا کے درگاہ سے چاہتے ہیں مدت اس مایۂ جاں کی خبروں سے آگاہ نہیں۔ اس واسطے بہت تردود میں ہوئے۔" آخر میں سلام، عمر اور دولت زیادہ ہونے کے بعد "محبت سے تمہارا معانقہ کرتے ہیں" پھر یہ جملہ یورپین ہو گیا ہے۔

چھوٹے بھائی کے جواب میں بڑا بھائی لکھتا ہے "اے پیارے بھائی صاحب۔ جو خط تم نے لکھا ہے سو پہنچا اور جو کچھ میرے نفع میں تم نے کہا سو معلوم ہوا۔ پھلے میرے داخل ہونے سے باپ کے گھر میں والدہ صاحب کو بیماری اور تپ ہوئی تھی اور قریب تین مہینے کے ہوا کہ از بسکہ بہت بڑھی ہے۔ باہر نہیں جاتے اس واسطے میرے پھر جانے کو عادت کا شغل بجا لانے کے واسطے توقف ہوا۔ اگر خدا چاہے بعد کال صحت کے خداوند کے خدمت میں شتاب حاضر ہوں گا اور عرضی حضور کو لکھی ہوئی میرے اس خط میں دھرتا ہوں تم مہربانی کر کے گذراہ دیجیو۔ تمہاری خوشی و خرمی کے واسطے میری دعا و نیاز تصدق جانو۔

ایک نویسندی یا متصدی کی طرف سے اپنے خداوند کو

محترم خداوند نعمت۔ بندہ عرض کرتا ہے آپ سے رخصت ہو کر خیریت سے اپنے گھر کو چلا قسمت کی برائی سے پہنچنے کے پہلے بندے کی ماں آزاری تھیں اور اب تک بیماری نہیں گئی از بس کہ بغیر بندے کی خبر گیری دارو وغیرہ کی کسی اور سے ہو نہیں سکتی۔ اس واسطے ممکن

نہ ہوا کہ اس کو چھوڑ دے کر وعدے کے موافق پہنچی۔ بعد اچھی ہونے والدہ صاحب کے حضور میں حاضر ہوکر کاروبار بجا لاوے اور جب تک کہ بندہ نہ آوے گا بھائی صاحب حضور میں حاضر ہوکر کام سرانجام کرسکے گا وغیرہ وغیرہ۔

جواب خداوند کا

میرا پیارا دوست تمہارا خط کال انتظاری میں پہنچا اور ہم اسی خورسند ہوئے لیکن تمہارے والدہ کی بیماری کے سبب بہت فکرمند ہوئے اور دعا کرتے ہیں کہ عن قریب اچھے ہووے جب اس کو چھوڑ سکو گے تب ادھر کا قصد کرو۔" وغیرہ

ایک سوداگر سے

صاحب جو ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے علاقہ دار مہاجنوں کا شمار بڑھ جائے سو کہی ایک ہمارے یاروں سے پوچھا کہ ہم کو منبائی کی کوٹھیوں کو بتادیں جن کے ساتھ ہم امن میں تجارت کرسکیں۔ ازبس کہ ان نے آپ کی راستی کی تعریف کی ہے اور ہم سے کہا ہے کہ آپ بُنے ہوئے ریشمی کپڑوں کے فروخت کی نئی اور اپنی ملک کی لایق اقسام کی اجناس مول لینے کی واسطے بڑی فرمائشیں اسی شہر میں دیتے ہو اب ہم التجا کرتے ہیں کہ آپ مہربانی کرکے ہماری خدمت گذاریوں کی قبول کیجیو۔ ہماری خاص تجارت دوستوں کے واسطے ہر جنس کی ریشمی وغیرہ قماشوں کا بیع وشرا کرنا سب لوگ ہمارے گھر کو اس تجارت میں اچھی طرح سے جانتے ہیں۔ جس کو چاہو تس کو ہماری کوٹھی کی خبر پوچھیو ہم کو یقین ہے کہ کوئی ہماری مخالف بول نہ سکے۔ اضافہ کرنا لاحاصل ہے کہ گر تجویز کرو کہ ہم کو آپ کی فرمائشیں سونپو۔ سو ہم ساری ہوشیاری و آگاہی جس سے قابل ہیں بجا لادیں۔

جواب: صاحب تمہارا خط جو تم نے مہربانی کرکے ہم کو ارقام کیا سو ہمیں پہنچا۔ اور ہم خوشی سے جلدی جواب لکھتے ہیں ہم کفایۃً جانتے ہیں کہ تمہاری کوٹھی سب مہاجنوں کے یہاں زیادہ نامور اور مخترم ہے سو ضرور نہیں کہ ہم نئی اور تلاش کریں جب فرصت ہوئے گا تمہاری خدمت کی تقدیموں سے فائدہ اٹھاویں گے۔ لیکن آج تم سے تقریر کرتے ہیں کہ اب ہماری فرمائشیں بہت سی چھوٹی ہیں کیوں کہ ایک مدت سے تجارت بہت سست ہے اور کسی کو معاملہ باندھنے کی جرأت نہیں پر ازبس

کہ چاہتے ہیں کہ آپس میں ایک مکاتبت ابتدا ہو کہ جو آیندہ ہمارے تمہارے گھر کو سود مند ہو سکے۔
سوئم مہربانی کر کے بہتر ریشمی کپڑوں کے نرخ نامہ ہم کو بھیجو اور ہم اگر کچھ فائدہ پاویں تو تمہارے
دوستوں کے ہونے کی خواہش معلوم کروانے کے واسطے تم کو دو تین گٹھ پٹھاویں اور تم
اکرام کر کے ہم کو تمہاری مرادیں لکھ بھیجو سو ہم جلدی بجا لاویں۔

آخر کے تین خطوط دتاسی نے ایک فرضی ہندوستانی سیاح کی طرف سے لکھے ہیں۔ یہ ہندوستانی
چھ مہینے کے سفر کے بعد فرانس پہنچتا ہے۔ بندرگاہ نانت اور کے لے ہوتا ہوا براہ ڈوور
انگلستان جاتا ہے۔

انگلستان اور اسکاٹ لینڈ کا یہ تذکرہ مرزا ابو طالب اصفہانی کے سفرنامے سے زیادہ
مختلف نہیں ہے اور غالباً یہ خود گارسین دتاسی کے اپنے سفر انگلستان کی روداد ہے جو ان
خطوط کے روپ میں گویا "ایک ہندی صاحب" کی زبانی پیش کی گئی ہے۔

یہ مکتوب بیحد دلچسپ اور معلومات افزا ہیں۔ مکتوب نگار لکھتا ہے کہ "انگلینڈ اگرچہ
غریب ملک ہے اس میں لوگ چوبی جوتیاں نہیں پہنتے"۔ زبان پھر نامانوس ہے "بادشاہی لوگ
نے ہم پر تلاش کیا" یعنی کسٹم کے سرکاری افسروں نے تلاشی لی۔ اکثر مقامات پر ولایتی محاورات
کا لفظی ترجمہ ملتا ہے مثلاً under ths sun یعنی "سورج کے تلے ایسا کوئی شہر نہیں"۔
ساتھ ہی ساتھ مکالموں کی طرح خطوط میں بھی رائج الوقت اردو استعمال کی ہے جسے آج ہم
پرانی اردو کہتے ہیں۔

ہندی صاحب سے ولایت میں سفر کرتے

تم جانتے ہو کہ ہم نانتز[1] کے فرانسیس جہاز پر سوار ہوئے تری کے تھوڑے بڑے سفر کے بعد اس نگر میں پہنچے ہم نے لنگر دیا اور ایک توپ چھوڑا۔ اس کے بعد ایک بجرا جہاز کے پاس آیا اور ہم کو گھاٹ پر لے گیا۔ وہاں چھوٹے بیچنے والوں نے میوہ روٹی[2] تازہ مکھن مول کے واسطے لائے۔ ان چیزوں کا منھ ہم نے چھ مہینے سے نہیں دیکھا۔ جہازی نے وطن دیکھنے سے نہایت خوشی کی۔ ہم بھی بہت شاد ہوئے۔ ازبسکہ مدت سے سوائے پانی اور آسمان کے کچھ نظر نہیں آیا اور صرف جہاز کے تختوں پر چلے گئے جس سے بہت دلگیر اور اداس ہوئے تھے ہم نے عجب کیا ازبسکہ دیکھا کہ بہت سے فرانسیس لوگ لکڑی کی جوتیاں پہنتے ہیں۔ ہم سے کہا گیا کہ انگلینڈ کے ملک میں اگرچہ غریب لوگ ہوتے ہیں لیکن ایسی جوتیاں نہ پہنتے۔ جب ہم کوٹھی میں پہنچے تب بادشاہی لوگ نے ہم پر تلاش کیا کیونکہ فرانسیس کے بادشاہ کا یہ حکم ہے کہ کوئی شخص کئی اجناس نہ لاوے اگر لاوے تو ضبط ہوگا اور اس کے سوا جرمانہ دینا ہے اس صورت میں دو مسافر جو بنگالی کپڑے لائے تھے مجبور ہوئے کر چوروں کی سریکھی[2] جیب اور گریبان اور کمر میں لپیٹ کر چھپا ڈالیں۔ ہم سولہ روز نانتز میں رہے بعد ازاں کیلس کے شہر کو روانہ ہوئے اور دو ہفتے تک وہاں رہے اور اس جہت سے ہمیں شہر اور اس کے گرد و پیش دیکھنے کی فرصت ہوئی۔ رعیت لوگ گھر کی دیوار پتھر سے تیار اس پر گلاوا[3] کرتے ہیں اور گھر کا چھت لکڑی سے تیار کر کے مٹی کی کھپری[4] اس پر چڑھاتے ہیں۔ ولایت میں بانس نہیں اس واسطے لکڑی کام آتی ہے۔ کہتے ہیں فرانسیس انگلینڈ کے لوگ سے علم موسیقی

---

[1] ن ان ت ز

[2] طرح

[3] مٹی سے لیپنا

[4] کھپریل

ناچ اور سب من بھتی[1] ہنروں میں زیادہ مہارت رکھتے ہیں۔ چنانچہ بہت سے انگیزی[2] صاحب اپنے لڑکے لڑکیوں کے تئیں فرانس کے ملک میں تادیب کے واسطے بھیجتے ہیں۔ اور فرانسیس بھی اپنی شان نمود کرنے کے واسطے انگیزی سے زیادہ قابلیت رکھتے ہیں۔ اس لئے پردیس میں عزت و حرمت اکثر پاتے ہیں۔

ہم کیلس سے دوور کو پہنچے۔ شہر کے چھوٹوں بڑوں نے قدیم آشنا سرکھا ہمارے ساتھ مہربانی کی۔ ناچ کے ایک گھر میں ہمیں اپنے ساتھ لے گئے وہاں ہمارا پردیسی لباس نظروں کو کھینچا۔ ہم تماشے کو گئے تھے اور آپ دوسروں کا تماشا ہو گئے۔ لندن کے رہنے والوں نے ایسی ہی مہربانی کی۔ سچ ہے تمام خوبی اہل ولایت کی غیر ملک کے باشندوں کے لیے ایسی ہے کہ ہم اس کی تعریف بول نہیں سکتے کیونکہ ہم اپنے ہم وطنوں سے ہماری خاطرداری اور دوستی اظہار ہونے میں زیادہ کوشش کرتے ہیں۔ بہت وقت جامہ پہن کر اور پگڑی سر پر رکھ کر اور پیش قبض کمر میں لگا کر بطور ہندوستانی لوگ کے ہم لندن کے رستوں اور رمنوں[3] میں سیر کو جاتے تھے اور بچے کہ ہمارے رنگ کے اور اسی طرح اوڑھے ہوئے آدمی کبھی نہیں دیکھتے تھے نہایت ڈر سے نزدیک نہیں آتے۔

---

[1] دل پسند [2] انگریزی [3] گھاس کا میدان

اسی ہندی صاحب کا ایک اور خط

ہم باور نہیں جانتے ہیں کہ سورج کے تلے ایسا کوئی شہر بڑا و خوب ہو جیسا لندن۔ شہر کے بیچ ایک ندی جاری ہے اور اس ندی پر ایک قلعہ ہے جو کالے پتھر سے بنا ہے اور نہایت مضبوط۔ اس کو تور بولتے ہیں۔ اس میں سلاح بہت سے رکھتے ہیں۔ عمارتیں اینٹ کی بہت ہیں لیکن گرجے نئے پرانے اکثر پتھر کے دیکھنے آتے ہیں۔ ان سب سے گرجہ سینٹ پال کا بلندی و خوبی میں مشہور ہے۔ ہم عمارت کے باہر کی سیڑھی چڑھ کر اوپر کے گنبد کے پہنچے اور وہاں سے ہم نے نہیں صرف تمام شہر دیکھا۔ پھر بھی دس بارہ کوس کے میدان پر ہماری نظر پڑی۔ پتھر کی عمارت اس مضبوطی اور بلندی اور کلانی[1] سے ہندوستان کے ملک میں سوائے تھوڑے گنبد بیجا پور کے نہیں۔ گرجہ ولیسٹ مین سترابی کا بہت پرانا ہے لیکن ایسا محفوظ ہوا کہ اب تک نیا دستا[2] ہے اس میں تصویریں ہوتی ہیں نقاشوں کے ہاتھ سے جو اپنے فن میں پکے تھے ان کی نظر نے ہمیں لبھایا۔

اکثر لندن کے گھر تین درجے ہیں پر یہ درجے ایسے بلند نہیں جیسے بنگال میں کیونکہ بنگال میں گرمی کے لئے درجے بہت بلند بناتے ہیں لیکن ولایت میں از بسکہ ہوا سردی برنی ہے ضرور ہے کہ درجے پست ہوویں اور درجے میں تختہ بندی کرتے ہیں سقف کو سفید کرتے ہیں اور دیوار کو رنگین کاغذ لگاتے ہیں۔ سب گھر شہر کے، ایک وضع پر ہیں۔ غلطی نہ ہونے کے لئے پیتل کی تختی پر گھر کے مالک یا کرایہ دار نے اپنا نام لکھ کر حویلی کے دروازہ کے اوپر لٹکاتا ہے۔ ہر ایک ہنر اور کسب والا بھی تصویریں اپنے ہنر کی لکھ کر دروازے پر لگاتے ہیں جیسا اگر موچی ہو تو صورت جوتی کی اگر مدنی

---

[1] اونچائی

[2] نظر آتا ہے

بنانے والا ہو تو تصویر روٹی کی۔ اگر میوہ فروش ہو تو تصویر طرح طرح کے میوے کی وغیرہ۔

شہر کے رستے درست ہیں اور ان میں پتھر بچھائے ہیں اور چوڑائے[1] ان کے اتنے ہیں کہ تین گاڑی قطار سے چل سکتی ہیں۔ اس کے سوا پیدل لوگ کے واسطے راستے کے دونوں طرف چوڑا راہ گذار ہے اور پیدل مردوں کے سوا وہاں چلنا جائز نہیں۔ ●●

---

[1] چوڑاہے

اور خط اسی کا

تین مہینے لندن کے شہر میں رہنے کے بعد اوکسفرڈ[1] کو پہنچے اور وہ شہر لندن سے تین منزل پر ہے۔ خوبی اور لطافت وہاں کی معاینہ کرنے کے باعث ہم کو تعجب ہوا۔ وہاں عمارات مدرسے کی اور پرانے گرجے ہزار برس بلکہ اس سے زیادہ کے بنے ہوئے اور اب تلک نقصان نہیں پائے ہوئے ہم نے دیکھا چھت کے اوپر سیسے کے تختے لگائے گئے کہ مینھ کا پانی نہیں دخل کر سکتا ہے۔ اکثر دیوار کالے پتھر سے ہیں باغات موجود ہیں کہ جن میں درختوں کے جھنڈ اور پھولوں کے خیابان ہیں۔ پھر کتب خانہ دیکھنے میں آیا اور بھی رصد کی عمارت کہ وہ نہایت بلند ہے اور نو بجے رکھتی ہے۔ ہم نے دیکھا اس میں بہت سی کتابیں علم نجوم کی رکھتے ہیں۔ اوپر چڑھ کر بڑی دوربین کے وسیلے سے آسمان کے بارہ برجوں کو اور ثوابت و سیار ستاروں کو دیکھتے ہیں۔ دوسرا مدرسہ علم طب کا ہے وہاں دالان ہوتے ہیں کہ جن میں آدمی کی سرٹی[2] ہڈیاں سر سے پاؤں تلک لوہے کے تاروں سے بند ہو کر ٹھٹھریاں بن جاتی ہیں۔ جب اوکسفرڈ سے نکلے اسکاٹ لنڈ کی طرف روانہ ہوئے اس وقت موسم سرما کا تھا ہم نے دیکھا کہ لوگ جلد جلد یخ پر پھسل کے سفر کرتے تھے اور تیر سریکھا چلتے تھے۔ ہم سے کہا ہے کہ عورتیں اور مرد ولندیز کی قوم کے اس فن میں کمال قدرت رکھتے ہیں کیونکہ ندیاں نالی ان کے ملک میں بہت سی ہیں اور ٹھنڈے دنوں میں یخ ہوتی ہیں۔ دودھ والیاں دودھ گھڑوں بھر کر سر پر لے کر شہر کو لاتی ہیں اور اس سے ایک بوند بھی نہیں گر پڑتی ہے۔

اسکاٹ لنڈ کا ملک نے کوہستان اور نیچان کی تقسیم پائی۔ اسی ملک میں اکثر پہاڑ و جنگل ہیں شہران انگلینڈ سے کم ہیں لیکن کسب و ہنر کے وسیلے سے اسکاٹ لنڈ کے رہنے والے بہت مالدار ہیں۔ اسکاٹ لنڈ کے لوگ کم خوار اور شجاع ہیں کوہستان میں مگر سرٹے[3] برس میں برف

---

[1] آکسفورڈ [2] ساری [3] سارے (پورے)

پڑتا ہے۔ اور اس ملک کے مردوں کو خصوصاً غریب قوم کو اس سے کچھ دکھ نہیں چنانچہ گڈریے اپنی کملی اوڑھ کر برف کے بیچ سو جاتے ہیں جب برف چادر پر جم جاتا ہے تب اٹھ کر کملی جھٹکاتے ہیں اور پھر برف پر پڑے رہتے ہیں۔

بھیڑوں کے بال رضائی کا سریکھا پیچ رکھتے ہیں اس واسطے ان کے بدن پر سردی کا اثر نہیں ہوتا اور بارہ مہینے بھیڑوں کی مندی باہر جنگل اور چرائی میں رہتے ہیں جب برف کے دنوں میں سبزہ گھاس نہیں ہوتا ہے تب سوکھا گھاس ان کو کھلاتے ہیں۔ ولایت کا گھاس خوشبودار جانوروں کے لئے مقوی ہے۔ کوہستان کے لوگ گول ٹوپی اور کرتا پہنتے ہیں لیکن ازار اور موزہ پانوں میں نہیں رکھتے۔ کرتا گرہ اگی تک پہنچتا ہے گرڑ گا ننگا ہی اور کچھ ننگری کی رنگین روئی کی جراب چپراس دار جوتیاں پانوں میں اور کمر میں سیف رکھتے ہیں۔ انگلند اور اسکاٹ لنڈ کے عمدہ[1] لوگوں کے بچوں کی تربیت ہندوستان کی سریکھا نہیں۔ اکثر عمدہ اپنے بچوں کے تئیں صرف مدرسے کو جیسے ہندی لوگ بھیجنے کے عوض ان کو دور دور تعلیم خانوں کو بیٹھاتے ہیں چار برس کی عمر سے لڑکے لکھتے پڑھتے طرح طرح کے علم و ہنر سیکھتے ہیں بیکار کبھی نہیں ہوتے ہیں۔ اگر کوئی علم موسیقی اور ناچ اور سواری کا ہنر نہیں جانتا ہے تو اس کو پاجی یا غریب زادہ بولتے ہیں اور جو بیبیاں رقص و سرود نہیں جانتی ہیں تو ان کا نکاح مشکل ہوتا ہے۔ غریبوں کی قوم خصوص اسکاٹ لنڈ پڑھنے لکھنے سے واقف ہیں۔ وہ ہنر و پیشہ جو چاہتے ہیں سو سیکھتے ہیں اور مجبور نہیں کہ اپنے باپ دادا کی کسب کو اٹھاویں۔

یہاں دولت مند و عمدہ کیا رات کیا دن میں چوب ہاتھ میں لے کر اور سادہ لباس پہن کر پیادہ پا چلتے ہیں اور اس بات کا کچھ عیب نہیں سمجھتے اور ان صاحبوں کے لئے جو گاڑی نہیں رکھتے بازاری گاڑیاں کرایہ کے واسطے موجود ہیں، وہ بہت صاف ہیں اور جلدی چلتی ہیں۔

---

[1] افسران، اہل ثروت و جاہ

تنقید اور تبصرے

دتاسی کی مطبوعات میں بڑی تعداد ایسی تحریروں کی ہے جن میں مختلف زبانوں میں شائع شدہ مضامین پر تبصرہ کیا گیا ہے۔ ان سب کو اس فصل میں زبان وار یکجا کیا گیا ہے۔

"ہندی اور ہندوستانی منتخبات" شروع میں ہندوستانی اور برج بھاشا کی گرامر پر کچھ ابتدائی معلومات بھی ہیں۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۷ء دو جلدیں۔ تبصرہ۔ ژورنال دساواں ۱۸۳۲ء صفحات ۴۲۸ تا ۴۳۷ اور ۴۷۰ تا ۴۸۷ میں ہوا ہے۔

دتاسی لکھتا ہے کہ "یہ کتاب دو حصوں یا دو جلدوں میں تقسیم ہے۔ پہلی میں گرامر پھر ہندی یا برج بھاشا میں لکھی ہوئی کتابوں کے اقتباسات ہیں۔ حصہ دوم میں منتخبات ہیں۔ ان منتخبات میں نہ تو ترجمہ شامل ہے نہ اس پر کچھ حاشیے ہیں۔ یہ گرامر بھی کوئی نئی تالیف نہیں بلکہ کتاب کے شروع میں شیکسپیر کی مشہور تالیف کو دوبارہ نقل کر دیا ہے۔ اور وہاں برج بھاشا کے متعلق کچھ معلومات میں اضافہ ہے۔[1]

آگے چل کر وہ لکھتا ہے کہ" ایک شدید تر اعتراض جو اس پر کیا جا سکتا ہے وہ یہ کہ شمالی ہند کی قدیم یا جدید بولی کے صفحے کے ساتھ وسطی ہندوستانی یا دکنی کے صفحے شامل نہیں کئے گئے[2] جو منتخبات دئے گئے ہیں وہ بیتال پچیسی، کبیر، تلسی، پی پا، جادیو، را داس وغیرہ کی سوانح عمریاں

---

[1] ژورنال دساواں ۱۸۳۲ء ص ۴۳۰ تا ص ۴۳۱

[2] 〃 〃 〃 ص ۴۳۳

سے لئے گئے ہیں۔ اس میں کچھ عام گیت بھی ہیں۔

آخر میں دتاسی لکھتا ہے:

"یہ پہلی جلد اس فہرست پر ختم ہوتی ہے جو ہندوؤں کے مذہبی تہواروں سے متعلق ہے اور جو ۹ صفحوں میں آئی ہے...... ایک اور مضمون میں کتاب کی جلد دوم کے مندرجات پر معلومات پیش کروں گا" [1]

جس دوسرے مضمون کا وعدہ کیا گیا تھا وہ اس سال کے بعد کے شمارے میں صفحہ ۴۷۸ تا ۴۸۷ میں شائع ہوا ہے۔ اس میں بیان کیا گیا کہ اس جلد میں باغ و بہار گل بکاولی اور آرائش محفل کے دو [2] اقتباسات دئے گئے ہیں۔ اس آخر الذکر کتاب کے متعلق دتاسی نے اس کے مؤلف میر شیر علی افسوس کی سوانح عمری بھی دی ہے۔ اور اسے خیال ہے کہ وہ بے حد دلچسپ ہے۔ اس لئے اس کا ایک طویل اقتباس اپنے تبصرے میں ص۴۸۳ تا ص۴۸۴ پر نقل کر دیا ہے۔ اور یہ شہر کلکتہ سے متعلق ہے۔ جو ایسٹ انڈیا کمپنی کا صدر مقام تھا۔

مذکورہ بالا اقتباسات کے بعد پچاس دلچسپ کہانیاں ہیں پھر مسلمانوں کے عام پسند گیت۔ اس طرح ہندوستانی اور انگریزی مکالمے ہیں جن پر یہ جلد ختم ہوئی ہے۔ یہ مکالمے شیکسپیر کی شائع شدہ کتاب سے نقل کر کے دوبارہ چھاپے گئے ہیں [3]

دتاسی کو افسوس ہے کہ یہ قاعدہ بن گیا ہے کہ اقتباسات صرف قلمی کتابوں کے دئے جائیں اور ان کے ساتھ منتخبات کا ترجمہ نہ دیا جائے۔ حتیٰ کہ ان کی پیچیدگیوں کو واضح کرنے کے لئے کچھ نوٹ بھی نہ دئے جائیں۔ اور یہ لکھتا ہے کہ "میری تمنا ہے کہ مسٹر پرائس جو اس زبان سے دلچسپی لیتے..... نظر آتے ہیں اور اس کی اہمیت سے پوری طرح واقف ہیں اس بات کا فیصلہ کریں کہ اس قسم کی ایک کتاب شائع کریں"۔ یعنی ضمیمے کے طور پر الفاظ کی ایک لغت دی جائے خاص

---

[1] ژورنال ازیاتک دساواں ۱۸۳۲ء ص۴۳۴

[2] 〃 〃 ص۴۸۱

[3] 〃 〃 ص۴۸۶

ایسے الفاظ کی جواب استعمال نہیں ہوتے۔

● " منتخبات ہندی یعنی ہندوستانی زبان کے منتخبات" جن کے ساتھ لفظی ترجمہ بھی ہے۔ یا الفاظ کے معنی دیئے گئے ہیں اور چند حصوں کے متعلق اس زبان کے طالب علموں کے لیے گرامر بھی دی جائے۔ مولفہ جان شیکسپیر جو آنریبل ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی مدرسے میں شرقیات کے پروفیسر ہیں۔ اشاعت ثانی لندن ۱۸۲۴ء اور ۱۸۲۵ء دو جلدیں آٹھ صفحی تقطیع پر اس کا تبصرہ ژور نال ازیاتک جلد آٹھ (۸) جنوری ۱۸۲۶ء ص ۲۳۰ تا ص ۲۳۵ پر ہے۔

دتاسی لکھتا ہے کہ ہندوستانی زبانوں میں " سب سے زیادہ متمول زبان ہندوستانی ہے جو ایک عظیم الشان سمندر کی طرح ہے جس میں بڑے بڑے دریا گرتے ہیں جس سے اصل کا دھارا وسیع تر ہو جاتا ہے[1] باوجودیکہ اس زبان کو بکثرت لوگ بدلتے ہیں۔" اس کی ادبیات بہت **متمول** ہے اور یہ کہ اسے عظیم تجارتی اور سیاسی اہمیت حاصل ہے۔ اسے گزشتہ صدی (**یعنی** ۱۸ ویں صدی) میں **محض** ایک حقیر بولی سمجھا جاتا تھا اور فاضل جونز نے اپنی فارسی گرامر (دیباچہ صفحہ ۱۲ ریونڈ سمویل کی نگرانی میں شائع شدہ آٹھویں ایڈیشن) میں بھی یہ رائے ظاہر کی ہے[2]

دتاسی نے اولاً اس بات کی تاریخ دی ہے کہ اس زبان کا مطالعہ یورپ خاص کر انگلستان میں کب اور کیسے شروع ہوا۔ اس کے بعد اس نے اسکاٹ لینڈ کے ڈاکٹر گلکرسٹ کا طویل ذکر کیا ہے۔ جس نے نوجوانی ہی سے اس زبان سے دلچسپی لی اور اس بارے میں کئی کتابیں شائع کیں۔ رفتہ رفتہ فاتحین نے اس زبان کی اہمیت تسلیم کی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ملازمین سے چاہا کہ وہ تمام لوگ جو اس کمپنی میں بڑی کشوری (سول) یا لشکری خدمات اختیار کرنا چاہتے ہیں ان کے لیے ضروری ہے کہ ہندوستانی زبان سیکھیں۔" گورنر جنرل کا حکم بنگال

---

[1] منتخبات ہندی کا تبصرہ ۱۸۲۶ء ص ۲۳۱

[2] منتخبات ہندی پر ژورنال ازیاتک ص ۲۳۲

کی مجلس انتظامی میں بہ مقام فورٹ ولیم مورخہ ۲ر دسمبر ۱۷۹۸ء اور ایسٹ انڈیا کمپنی نے نہ صرف اس بات کی حوصلہ افزائی کی کہ برسرموقعہ یہ زبان سیکھی جائے بلکہ خود یورپ میں اس کی جو تعلیم گاہیں تھیں ان میں بھی اس زبان کے سکھانے کے لئے استاد مقرر کئے[1] ان استادوں میں سے ایک جان شیکسپیر تھا۔ جو ۱۸۰۵ء میں فوجی مدرسہ میں جو کرائڈن کے قریب تھا ہندوستانی زبان کی تدریس کے لئے مامور کیا گیا۔ اور اسی نے مذکورہ بالا کتاب شائع کی۔

شیکسپیر کی کتاب کے کئی ایڈیشن نکلے۔ دتاسی نے اس کے دوسرے ایڈیشن پر تبصرہ کیا ہے اور اعتراض کیا ہے کہ نئے ایڈیشن میں شیکسپیر نے بعض مفید چیزوں کو حذف کر دیا ہے۔ اس سے مراد چند مختصر کہانیاں اور اقتباسات تھے، جن کے ساتھ ان کا انگریزی ترجمہ بھی شامل تھا۔ اور یہ اس زبان کے مبتدیوں کے لیے مفید تھا۔

شیکسپیر کی کتاب میں اچھی گرامر شامل ہے اور ضمیموں میں کچھ منتخبات ہیں، لغت ہے اور کچھ معلومات دیوناگری خط کے متعلق دی گئی ہیں۔ جو عربی خط کے ساتھ ساتھ اس زبان کے لئے برتا جاتا ہے۔ ان منتخبات میں نہ صرف دیسی مؤلفوں کی چیزیں ہیں بلکہ بعض اقتباسات کا ترجمہ دیا گیا یعنی "ہندوستانی زبان میں گولڈ اسمتھ کی مشہور کتاب "دی کار آف ویک فیلڈ" کے تیسرے باب کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ ہے اور یہ اس بات کا نمونہ ہے کہ انگریزی عبارتوں کا جدید ہندوستانی زبان میں جو انگریزی سے بے حد مختلف چیز ہے کس طرح ترجمہ کیا جائے۔ ترجمہ میر حسن علی[2] نے کیا تھا اور اسے انگلستان میں قیام کے باعث اس کا موقع ملا تھا کہ اصل عبارت کی زبان (یعنی انگریزی) سے ٹھوس واقفیت حاصل کرے۔ یہ ترجمہ ہمیں فصیح اور مطابق اصل نظر آیا[3]

---

[1] منتخبات ہندی پر ژورنال ازیاتک ص ۲۳۴

[2] اس بارے میں دیکھو ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۳۲ء ص ۵۴۴ نیز ہمارا نوٹ اس کی بیوی میر حسن علی بیگم کی انگریزی کتاب کے متعلق "ہندوستان کے مسلمانوں پر چند ملاحظات"

[3] منتخبات ہندی پر دتاسی کا تبصرہ مطبوعہ ۱۸۲۶ء ص ۱۳۱ تا ص ۱۴۲

عربی تحریر میں عام طور پر اعراب نہیں لگایا جاتا ہے اسی لیے اس کے صحیح تلفظ میں شبہات کا امکان رہتا ہے۔ مبتدیوں کے لیے ہندوستانی زبان کے جو اقتباسات دئے جائیں ان میں جہاں تک ممکن ہو اعراب ناگزیر ہے اور طباعت میں غلطیاں نہیں ہونی چاہیئے۔

شیکسپیر کی کتاب اس بات کی مستحق تھی کہ اس کی قدر کی جائے اس میں جو اقتباسات شامل کئے گئے ہیں وہ آج کل کی روزمرہ سے بہت قریب زبان میں ہے۔ دتاسی نے "وکار آف ویک فیلڈ" کے ترجمہ کے متعلق جو رائے دی ہے وہ بالکل ٹھیک ہے۔ مزید برآں جو اقتباسات چنے گئے ہیں وہ بہت متنوع ہیں اور ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیب کے متعلق ایک اچھا مجموعی خاکہ پیش کرتے ہیں۔

شیکسپیر کی کتاب میں ایک ضمیمہ ہے جس کی طرف دتاسی نے اپنے مضمون میں کوئی اشارہ نہیں کیا ہے اس میں چند ایسے نجی خطوط ہیں جو ہندوستانی زبان میں ہیں اور یہ فارسی خط والی عربی تحریر میں نہیں۔ "نون غنہ" مؤلف نے تجویز کی کہ نون پر دو نقطے لگائے جائیں۔ لیکن اس نے اپنی کتاب میں جو منتخبات شائع کئے ہیں ان میں اس تجویز پر عمل نہیں کیا۔ آج کل نون غنہ کے لئے بغیر نقطے والا نون لکھا جاتا ہے لیکن اس میں یہ دشواری ہے کہ اگر نون غنہ لفظ کے بیچ میں آئے تو اس کا حل نہیں ملتا۔ لیکن خود شیکسپیر کی تجویز بھی کچھ اچھی نہیں کیونکہ اگر نون غنہ لفظ کے وسط میں آئے اور اس میں دو نقطے ہوں تو "ت" کا التباس پیدا ہو جائیگا۔

● "نبی آفندی کے مشورے اپنے بیٹے ابوالخیر کے لئے"

مطبوعہ زور نال دے دیبا۔ مورخہ ۳۱ مارچ ۱۸۵۷ء صفحہ ۲۔ کالم ۲ تا ۳

یہ کتاب "بی۔ دوپرا" نامی ناشر نے شائع کی تو دتاسی نے فوراً تبصرہ کیا۔ اس کتاب کو سلوستر دساسی کے نواسے پادرے دکورتیی نے تالیف کیا تھا۔ اس میں اس بات پر توجہ منعطف کرائی گئی کہ ترکی اور اردو زبانوں میں بے حد مشابہت پائی جاتی ہے پھر وہ یہ بتاتا ہے کہ نبی نام کا شاعر سلطان مراد کے زمانے میں تقریباً ۱۶۳۲ء میں زندہ تھا۔ اس نے "موریہ" کی مہم میں جنرل مصطفےٰ پاشا کی ہمراہی میں سفر کیا تھا۔ پھر حج کو مکہ گیا بعد ازاں "حلب" میں مقیم ہوا۔ جہاں سے وہ ملازمت کے لئے قسطنطنیہ چلا آیا۔ اور یہاں وہ اپنی وفات تک جو ۱۷۱۲ء میں ہوئی

کام کرتا رہا۔ کتاب کا نام ترکی زبان میں "خیر یہ" ہے۔ یہ ایک تعلیمی نظم ہے جو چیسٹر فیلڈ کی تالیف سے مشابہت رکھتی ہے لیکن حسن و جمال سے خالی نہیں ہے۔ دتاسی نے اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے جو شہر قسطنطنیہ کے متعلق ہے تاکہ ناظر اصل کتاب کے اسلوب کے متعلق کچھ تصوّر قائم کرسکے۔ علم کے متعلق اس کا بیان قابلِ ذکر ہے۔ وہ کہتا ہے 'موتی سمندر کے ساحل پر نہیں ملتے اگر حاصل کرنا ہو تو سمندر کی گہرائی میں غوطہ لگانا ہوگا'۔

- "منشی امین چند پنجابی کی سیاحتِ ہند" جلد اوّل مطبوعہ دہلی ۱۸۵۴ء صفحے ۳۵۸ کتاب ایک نقشہ اور تصویریں بھی ہیں۔ دتاسی کا تبصرہ ریویو دلوریاں سلسلۂ جدید جلد ۳ ۱۸۵۶ء صفحہ ۶۲۶ تا ۴۲۷ پر چھپا ہے۔

دتاسی نے اس تبصرے میں ہندوستانی زبان کی سیاحت سے متعلق ایک کتاب کا ذکر کیا ہے۔ جلد اول میں پنجاب، سندھ، علاقہ بمبئی، صوبجات متوسط اور صوبہ شمال مغرب کا ذکر ہے۔ دتاسی کا خیال ہے کہ جلد دوم میں بنگال کا ذکر آئے گا۔ اس نے تعارف کے طور پر کتاب کے چند اقتباسات کا فرانسیسی ترجمہ دیا ہے۔

- (الف) "مشرق کے مقاماتِ جنگ کی زبانوں کو سیکھنے کے لئے فوجی افسروں کی مدد کے لئے ایک مشورہ" مؤلفہ میکس ملر، جس میں ایک نسلیاتی نقشہ بھی ہے جو آگسٹس پیٹرمان نے تیار کیا ہے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۴ء۔ ۸ صفحی تقطیع پر ۱۲+۴۸ صفحے۔
- (ب) "مشنریوں کی ضرورت کے لئے ایک تجویز جو بنزن کے مکان میں جنوری ۱۸۵۴ء میں منعقد شدہ کانفرنس میں پیش کی گئی۔ مؤلفہ مکس ملر ۸ صفحی تقطیع صفحے ۵۲۔

حروف تہجی پر ایک جدول مطبوعہ ریویو دلوریاں سلسلۂ جدید جلد اول ۱۸۵۵ء صفحہ ۷۰ تا ۸۰۔

ان دونوں کتابوں پر دتاسی نے ایک مضمون میں تبصرہ کیا ہے۔ ان کا مؤلف میکس ملر آکسفورڈ میں پروفیسر تھا۔ پہلی تالیف میں مؤلف نے ان زبانوں کا ذکر کیا ہے جو ترکی اور روس کی سرحد پر بولی جاتی ہیں۔ اس زمانے میں اس علاقہ میں جنگ ہو رہی تھی۔ دتاسی نے اس کتاب کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اس میں جرمنوں کی عقلمندی اور انگریزوں کی واضح بیانی دونوں ملتی ہیں۔ جہاں تک اس علاقے کی زبانوں کی علمی تقسیم کا تعلق ہے ان میں سے بعض ایسی ہیں جو کم معروف تھیں لیکن تقابلی

لسانیات کے ذریعے سے بتایا گیا ہے کہ ان کا تعلق بعض ایسی زبانوں سے ہے جو زیادہ معروف نہیں۔
گارسین دتاسی کو میکس ملر سے اتفاق ہے کہ لاطینی اور فارسی وغیرہ زبانیں سنسکرت سے اخذ نہیں بلکہ
سنسکرت کی بہنیں ہیں۔

دتاسی کے خیال میں یہ بات ممکن ہے کہ اس زبان کو دوبارہ مرتب کیا جائے جواب ناپید
ہو چکی ہے اور جو ان ساری زبانوں کا ماخذ ہے اور جس طرح "کوویے" نے چند پتھر بنی ہوئی ہڈیوں
کی مدد سے جانوروں کی ان نسلوں کا پتہ چلایا جو طوفانِ نوح سے پہلے پائے جاتے تھے۔ اسی طرح
اس مفقود زبان میں موجودہ زبانوں کی اصل کو ڈھونڈا جا سکتا ہے آخر میں ایک فہرست ان ابتدائی
کتابوں کے متعلق ہے جو کتاب میں بیان کی ہوئی زبانوں کے متعلق معلومات کے لئے دیکھی جا سکتی
ہیں دوسرے رسالے میں میکس ملر نے حروف تہجی کے نظام سے بحث کی ہے جن میں مشرق کی مختلف زبانیں
لکھی جاتی ہیں مثلاً دیوناگری، ژند، میخی خط والی زبان، تاتاری، ہندوستانی، فارسی، عراقی،
اور عربی اور ان کو لاطینی خط میں کس طرح صحت کے ساتھ لکھا جا سکتا ہے۔ دتاسی کے زمانے میں
جس طرح اس بارے میں اتفاق رائے نہ تھا وہی حال آج بھی ہے اور نہ صرف مشرق کی مختلف زبانوں
کے متعلق بلکہ کسی ایک زبان کو لاطینی خط میں لکھنے کے لئے فرانس، انگلستان، اسپین، جرمنی وغیرہ
میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ جن لوگوں کو اصل مشرقی زبان نہ آتی ہو وہ اس کو لاطینی خط میں دیکھ کر
ششدر رہ جاتے ہیں مثلاً (ل) کا تلفظ انگریزی میں (ج) فرانسیسی میں (ژ) اور جرمن میں (یے)
ہے ہسپانوی میں (خ) ہوتا ہے۔

● "ہندوستانی زبان کی مختصر گرامر" جس میں طلباء کے پڑھنے کے لئے منتخبات شامل ہیں۔
مؤلفہ ای۔ بی ایسٹ وک۔ ایم۔ آر۔ اے۔ ایس اشاعت دوم۔ زیر نگرانی ریورنڈ جارج اسمال،
ایم۔ بی۔ پی لندن ۱۸۵۸ء بارہ صفحوں والی بڑی تقطیع ۲۲۶ صفحے۔

دتاسی کا یہ تبصرہ ژورنال ازیاتک دسمبر ۱۸۵۸ء صفحہ ۶۰۴ تا ۶۰۵ میں چھپا ہے۔ شکسپیر اور
فاربز کی کتابوں کے بعد ایسٹ وک کو مناسب معلوم ہوا تھا کہ اسی موضوع پر ایک مختصر کتاب شائع
کرے جو مبتدیوں کی ضرورتوں کے لئے کافی ہو۔ اس کتاب میں کایستھی ناگری خط کا ذکر ہے جو دیوناگری
حروف کو تیزی سے لکھ سکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے اس خط کی واقفیت بہت سی قلمی کتابوں اور

نجی خطوط کو پڑھنے کے لئے ناگزیر ہے۔

- "ہندوستانی زبان کی ایک گرام" جس میں اسکاٹ لینڈ کی بحری اور بری فوج کے مدرسہ کے طلبار کے استعمال کے لئے مشقیں بھی شامل ہیں۔ مؤلفہ جیمس آر بیلن ٹائن مطبوعہ ایڈنبرا سنہ ۱۸۳۸ء ۸ صفحی بڑی تقطیع ۷۰ صفحے۔

ژورنال از یاتک اپریل سنہ ۱۸۳۹ء صفحہ ۳۸۳ تا ۳۸۴ پر دتاسی نے اس کتاب پر ایک مختصر تبصرہ شائع کیا ہے اور بتایا ہے کہ پرتگالی، فرانسیسی اور انگریزی میں ہندوستانی زبان کی گرامر پر بہت سی کتابیں پائی جاتی ہیں جن میں چند اچھی اور مکمل ہیں اس کے بعد وہ زیر تبصرہ کتاب کی خصوصیتوں کا تذکرہ کرتے ہوئے اس کے مؤلف کی تعریف کرتا ہے۔

- ہندوستانی انگریزی اور انگریزی ہندوستانی لغت" جس میں بعض بالکل نئے خطوط بھی شامل ہیں مؤلفہ جان شیکسپیر چوتھا ایڈیشن اضافوں کے ساتھ مطبوعہ لندن۔ جسے مؤلف نے اپنے ذاتی مصارف سے طبع کرایا اور جسے بیل ہیم رچرڈسن ۲۳ کارن ہل نے سنہ ۱۸۴۹ء میں طبع کیا جو چوصفحی بڑی تقطیع پر ہے۔

دتاسی کا تبصرہ ژورنال از یاتک سنہ ۱۸۴۹ء میں صفحہ ۳۴۷ تا ۳۴۸ پر شائع ہوا جس میں ذکر ہے کہ یہ لغت گلکرسٹ، ٹیلر، ہنٹر، اسمتھ، ٹامسن، ایڈم، فاربز اور ہیٹس کی لغتوں سے بہتر ہے۔ پھر کہتا ہے کہ "کتاب کے پہلے اور آخری ایڈیشن میں ۳۲ سال کا وقفہ درمیان میں ہے۔ اس اثناء میں شیکسپیر اس کتاب کو بہتر سے بہتر بنانے کے لئے لگاتار محنت کرتا رہا ہے۔ اور خوش قسمتی سے میں نے بھی اس کام میں اس کی کچھ مدد کی ہے[1] وہ یہ بھی بیان کرتا ہے کہ تیسرے ایڈیشن میں ۴۵۹۰۰ الفاظ و محاورات پائے جاتے تھے۔ موجودہ ایڈیشن میں ان کی تعداد ۵۳۰۰۰ تک پہونچ گئی ہے شکسپیر کی کتاب کی ایک اور خصوصیت کہ وہ الفاظ کے اشتقاق میں سنسکرت، فارسی اور عربی وغیرہ کی اصل کا بھی ذکر کرتا ہے۔ جب ہندوستانی الفاظ سنسکرت یا عربی بگاڑنے پر مشتمل ہوں تو مؤلف نے اصل الفاظ کو بین القوسین کر دیا ہے اور کسی جگہ شبہ ہو تو بھی ایسا ہی کیا ہے۔

---

[1] ژورنال از یاتک ۱۸۴۹ء صفحہ ۳۴۷

● "قانونِ اسلام" یعنی ہندوستانی مسلمانوں کے رواج جن میں ان کے مختلف حقوق کا نیز ولادت سے وفات تک انجام دی جانے والی تقریبوں کا مکمل اور صحیح تذکرہ بھی شامل ہے۔ مطبوعہ لندن ۱۸۳۲ء۔

دتاسی کا تبصرہ ژورنال دساداں کے بابت ۱۸۳۳ء کے دو شماروں میں شائع ہوا۔ صفحہ ۴۴۱ تا ۴۵۸ اور ۵۳۹ تا ۵۴۸۔ کتاب کا مؤلف جعفر شریف ہے جس نے ہرکلوٹس کی فرمائش پر اسے لکھا تھا۔ جس کا اس نے انگریزی ترجمہ کرکے لندن سے شائع کیا۔ دتاسی لکھتا ہے کہ "جس کتاب کا میں یہاں تذکرہ کر رہا ہوں وہ اہم ترین تالیفوں میں سے ایک ہے جو حضرت محمد کے مذہب پر شائع ہوئی ہیں۔ اس میں ۸ صفحی تقطیع کے ۵۹۲ صفحوں میں جو کثیر مواد جمع کر دیا گیا ہے وہ آسانی سے کئی جلدوں میں شائع ہو سکتا تھا۔ اس کا اہم ترین حصہ ہندوستان کے مسلمانوں کے مذہب سے متعلق ہے اور یہ وہ موضوع ہے جس سے مجھے بھی دلچسپی رہی ہے (دیکھو تالیف ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب کی خصوصیتوں پر ایک یادداشت وغیرہ)" مؤلف جعفر شریف کے متعلق بیان کرتا ہے کہ اسے لالہ میاں بھی کہا جاتا تھا۔ وہ سنی مذہب کا تھا اور سلطنت گولکنڈہ کے شہر ایلورا کا رہنے والا تھا۔

دوسرے سے بارہویں باب تک مؤلف نے ان رسموں کا ذکر کیا ہے جو بچہ کی ولادت سے پہلی سالگرہ تک منائی جاتی ہیں۔ سالگرہ کے معنی 'برس گنٹھ' یعنی سال کی گرہ کے ہوتے ہیں۔ تیرہویں، چودہویں اور پندرہویں باب میں بالترتیب ارکان اسلام، نکاح اور محرم کا ذکر ہے۔

دتاسی کے تبصرے کے حصہ دوم میں ۱۸ سے ۲۰ باب تک کا ذکر ہے جن میں تین مشہور ترین ولیوں پیر دستگیر (یعنی بغداد کے عبدالقادر جیلانی) شاہ مدار اور قادر ولی کا ذکر بھی شامل ہے۔

۲۹ویں باب میں جس کا تبصرہ دتاسی کے صفحہ ۵۴۳ تا ۵۴۶ میں ہے۔ ہندوستانی مسلمانوں کے صوفیانہ سلسلوں کا ذکر ہے اور آخر میں ۵۴۸ صفحہ پر دتاسی نے املا کی چند غلطیوں کا ذکر کیا ہے۔ جن کا انگریز مؤلف نے ارتکاب کیا ہے۔

● "موضحِ قرآن" یعنی قرآن کی وضاحت جو قرآن مجید کے عربی متن اور ہندوستانی زبان کے بین السطور ترجمے پر مشتمل ہے۔ بڑی تقطیع ایک سو پچاسی صفحات۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۲۹ء پر دتاسی کا

تبصرہ ژورنال دساواں ۱۸۳۴ء صفحہ ۴۳۵ تا ۴۴۲۔

سید احمد شہید نے کلکتہ میں مطبع احمدی کے نام سے ایک چھاپہ خانہ قائم کیا تھا تاکہ ہندوستانی مسلمانوں کی سماجی اصلاح کے لئے کوشش کی جائے اسی لئے انھوں نے مولانا محمد اسماعیل شہید کی ایک کتاب "تقویت الایمان" اور اپنی کتاب "ترغیب الجہاد" شائع کی تھی۔ انھوں نے موضح قرآن کے نام سے قرآن مجید کا ہندوستانی زبان میں ترجمہ کیا تھا۔ یہ ایک تاریخی نام ہے جس سے ۱۲۰۵ کا عدد نکلتا ہے۔ ۱۲۰۵ھ مطابق ۱۸۰۳ء ہے۔ یہ امر قابل فہم ہے کہ یہ تالیف جو عوام الناس کے لئے تیار کی گئی بہت سادہ اسلوب میں ہو اور اس میں لفاظی سے اجتناب کیا جائے تاکہ مفہوم کو سمجھنے میں دشواری نہ ہو۔ غرض یہ عام بول چال کی زبان میں ہے اور مرصع و مقفع اسلوب سے اجتناب برتا گیا ہے۔ یہ کتاب بھی اس مطبع احمدی میں چھپی اور اس کا ناظم عبداللہ بن بہادر علی تھا۔

دتاسی نے اس ترجمہ کے کافی طویل اقتباسات دیے ہیں صفحہ ۴۴۰ تا ۴۴۲ میں لکھتا ہے " جو چیزیں بیان کی گئیں وہ اس اہم کتاب کے متعلق صحیح تصور قائم کرنے کے لیے شاید ضرورت سے زیادہ ہیں جو ہندوستان اور مسلمانوں ہی کے لیے نہیں بلکہ یورپین عالموں کے لیے بھی کافی ہیں"[۱]

● " بیتال پچیسی یا بیتال کی پچیس کہانیاں" جن کا برج بھاشا سے انگریزی میں راجہ کالی کشن بہادر ایم۔ اے ایس۔ سی ایم۔ ایس وغیرہ نے ترجمہ کیا۔ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۴ء آٹھ ورقی تقطیع۔ ۱۵ صفحات جس میں مؤلف کی تصویر بھی شامل ہے دل لبھانے کے لطیفوں کہانیوں اور قصوں کی انگریزی اور فارسی سے ماخوذ اردو میں ترجمہ اور اب اس سے انگریزی میں ترجمہ ہوا: مترجم کی تصویر بھی ہے۔ ۱۲ صفحوں والی تقطیع کے ۱۹۰ صفحے مطبوعہ کلکتہ ۱۸۳۵ء

دتاسی کا تبصرہ ژورنال دے ساواں جولائی ۱۸۳۶ء صفحہ ۱۱۴ تا ۴۲۱۔

اس تبصرہ میں دتاسی نے کتاب کے مؤلف کالی کشن کو مشکل سے ۲۸ سال کا بتایا ہے جو اردو سے انگریزی یا انگریزی سے اردو میں کئی ترجمے شائع کر چکا ہے یہ مشرق میں رہنے والا ایک مستغرب ہے جس طرح مغرب میں بہت سے مستشرق رہتے ہیں۔ دتاسی کے مطابق کالی کشن کا باپ بھی مشہور مؤلف گذرا ہے۔ اور لارڈ کلائیو کے سیکریٹریٹ میں ملازم تھا اور ایسٹ انڈیا کمپنی سے متعلق کلکتہ میں رہتا تھا۔ بیتال پچیسی ایک سنسکرت کتاب ہے اور اس میں پچیس کہانیاں ہیں۔ دتاسی بیان کرتا ہے کہ اس

کا تامل ترجمہ بھی پایا جاتا ہے اور یہ کہ اس کتاب کی دو کہانیاں سابق میں اسی رسالہ میں ۱۸۳۲ء صفحہ ۴۴۳ پر اور ۱۸۳۴ء صفحہ ۲۴۰ پر چھپ چکی ہیں۔ اس تبصرہ میں کتاب کے مندرجات کا تجزیہ کیا گیا ہے جو صفحہ ۴۱۵ تا ۴۱۹ پر پھیلا ہوا ہے۔

● اسی تبصرہ میں گارسین دتاسی "مجمع اللطائف" نامی ایک اور کتاب کا بھی ذکر کرتا ہے جس میں ساٹھ چھوٹی کہانیاں ہیں جو ہندوستانی اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہیں اور یہ بھی اضافہ کرتا ہے کہ پچاس انگریزی سے لی گئی ہیں اور باقی "مجموعہ صنعالی" مولفہ زین العابدین کی فارسی کتاب سے ماخوذ ہیں۔ یہ اورنگ زیب کے زمانہ میں تالیف ہوئی۔ دتاسی نے ناظرین کے لیے اس کتاب سے "سکندر اعظم اور بوڑھا شخص" نامی کہانی کو فرانسیسی میں ترجمہ کر کے شائع کیا ہے۔
(دیکھیے صفحہ ۴۲۰ تا ۴۲۱)

● "گلدستۂ انگلستان"۔ سید عبداللہ مطبوعہ کلکتہ ۱۸۵۴ء آٹھ ورقی تقطیع ۲۴ صفحے۔
دتاسی کا یہ تبصرہ ریویو دلورپاں دلیجیری اے دے کولونی سلسلہ جدید جلد ۳ بابت ۱۸۵۶ء۔ صفحہ ۸۳ تا ۸۴ میں چھپا ہے۔
اس میں دتاسی نے لکھنؤ کے ایک مسلمان سید عبداللہ کے فارسی سفرنامے کا ذکر کیا ہے۔ جس نے پیرس آکر دتاسی سے ملاقات کی تھی۔ لکھتا ہے کہ اس نے اس کے ساتھ ہندوستانی میں گفتگو کی۔ سفرنامہ بیشتر انگلستان کے متعلق ہے اور مولف نے نظام عدل گستری، جہاز رانی، فوجی قوت لارڈ ولنگٹن کی وفات و تدفین وغیرہ کا ذکر کیا ہے اس میں ایک نوجوان انگریز لڑکی پر ایک غزل بھی ہے جو بعد میں مؤلف کی بیوی بن گئی۔ دتاسی نے اس کتاب کے چند اقتباسات کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا۔

● "پریم ساگر"۔ جس میں کرشنا کی تاریخ ہے۔ اشاعت جدید میں لغت ہے۔ مؤلفہ ایڈورڈ ایسٹ وک۔ ایم آر۔ ایس۔ مطبوعہ ہیرٹ فورٹ ۱۸۵۱ء چو ورقی تقطیع ۲۴۰ صفحے۔

● ۲۔ "پریم ساگر" جو شری للولال کی ہندی سے انگریزی میں ایسٹ وک نے ترجمہ کیا ہے۔ مطبوعہ ہیرٹ فورڈ ۱۸۵۰ء چو ورقی تقطیع ۱۱۲ صفحے۔
دتاسی نے ہندی کی ان دونوں کتابوں پر تبصرہ ژورنال ازیاتک بابت اپریل و مئی ۱۸۵۱ء

صفحہ ۴۹۰ تا ۴۹۱ پر شائع کیا ہے ان میں سے اول الذکر ہندی کی مقبول عام کتاب پریم ساگر کا نیا ایڈیشن ہے طلباء کے استعمال کے لئے ہندوستان و انگلستان دونوں جگہ درسی کتاب کے طور پر اختیار کیا گیا ہے۔ دوسری کتاب اس کا نیا ترجمہ ہے۔ دتاسی نے ۱۸۴۷ء میں اپنی کتاب تاریخ ادبیات ہندوی اور ہندوستانی شائع کی تو اس کی جلد دوم میں صفحہ ۷۶ تا ۲۱۵ میں اس کتاب کے بڑے حصے کا فرانسیسی ترجمہ بھی دیا تھا اس کے سال بھر بعد ڈبلیو ہولنگس نے اس کا مکمل انگریزی ترجمہ شائع کیا۔ اس کے متعلق دتاسی لکھتا ہے کہ "ہیلی بری کے فاضل پروفیسر نے ہندی متن کا لفظی ترجمہ کرنے کے ساتھ ساتھ اس کی بھی کوشش کی ہے کہ وہ قابل فہم اور فصیح زبان میں بھی ہو"۔[۱]

- "وکرم اروشی" ایک ہندوستانی ناٹک کالیداس کی سنسکرت کتاب سے انگریزی نثر میں ای۔ بی۔ کاویل نے ترجمہ کر کے ہیرٹ فورڈ میں شائع کیا۔ ناشر کا نام ایس آسٹن سنہ ۱۸۵۱ء آٹھ ورقی تقطیع۔ ۱۸ صفحے دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جون سنہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۵۹۷۔

اس انگریزی ترجمہ کا ذکر کرتے ہوئے دتاسی بتاتا ہے کہ وہ نہ صرف مطابق اصل ہے بلکہ اس میں متعدد عالمانہ حاشیے ہیں۔ اور ایک جدول میں ان بحروں کا ذکر ہے جو اس ڈرامے میں استعمال ہوئی ہیں۔ جہاں تک ترجمہ کا تعلق ہے دتاسی بتاتا ہے کہ وہ کتاب کے سمجھنے کے لیے بہت موزوں ہے۔

- "سنسکرت ادبیات پر چھوٹی کتاب (ہینڈ بک)" جو جارج اسمال نے انگریزی میں لکھی اور ولیمس اینڈ نورگیٹ نامی ناشر نے لندن میں سنہ ۱۸۶۶ء میں بارہ ورقی تقطیع پر شائع کی۔ اس میں ۲۰ + ۲۸ صفحے ہیں۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک بابت اکتوبر نومبر سنہ ۱۸۶۶ء صفحہ ۴۳۶ تا ۴۳۷ پر ہے۔

دتاسی کا بیان ہے کہ اس میں دریا کوزے میں بند کر دیا گیا ہے۔ اس نے مؤلف کی دیگر سابقہ

---

[۱] ژورنال ازیاتک۔ اپریل مئی سنہ ۱۸۵۱ء صفحہ ۴۹۱

تالیفوں کا بھی ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زیرِ تبصرہ کتاب ایسی ہے کہ آدمی کو جس موضوع کی تلاش ہو وہ اس میں آسانی سے ڈھونڈھا جا سکتا ہے۔

● "اسلامی ہندوستان پر چند ملاحظات" مؤلفہ بیگم میر حسن علی۔ انگریزی زبان میں دو جلد آٹھ ورقی تقطیع ۱۸۳۲ء۔ لندن میں چھپی۔

ذناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد نو جنوری ۱۸۳۲ء صفحہ ۵۳۹ تا ۵۶ میں شائع کیا۔ بیگم حسن علی ایک انگریز خاتون تھیں۔ اس کا شوہر پڑھا لکھا مسلمان تھا جو کئی سال انگلستان میں مقیم رہ چکا ہے وہ ایسٹ انڈیا کمپنی کے فوجی مدرسے میں (جو کرائڈن میں قائم کیا گیا تھا) کام کرتا تھا۔ وہیں اس نے انگریزی کتاب "کارآف ویکفیلڈ" کے ایک حصّہ کا ہندوستانی ترجمہ کیا جسے فاضل مؤلف جان شیکسپیر نے "منتخبات ہندی" میں داخل کیا تھا۔ اس مسلمان نے انگلستان میں اس عورت سے شادی کی جس نے زیرِ تبصرہ کتاب لکھی پھر شوہر کے ساتھ ہندوستان چلی گئی۔ مؤلفہ نے اپنے خسر میر حاجی شاہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ وہ بہت فاضل اور نہایت متقی شخص ہے۔ دراصل خطوط میں بیگم حسن علی نے ہندوستانی مسلمانوں کے رسم و رواج، عادات اور مذہبی خیالات پر تبصرہ کیا ہے۔"[1]

ذناسی کو اس کتاب سے اتنی دلچسپی ہوئی کہ وہ اپنے ناظرین سے بیان کرتا ہے کہ اس تذکرہ کو خود اس کی تالیف "ہندوستانی مسلمانوں کے مذہب کی خصوصیتوں پر ایک یادداشت" کا ضمیمہ تصوّر کریں۔

ذناسی کا بیان ہے کہ اس کتاب میں ہندوستان کے محرم کی عزاداری کا طویل بیان ہے اور یہ کربلا کی لڑائی پیغمبر اسلام کے نواسوں امام حسن و امام حسین کی شہادت سے متعلق ہے۔

بیگم حسن علی نے ہندوستانی مسلمانوں کے نجی زندگی کے حالات کا بھی ذکر کیا ہے۔ کتاب میں زیادہ تر اسلامی تہذیب کو اجاگر کیا ہے۔ ذناسی نے اس کے متعدد اقتباسات نقل کئے ہیں۔

---

[1] ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۳۲ء صفحہ ۵۴۰ تا ۵۴۱

دیگر ابواب میں عورتوں کے اخلاق و عادات۔ نکاح و ولادت کی تقریبوں اور بچوں کی تعلیم و تربیت کا بیان ہے۔

ایک خط میں بیگم حسن علی نے اپنے سفر دہلی و قنوّج وغیرہ کا حال لکھا ہے۔ آگے چل کر دتاسی لکھتا ہے کہ ہندوستانی تحریر کا املا اتنا خراب ہے کہ مشکل سے آدمی ان لفظوں کو پہچان سکتا ہے۔"[1]

● "ایک مسلمان شخص لطف اللہ کی خود نوشتہ سوانح عمری" اس سے ای۔ بی۔ البسٹ وک۔ ایف آر ایس ایف اے ایس نے ایڈٹ کیا۔ ۱۸۵۷ء میں دتاسی نے اس کا تبصرہ ژورنال دے دیبا میں صفحہ ۳ کالم ۱ تا ۶ میں شائع کیا ہے۔

البسٹ وک ایک مشہور مستشرق ہے جو ایک زمانہ میں ریاست سورت میں اس کے برطانوی ہند میں ضم ہونے سے پہلے نائب ریزیڈنٹ کے عہدے پر مامور تھا اور اس وقت لطف اللہ برطانوی سفارت خانہ میں اس کا منشی تھا۔ جب اس ریاست کو غیر منصفانہ طور پر برخاست کر دیا گیا تو اس کے حکمراں جعفر علی خاں نے انگلستان کے کئی سفر کئے تاکہ وہاں کے اعلیٰ حکام سے براہ راست گفت و شنید کر سکیں۔ ان سفروں میں لطف اللہ ان کے ساتھ رہا۔ میر جعفر علی خاں کے پیرس آنے اور گارساں دتاسی سے ملاقات کرنے کا بھی ذکر ہے۔

دتاسی اس کتاب کو اپنے سالانہ خطبہ میں طلباء سے پڑھنے کی سفارش کرتا ہے اور طویل تبصرہ میں کتاب کے مندرجات کا تفصیل سے تجزیہ کرتا ہے۔ واقعی یہ کتاب اس کی مستحق بھی ہے ان میں ہندوستان اور ان ملکوں کے جن کی سابقہ حکمراں سورت نے سیاحت کی تھی بہت سی تاریخی اور سماجی معلومات ملتی ہیں۔

لطف اللہ کو انگریزی زبان اچھی آتی تھی۔ اس نے اپنی کتاب براہ راست انگریزی میں لکھی۔

اس کے ایڈیٹر البسٹ وک نے لکھا ہے کہ اس نے اس میں کوئی تبدیلی نہیں کی ہے بس چند

---

[1] ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۳۲ء صفحہ ۵۵۹

عبارتوں کو مختصر کر دیا۔

دتاسی نے ۱۸۵۷ء کے خطبے میں اس خود نوشتہ سوانح عمری کا بیان کیا ہے۔ "شخصی روابط غلط فہمیاں اور تعصبات دور ہو جاتے ہیں اور یہ کہ ہندوستان کے لوگ خواہی و نخواہی انگریز تسلط کو قبول کر لیں گے۔ یہ صحیح ہے کہ ہمارے سیاحوں نے اپنے وطن کے لوگوں اور وہاں کے نظم و نسق پر کئی بار تنقید کی ہے اور اس زمانے کے انگریزوں کی بعض چیزوں کی تعریف بھی کی ہے لیکن اس سے یہ نتیجہ نہیں نکالا جا سکتا کہ لطف اللہ اپنے وطن کی آزادی پر انگریزوں کے تسلط کو ترجیح دیتا ہے"

اس خود نوشتہ سوانح عمری کا فرانسیسی میں ترجمہ ہوا اور اس کا عنوان "ایک مسلمان شخص لطف اللہ کی یادداشتیں" ۱۸۵۸ء میں ایک نقشہ کے ساتھ ۳۳۶ صفحوں میں پیرس میں چھاپا گیا۔

● "بھگوت گیتا یا کرشن یا ارجن کی خدائی مسائل کے متعلق گفت و شنید" دیگر سنسکرت کی فلسفیانہ نظموں کا جز۔ کاک برن ٹامس نے انگریزی میں ترجمہ کیا۔ یہ فرانس کی سوسیتے از یاتک کا بھی رکن تھا۔ کتاب ہرٹ فورڈ میں ۱۸۵۵ء چھوٹی چوورنی تقطیع پر ۱۱۹+۱۵۵ صفحوں پر شائع ہوئی ہے۔ اسی مولف کی ایک اور انگریزی تالیف کا عنوان ہے "بھگوت گیتا یا مقدس قانون" سنسکرت متن کا نیا ایڈیشن یہ ۱۲+۶۲ صفحوں میں شائع ہوئی ہے۔ دتاسی کا تبصرہ اس پر ژورنال ازیاتک مئی تا جون ۱۸۵۵ء میں صفحہ ۵۸۶ پر شائع ہوا ہے۔ یہ شخص دتاسی کے شاگردوں میں سے تھا اور بیان کرتا ہے کہ سنسکرت متن کے نئے ایڈیشن میں سابقہ ایڈیشن کے مقابلہ میں جو جرمنی کے شہر بون میں شائع ہوا تھا زیادہ اصلاحیں نہیں ہیں لیکن ترجمہ واقعی بالکل نیا ہے جس میں بہت احتیاط برتی گئی ہے اس کا دیباچہ سو سے زیادہ صفحوں میں آیا ہے اور ہندوؤں کے فلسفہ کا بہت نفیس خلاصہ ہے۔ اس دیباچہ میں بہ کثرت فٹ نوٹ بھی ہیں اور دتاسی ان کی بہت ثنا خوانی کرتا ہے۔

● "شکنتلا کا بادشاہ کی طرف سے اعتراف"

ایک سنسکرت ناٹک جو کالی داس نے سات ایکٹوں میں لکھا ہے۔ دیوناگری رسم الخط میں چھپا تھا اور اب پہلی دفعہ لفظی انگریزی ترجمہ کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے۔

اسے مسٹر ولیمس نے انگریزی میں ہرٹ فورڈ میں طبع کیا۔
ناشر اسٹفن آسٹن۔ آٹھ ورقی بڑی تقطیع کے ۳۳۲ صفحے۔
زناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۵۴ء صفحے ۸۹ تا ۹۰ پر ہے۔

زناسی کی رائے میں یہ اشاعت فن طباعت کا شاہکار ہے۔ اس مشہور ناٹک کا سنسکرت متن ترجمہ و حواشی کے ساتھ ایل دوشیزی نے ۱۸۳۰ء میں شائع کیا تھا اور وہ ایک ایسے مخطوطہ پر مبنی تھا جو بنگالی خط میں ہے۔ موجودہ اشاعت ایک قدیم تر اور بہتر متن پر مبنی ہے اور متعدد مخطوطوں نیز تین مختلف شرحوں کی مدد سے ایڈٹ کیا گیا ہے۔ زناسی بیان کرتا ہے کہ اس کا مؤلف مسٹر ولیمس چاہتا ہے کہ جلدی ہی اس کا ایک انگریزی ترجمہ نثر اور نظم میں شائع کرے۔ یہ نفیس ڈرامہ ایسا ہے کہ جرمن شاعر گوئٹے بھی اس پر سر دھنتا تھا۔

● "پراکرت پرکاش یعنی دارا روچی کی سنسکرت گرامر اور اس پر بھامہ کی شرح۔ پہلا مکمل ایڈیشن جو میکڈانل آکسفورڈ کے ای۔ بی۔ کاویل نے ہرٹ فورڈ میں شائع کیا۔ ناشر اسٹیفن آسٹن بسنہ ۱۸۵۴ء آٹھ ورقی بڑی تقطیع کے ۲۳۶ صفحے۔

اس تبصرہ میں جو ژورنال ازیاتک فروری ۱۸۵۴ء میں شائع ہوا۔ زناسی بیان کرتا ہے کہ اس کتاب کا مؤلف دارا روچی غالباً اجین کے حکمراں بکرماجیت کے زمانے کا گرامر نویس تھا یعنی پہلی صدی عیسوی کے تقریباً وسط کا۔ چونکہ جن بولیوں کو پراکرت کہا جاتا ہے وہ کلاسیکل سنسکرت اور جدید ہندی کے مابین ایک حلقہ ارتصال کا کام دیتی ہیں اس لیے علم لغت کے لحاظ سے ان زبانوں کا مطالعہ مفید ہے مہاراجہ اشوک کے چند کتبے اور باختری حکمرانوں کے سکے جن پر دو زبانوں میں الفاظ کندہ ہیں نیز ہندوستان کے بکثرت قدیم ناٹک سب پراکرت میں ہیں۔

● "بنگالی کتابوں کی ایک توضیحی فہرست" جس میں ۱۴۰۰ کتابوں اور رسالوں کی باب وار تفصیل ہے جو گذشتہ ساٹھ سالوں میں چھپ کر شائع ہوئے ہیں۔ مؤلفہ جے۔ لونگ کلکتہ بارہ صفحی تقطیع پر ۱۱۴ صفحوں میں زناسی کا تبصرہ۔ ژورنال ازیاتک اکتوبر تا نومبر ۱۸۵۵ء صفحہ ۴۶۴ تا ۴۶۷ پر ہے۔

اس کیٹیلاگ سے پتہ چلتا ہے کہ بنگالی زبان میں کس طرح ترقی ہو رہی تھی اس میں نہ صرف ان کتابوں کا ذکر ہے جو انگریزی زبان کے زیر اثر لکھی گئی ہیں بلکہ وہ بھی جو قدامت پسند ہندوؤں نے تالیف کیں۔ دتاسی کا بیان ہے کہ سماجی اسباب سے وشنو اسکول کی تالیفوں کی تعداد زیادہ کثیر ہے اور وہ یہ اضافہ کرتا ہے کہ " اس کتاب کے خالص ہندو حصہ میں ویدانت پر لکھی ہوئی اہم کتابوں کی ایک فہرست بھی ہے ان میں سے اہم ترکو مشہور رام موہن رائے نے شائع کیا تھا اور مجھے (دتاسی کو) اس سے شخصی تعارف بھی رہا ہے اس میں ایسی کتابوں کا بھی ذکر ہے جن میں بحث و مباحث کے اختلافی مسائل بھی ہیں۔ جیسے کہ بیواؤں کی ستی یا گنگا جل پر قسم کھانا وغیرہ"[1]

اس زمانے میں بھی انگریزی یا یورپ کی دیگر کلاسیکل کتابوں میں سے متعدد کا بنگالی میں ترجمہ ہو چکا تھا۔ مثلاً رابنسن کروسو، پلگرمز پروگریس، ملٹن بلکہ شیکسپیر کی تصانیف نیز ہومر اور ورجل بھی۔ اس کیٹیلاگ میں اخباروں اور رسالوں نے کافی جگہ لی ہے۔ ۱۸۲۹ء سے خود رام موہن رائے نے کاؤموڈی اخبار شائع کرنا شروع کیا تھا جس میں عیسائی مشنریوں کے ویدوں پر اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے ہندوؤں کی فضول رسموں پر بھی حملے کئے تھے۔

راسخ العقیدہ لوگوں نے بنگالی میں اس کے جواب میں ایک اور اخبار چندریکا شائع کرنا شروع کیا جس میں سالہا سال تک بت پرستی اور ستی کی تائید کی جاتی رہی۔

- " زبانوں کی تقسیم"۔ ایم۔ ایچ دشا تزانسے کے فرانسیسی مضمون۔ زبانوں کی تقسیم اور جرمنی کے مکاتب لسانیات" پر ملاحظات مطبوعہ ریویو اور ینتال اے امریکن جلد دو ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۹۴ تا ۲۹۶ - اس چھوٹے سے مضمون میں زبانوں کی مختلف قسموں کا ذکر ہے اور سب لسانیات کے متعلق اہل علم کے خیالات

---

[1] ژورنال ازیاتک اکتوبر ۱۸۵۵ء صفحہ ۴۶۵ تا ۴۶۱

کی ترقی ہے اور جس کا اشٹائن ٹال نے اپنی کتاب میں ذکر کیا ہے اس بارے میں دتاسی نے اس جرمن مؤلف کے خیالات سے اپنے اختلاف رائے کا اظہار کیا ہے۔

وہ ہندوستان کی جدید بولیوں کے متعلق کہتا ہے کہ ان کا سنسکرت سے مقابلہ کیا جائے جو ان زبانوں کی ماں ہے تو جرمن مؤلف کے نظریے کے مطابق سنسکرت ایک الگ شعبے میں رہے گی اور اس سے نکلی ہوئی زبان ایک دوسرے شعبے میں۔ دتاسی بطور نتیجہ بیان کرتا ہے کہ "میری کتاب ہندوی زبان کے مبادیات میں جو گردانیں دی گئی ہیں ان میں اس علاحدگی پسند املا کی متعدد مثالیں ہیں جو باہم ملا دیتی ہیں"[1]

ذیل کی چار انگریزی کتابوں کے تبصرے قابل ذکر ہیں:

- ۱۔ "پشتو گرامر" مولفہ کیپٹن ایچ۔ جی۔ ریورٹی۔ اشاعت دوم لندن ہرٹ فورڈ کے الیس آسٹن کی مطبوعہ ۱۸۶۰ء چو ورقی تقطیع ۱۶ + ۲۰۴ صفحہ۔
- ۲۔ "پشتو لغت" مولفہ ایچ۔ جی۔ ریورٹی۔ لندن ۱۸۶۰ء چو ورقی تقطیع ۵ صفحے۔
- ۳۔ "گلشن روہ پشتو منتخبات" (نظم و نثر) مولفہ ریورٹی۔ لندن ۱۸۶۱ء چو ورقی تقطیع ۶ + ۳۸۶ صفحات۔
- ۴۔ "پشتو شاعری کے منتخبات" مؤلفہ ریورٹی۔ لندن ۱۸۶۲ء چو ورقی چھوٹی تقطیع ۳۲ + ۳۴۸ صفحے۔

دتاسی نے ژورنال ازیاتک بابت فروری مارچ ۱۸۶۲ء میں صفحہ ۹۱ تا ۹۳ پر ان کی تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے "مسٹر ریورٹی کی یہ تالیفیں جو پشتو زبان سے متعلق ہیں اپنی جگہ مکمل ہیں اور ان کی مدد سے آدمی اس زبان کو سیکھ سکتا ہے اور اسے کسی دوسری کتاب کی ضرورت نہیں رہتی۔ اپنی گرامر کے شروع میں مسٹر ریورٹی نے پینتیس صفحوں کا ایک دیباچہ دیا ہے جس میں افغانوں کی مختصر تاریخ دی گئی ہے اور یہ بیان کیا ہے کہ زبان زد کہانی کے متعلق یہ بنی اسرائیل کے گم شدہ قبائل پر مشتمل ہیں۔ اگرچہ اب انہوں نے اسلام قبول کر لیا ہے اور

---

[1] ریویو اور ینتال اے امرکین۔ جلد ۲ ۱۸۵۹ء صفحہ ۲۹۵

راسخ العقیدہ سنی ہیں۔[1]

اس کے بعد دتاسی بیان کرتا ہے کہ پشتو زبان کا تعلق ایرانی شاخ سے ہے لیکن کئی نقطۂ نظر سے وہ اردو سے مشابہ ہے (علاوہ اور چیزوں کے افعال کی ساخت میں) اور اردو کی طرح پشتو میں بھی مذکر مونث دو ہی صیغے ملتے ہیں اور یہ کہ پشتو میں بھی اردو ہی کی طرح بے شمار فارسی عربی الفاظ رائج ہو گئے ہیں ظاہر ہے کہ وہ عربی خط میں لکھی جاتی ہے جیساکہ متعدد دیگر زبانیں، لیکن پشتو میں پانچ ایسے حروف ہیں جو ہندوستانی میں نہیں پائے جاتے ہیں۔

لغت کے متعلق گارسین دتاسی کا بیان ہے کہ وہ قابل اطمینان ہے۔ آخرالذکر کتاب میں جو منتخبات دیئے گئے ہیں اس کا نام روھ دیا گیا ہے یہ عربی لفظ روح نہیں بلکہ یہ لفظ 'روھیلہ' یعنی افغان سے ماخوذ ہے۔ منتخبات میں بہترین افغان مؤلفوں کی کثیر تعداد میں نمائندگی ہوئی ہے۔

- "ہندوستانی سیکھنے کا آسان طریقہ" جس میں اس زبان کو انگریزی رسم الخط میں لکھا گیا ہے اور مکمل صرف و نحو دی گئی ہے۔ مولف مونیر ولیمس پروفیسر آکسفورڈ یونیورسٹی اور ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہیلی بری کالج کا سابق استاد تھا۔ اس میں منتخبات بھی ہیں لغت بھی اور مکالمے بھی جو کاٹن ماتھر نے لکھے ہیں۔ اور جو ایڈسکومب کالج لندن میں ہندوستانی کا مددگار پروفیسر تھا۔ مطبوعہ لندن ۱۸۵۶ء۔ بارہ ورقی تقطیع ۲۴۸ صفحے۔

دتاسی کا تبصرہ ژورنال از یاتک دسمبر ۱۸۵۶ء ۶۰۵ پر چھپا ہے جس میں بیان کرتا ہے کہ ہندوستانی زبان کو لاطینی خط میں لکھنا علمی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں۔ تبصرہ میں مؤلف کی سوانح عمری کا ذکر ہے کتاب کی خوبیوں کا نہیں۔

- "ایک انگریزی کتاب کریمیا (قریم) کی مختصر تاریخ۔ ابتدائی زمانہ سے موجودہ روسی قبضے تک مولفہ برک ہارٹ بارکر۔ لندن ۱۸۵۵ء۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال از یاتک مئی ۱۸۵۵ء صفحہ ۴۸۶۔ اشاعت کے وقت کریمیا کے علاقہ کے متعلق ترکی اور روس

---

[1] ژورنال از یاتک فروری مارچ ۱۸۶۲ء صفحہ ۲۵۲

میں جنگ ہو رہی تھی اس طرح گویا یہ ایک بر وقت کتاب تھی جس میں نہ صرف تاریخی بلکہ جغرافیائی، نسلیاتی اور ادبی تفصیلات بھی ہیں۔ کتاب میں کچھ تفسیریں بھی ہیں۔ حسب عادت دتاسی نے اس کتاب کی تعریف کی ہے۔

● " ایک انگریزی کتاب اس امر کے متعلق تحقیقات کہ بہار اور صوبہ جات شمالی میں کون سا نظام تعلیم سب سے زیادہ مقبول و مفید ہو سکتا ہے" مولف ایف۔ بوترو پرنسپل دہلی کالج۔ مطبع سیرام پور ۱۸۴۲ء ہشت صفحی تقطیع ۳۲ صفحے۔

دتاسی نے اس کتاب کا تبصرہ کیا ہے جس میں تین چیزوں سے بحث کی گئی ہے۔ پہلے یہ کہ ہندوستانی مدرسوں میں عربی سنسکرت کی تعلیم ضروری ہے یا نہیں اور انگریز مولف اس کے خلاف ہے دوسرے میں انگریزوں کی تعلیمی سیاست کی تبدیلی۔ شروع میں انھوں نے حوصلہ افزائی کی کہ ہندوستانیوں کی تعلیم مشرقی زبانوں ہی میں ہو مگر جنھوں نے اب یہ فیصلہ کیا ہے کہ انگریزی واحد ذریعۂ تعلیم ہو مؤلف کو اس فیصلہ سے شکایت ہے تیسرے حصے میں مؤلف نے تجاویز پیش کی ہیں اور کہا ہے کہ اہم عربی، فارسی، سنسکرت، انگریزوں کتابوں کا جو ہندوستانی طلباء کی تعلیم کے لیے مفید ہیں اردو میں ترجمہ کیا جائے۔

● "سلطنت اودھ کے پایۂ تخت لکھنؤ میں تعلیم کی حالت پر تبصرہ" مطبوعہ ریویو دلوریاں دللجیری اے دے کولونی سلسلہ جدید جلد اول ۱۸۵۵ء صفحہ ۳۴۵ تا ۳۴۸۔

اس فرانسیسی مضمون میں دتاسی نے دہلی کے اخبار قران السعدین کے اقتباس دیئے ہیں، اخبار کی تاریخ اشاعت بیان نہیں کی ہے۔

ایک اقتباس میں شہر لکھنؤ کو مجموعۂ اضداد کہا ہے، جہاں مدرسۂ سلطانی ہے جو حکمراں ملک سعادت علی خاں کے مزار کے قریب واقع ہے۔ اس درسگاہ میں نظامِ تعلیم مشرق کے قدیم طریقہ پر مبنی ہے مزید برآں نصاب میں جو کتابیں شامل کی گئی ہیں وہ وہی ہیں جو کلکتہ، آگرہ یا دہلی کے مدرسوں میں ملتی ہیں۔ بجز اس فرق کے کہ شیعہ فقہ کی تعلیم ہوتی ہے مدرسہ میں عربی گرامر، منطق، بلاغت، فقہ تفسیر اور حدیث بھی پڑھائی جاتی ہے۔ فلسفہ اور طب کی تعلیم بھی خاص طور پر دی جاتی ہے لیکن تاریخ اور جبر و مقابلہ نہیں پڑھائے جاتے ہیں۔ ایک مشہور حکیم

مرزا حسین علی کے پاس ذاتی کتب خانہ ہے جس میں (الجبرا) علمی کتابیں بھی ہیں۔ میر میاں نامی مجتہد جو فقہی مسائل کے مشیر اعلیٰ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ سنی ہوں یا شیعہ سب ہی اس فاضل کی قابلیت کے معترف ہیں۔ ملک میں اسلام کا بول بالا ہے اور عیسائیت کے خلاف متعدد تردیدی کتابیں شائع ہوئی ہیں ہر جگہ کتب خانوں میں انجیل کا عربی ترجمہ ملتا ہے۔ اس کی وجہ غالباً یہ ہے کہ مشنریوں نے اس کو تقسیم کیا تھا۔ لوگ اس کو پڑھتے ہیں اور بعض تو ادب سے بوسہ دیتے ہیں۔ یہ بات صرف دینی کتابوں کے لیے مختص ہے۔ لکھنؤ کے کتب خانے میں پانچ چھ ہزار قلمی کتابیں ہیں۔ دو ہزار دیوان یعنی اشعار کے مجموعے، جن میں تاریخ ہند کی بھی بہت سی کتابیں ہیں وہاں ایک عربی مخطوطہ بھی ہے جو جغرافیہ پر پرانی کتاب ہے اس کا نام "اشکال البلاد" ہے مگر اس کے مولف کا پتہ نہیں چلتا۔

گلستان سعدی جو یورپ میں بھی مقبول ہے دتاسی نے اس کی تین اشاعتوں پر تبصرہ کیا ہے۔

- ۱۔ "شیراز کے شیخ سعدی کی گلستاں" نیا ایڈیشن جس کے لئے ہیلی بری کے ایسٹ انڈیا کالج کے مشرقی السنہ کے پروفیسر نے متعدد نسخوں کا احتیاط سے مقابلہ کیا ہے۔ ہرٹ فورڈ میں ۱۸۴۹ء میں ہشت صفحی تقطیع پر ۳۷۸ صفحات میں چھپی ہے۔
- ۲۔ "گلستان سعدی کے فارسی متن پر اعراب بھی لگایا گیا ہے تاکہ فورٹ ولیم کالج میں استعمال ہو سکے"۔ فورٹ ولیم کالج کے ممتحن اے اسپرنگر ایم۔ڈی۔ نے کلکتہ میں ۱۸۵۱ء میں ہشت صفحی تقطیع پر ۲۵۲ صفحوں میں چھاپا۔
- ۳۔ "شیراز کے شیخ مصلح الدین سعدی کی گلستاں"۔ پہلی مرتبہ اس کا ترجمہ نثر و نظم میں کیا گیا اور دیباچہ میں کتاب آتش کدہ سے ماخوذ مؤلف کے حالات دئے گئے ہیں۔ مولفہ ایڈورڈ ی۔ ایسٹ وک ایف آر ایس وغیرہ ہرٹ فورڈ میں ایس آسٹن نے ۱۸۵۲ء میں شائع کیا۔ ہشت صفحی تقطیع ۳۲ + ۳۱۲ صفحے۔

دتاسی کا پہلا مضمون نور ونال از بانک مئی جون ۱۸۵۱ء صفحہ ۵۹۰ تا ۵۹۹ میں چھپا۔
دوسرا مضمون اسی رسالے کی اشاعت اکتوبر نومبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۵ پر شائع ہوا۔

تیسرا مضمون بھی اسی رسالے میں جون ۱۸۵۳ء میں صفحہ ۵۷۴ تا ۵۷۶ پر چھپا ہے۔

پہلے تبصرہ میں جو فارسی متن کی اشاعت کے متعلق ہے دتاسی سفارش کرتا ہے کہ فارسی زبان کے طلباء اس سے استفادہ کریں کیونکہ یہ ہی واحد ایڈیشن ہے جس میں الفاظ پر اعراب لگایا گیا ہے جو مفہوم سمجھنے کے لیے ضروری ہے اسی طرح یہ واحد ایڈیشن ہے جس میں الفاظ کا مفہوم تفصیلی طور پر ایک لغت میں دیا گیا ہے۔

دتاسی اس میں چار پانچ طباعتی غلطیوں کی نشان دہی کرتا ہے لیکن اس کے ناشر ایسٹ وک کی بڑی تعریف کی ہے[1] دوسرے تبصرے میں جو اشپرنگر نے شہنشاہ اورنگ زیب کے لئے ۱۶۹۰ء میں لکھے ہوئے ایک مخطوطے پر مبنی ہے جو خود مؤلف کے نسخہ سے نقل ہوا تھا یہ مخطوطہ اب تک کلکتہ کی ایشیاٹک سوسائٹی کے ذخیرہ میں محفوظ ہے اس میں حاشیہ پر جو نوٹ ہیں اُن سے زیر تبصرہ ایڈیشن میں استفادہ کیا گیا ہے اس ایڈیشن میں بعض دیگر قلمی اور مطبوعہ نسخوں سے بھی مدد لی گئی ہے۔ اس ایڈیشن کے لیے جو اصول ملحوظ ہے ان کی کچھ مثالیں دتاسی نے دی ہیں چوں کہ دتاسی ہندوستانی زبان کا پروفیسر تھا اس لیے وہ اس بات سے باز نہ رہ سکا کہ اس کتاب کا افسوس نے جو ہندوستانی ترجمہ کیا ہے اس کا بھی ذکر کرے اور لکھتا ہے کہ اصل فارسی کی بعض عبارتوں کا مفہوم ہندوستانی ترجمے کے ذریعے سے آسانی سے سمجھ میں آجاتا ہے۔

اشپرنگر کی اشاعت کے متعلق دتاسی نے جو تجویزیں کیں ان کا مکرر ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "مجھے مزید برآں آخر میں کہنا ہے کہ جس فارسی کتاب کے متعلق یہ تبصرہ ہے وہ یقیناً کتاب مذکور کے ایڈیشنوں میں سے جو بہترین ہیں ان میں سے ایک ہے"[2]

● وہ اس موضوع کا ژورنال ازیاتک اکتوبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۴۳۰ تا ۴۳۵ میں ذکر کرتا ہے کہ اشپرنگر نے گلستاں کو ایڈٹ کرنے میں کیا طریقہ اختیار کیا تھا۔ اس ایڈیشن کی

---

[1] ژورنال ازیاتک مئی جون ۱۸۵۰ء صفحہ ۵۹۷

[2] " اکتوبر نومبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۴۳۴ تا ۴۳۵ صفحہ ۴۳۵

خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حروف پر اعراب بھی لگایا گیا ہے اور اختلافات رائے کا بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ پھر وہ لکھتا ہے کہ "فاضل ایڈیٹر نے ہر لفظ کا صحیح تلفظ برہان قاطع یا قاموس فیروز آبادی سے معلوم کیا ہے۔ مزید برآں کتاب کے پروف آغا محمد شستری اور مولوی محمد وجیہہ جیسے فاضل علماء نے پڑھے تھے جو اس ایڈیشن کی صحت کے ذمہ دار ہیں اور بے جھجھک کہا جا سکتا ہے کہ یہ ایک بہترین ایڈیشن ہے"[۱]

تیسرے تبصرے میں جو مختصر ہے دتاسی گلستاں کے فارسی ترجمے کا ذکر کرتا ہے کہ اس کی نثر اور نظم کا ترجمہ جہاں تک ممکن ہو سکا مماثل بحروں کے ساتھ نظم میں کیا گیا پھر اس نے مثال کے طور پر تین فارسی بیتوں کو ان کے انگریزی ترجمے کے ساتھ نقل کیا ہے۔

● "اخلاق محسنی" مولفہ حسین واعظ کاشفی جس کے شروع میں تبدیلیوں کے لیے چند نئی حکایتیں بھی بڑھائی گئی ہیں۔ اس کو لفٹنٹ کرنل جے۔ ڈبلیو جے۔ اُوسے لیفٹ نے ایڈٹ کر کے ہشت صفحی تقطیع کے ۱۱۰ صفحوں میں ہرٹ فورڈ سے ۱۸۵۰ء میں شائع کیا۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جون ۱۸۵۱ء میں صفحہ ۵۹۸ پر ہے۔

یہاں اخلاق محسنی کا صرف ایک جزئی ایڈیشن ہے جو کتاب کے نصف حصے پر مشتمل ہے اور طلباء کے استعمال کے لیے شائع ہوئی ہے۔ دتاسی بتاتا ہے کہ اس نے اخلاق محسنی کا تجزیہ سابق ژورنال ازیاتک بابت ۱۸۳۷ء میں چھاپا اور کتاب کے نام کا ترجمہ "احسان کرنے والے کے اخلاق" نہیں کرنا چاہیئے جیسا کہ انگریزی ایڈیشن کے عنوان پر دیا گیا بلکہ "محسن کے اخلاق" کرنا چاہیئے یعنی خراساں کے حکمراں مرزا ابوالحسن جس کی طرف یہ کتاب منسوب ہے۔

● "گوہر ہائے ناسفتہ و غنچہ ہائے ناشگفتہ"۔ غیر مطبوعہ دیوان سے لی ہوئی ایک صدی کی فارسی غزلیات لندن سے ڈبلیو۔ ایم۔ واٹس نے ۱۸۵۱ء میں جو صفحی تقطیع پر ۶۲ صفحوں میں شائع کیا۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک اکتوبر نومبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۴۳۵ تا ۴۳۶ پر ہے۔ دتاسی بتاتا ہے کہ اس میں ایک سو غیر مطبوعہ نظمیں ہیں مگر ان کا ترجمہ ہے اور نہ نوٹ دیئے

---

[۱] ژورنال ازیاتک اکتوبر نومبر ۱۸۵۲ء صفحہ ۴۳۵

گئے ہیں۔ البتہ ان شاعروں کی سوانح عمریاں ملتی ہیں جن کی غزلیں اس کتاب میں شامل ہیں۔ پھر نمونے کے طور پر اس کتاب سے لی ہوئی ایک چھوٹی نظم کا فارسی متن اور فرانسیسی ترجمہ شامل کیا ہے۔

● "کتاب العہد الجدید" یعنی انجیل کا ترجمہ (عربی) لندن ۱۸۵۱ء آٹھ صفحی تقطیع ۳۹۶ صفحے۔ ذناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جنوری ۱۸۵۲ء صفحہ ۹۴ تا ۹۵ پر ہے۔

یہ انجیل کا ایک نیا ترجمہ ہے جو ریورنڈ ڈاکٹر سیموئیل لی نے مشہور لبنانی شاعر فارس شدیاق کی مدد سے یونانی سے عربی میں کیا ہے۔ سابقہ عربی ترجمہ سوقیانہ زبان میں تھا اور اب کوشش ہے کہ فصیح عربی کا ترجمہ پھیلایا جائے۔

پرانے ترجمہ میں بعض عبارتیں چھوٹ گئی تھیں اور ذناسی کے مطابق موجودہ ترجمہ مکمل ہے۔

● ۱۔ "تحفۃ المستیقظ الآنس فی نزھۃ المستنیم والناعس"۔ شیخ المہدی کی کہانیاں جن کا عربی سے ایک مخطوطہ کی اساس پر جے مارسل نے ترجمہ کیا۔ ژورنال ازیاتک جلد ۱۰ جولائی ۱۸۳۲ء صفحہ ۳۰۳ تا ۳۰۴ پر ہے۔

● ۲۔ "شیخ المہدی کی عربی کہانی"۔ ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد ۱۳ جنوری ۱۸۳۴ء صفحہ ۱۸۷ تا ۱۹۱۔

یہاں ایک کتاب سے بحث ہے جو بالاقساط شائع ہوئی۔ پہلے مضمون میں ذناسی کے سامنے صرف ۹۶ صفحات جو ۱۵ جولائی ۱۸۳۲ء میں شائع ہوئے تھے ۱۸۲۹ء میں مارسل نے شیخ المہدی کی کہانیوں کے حصہ اول کا ترجمہ تین جلدوں میں شائع کیا تھا وہ اتنا مقبول ہوا کہ بعد میں اس نے کامل ترجمہ شائع کیا۔ جدید ایڈیشن میں پرانے ترجمے ہی کو تصحیح اور اضافہ کے ساتھ دوبارہ چھاپا ہے۔

شیخ المہدی ایک عیسائی جس نے اسلام قبول کر لیا تھا پھر اس نے جامعۃ الازہر میں دینیات اور ادبیات کی تعلیم حاصل کر کے امتیاز حاصل کیا اسے مصری حکومت نے بطور سکریٹری مامور کیا جب فرانسیسیوں نے (نپولین کے زمانے میں) مصر پر حملہ کر کے قبضہ کیا تو انہوں

نے بھی اس کو خدمت پر برقرار رکھا۔ جے۔ جے مارسل سے چونکہ اس کی بہت دوستی تھی اس لیے مؤلف نے اپنی کتاب کا مخطوطہ اسے تفویض کر دیا تھا۔

دوسرا مضمون دتاسی نے فروری ۱۸۳۴ء میں شائع کیا اور زیر تبصرہ کتاب کی دوسری جلد کی خصوصیتیں بیان کیں اس میں نپولین کے حملے کی یاد تازہ کی گئی ہے اور جنرل کلیبر اور جنرل عبداللہ ژاک منو کے حالات ہیں اور جو کہانیاں بیان کی گئی ہیں وہ قاہرہ کے دارالمجانین کے بیماروں کے طرف منسوب کی گئی ہیں وہاں کچھ سیاسی قیدی بھی رہتے تھے۔

● "گفتار در قضایاے آتابکان و چگونگی احوال الیشان" جس میں شام و ایران کے اتابکوں کی تاریخ محمد بن خاوند شاہ بن محمود المعروف بہ میر خوند نے دیے ہیں پہلی دفعہ سولہ مخطوطوں کا مقابلہ کر کے ڈبلیو ایچ مارلے نے شایع کیا اور اس میں اتابکان کے سکوں کی چند تصویریں بھی شایع کیں جس کو ڈبلیو ایس ایس ڈبلیو وواسکارٹ نے بمع تشریح مرتب کر کے لندن میں آٹھ صفحی تقطیع ۱۰۴ صفحوں اور متعدد نقشوں کے ساتھ چھاپا۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جولائی سنہ ۱۸۵ء میں صفحہ ۹۳ تا ۹۴ پر ہے۔ دتاسی بیان کرتا ہے کہ "مارلے کا متن انتہائی صحیح ہے۔" اس تبصرہ کے باقی حصے اس مؤلف کی ستائش کی گئی ہے اور بتایا ہے کہ وہ ان دنوں کن دیگر کاموں میں مشغول ہے۔

● "دربند نامہ" جو ایک ترکی منتخب ترجمہ سے انگریزی میں ڈھالا گیا اور اصل متن اور وہاں کی تاریخ جغرافیہ اور آثار قدیمہ کے متعلق توضیحی نوٹوں کے ساتھ سینٹ پیٹرز برگ کے پروفیسر مرزا کاظم بیگ کی تالیف ہے ۱۸۵۱ء میں بڑی تقطیع کے چوصفحی ۲۴ + ۲۴۸ صفحوں پر شائع ہوا۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک ستمبر تا اکتوبر ۱۸۵ء صفحہ ۱۰ ۱۴ تا ۴۱۲ شائع ہوا۔

کاظم بیگ داغستان کے صدر مقام دربند کا باشندہ تھا۔ دتاسی بتاتا ہے کہ "دربند نامہ نام کی کتاب ایک سو بیس ۱۲۰ سال پہلے داغستان کی روسی فتح کے وقت زار روس پیٹر اعظم کی خدمت میں پیش کیا گیا تھا۔ ۱۸۲۹ء کلاپ روٹ نے ژورنال ازیاتک میں اس کتاب کے ایک حصہ کا ترجمہ شائع کیا تھا۔

اب مرزا کاظم بیگ نے پوری کتاب کو اپنے ایک مملوکہ مخطوطے کی اساس پر ایڈٹ کیا ہے۔ متن

کے ساتھ ساری کتاب کا انگریزی ترجمہ بھی شامل ہے اور اس میں نوٹ اور ضمیمے بھی ہیں جن میں اقتباسات بھی ہیں۔

دتاسی نے کتاب کے ابتدائی حصے کا ترجمہ کیا ہے جس میں کاظم بیگ نے بتایا ہے کہ کن حالات میں وہ اس کام کے انجام دینے پر آمادہ ہوا۔ اس کے سوا دتاسی نے نہ کوئی تنقید کی ہے اور نہ شرح بس وعدہ کیا کہ وہ قرآن مجید کی ایک غیر معروف سورۃ کے متعلق ایک خصوصی مضمون لکھے گا اور اس وقت اس پر مزید بحث کرے گا۔

- "مقامات حریری اور اس کی شرح کا فارسی ترجمہ" مولفہ شمس الدین کے ترجمے کا ایک نمونہ۔ یہ کتاب لکھنؤ میں ۱۸۴۷ء میں لیتھو پر ۱۲۴ صفحوں میں چھپی ہے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک فروری ۱۸۶۴ء میں صفحہ ۲۰۲ تا ۲۰۶ پر ہے۔ دتاسی کے ایک دوست لیوں بیورو نے مقامات حریری کے ہندوستانی ترجمے کی فرمائش کی تھی لیکن کتب فروش نے اسے فارسی ترجمہ روانہ کیا۔ اس مناسبت سے دتاسی نے یہ مضمون قلم بند کیا اور فارسی ترجمے کے اقتباس کو نقل کرکے اس کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا تاکہ اصل کے اسلوب کا ناظرین کو اندازہ ہو سکے۔ لیکن وہ یہ نہیں بیان کرتا کہ اس کی اپنی رائے میں فارسی ترجمہ اچھا ہے یا نہیں۔ وہ مقامات حریری کے اصل عربی کے چند محاورات کو نقل کرکے ان کی تشریح کرتا ہے۔
- "ایرانی شطرنج با تصویر" مولفہ این بلان اسکوائر۔ لندن ۱۸۵۰ء آٹھ صفحی تقطیع کے ۷۰ صفحے اور چار نقشے جو لیتھو پر چھپے ہیں۔ اس انگریزی کتاب پر تبصرہ دتاسی نے ژورنال ازیاتک مارچ اپریل ۱۸۵۱ء صفحے ۴۸۵ تا ۴۸۹ شائع کرایا۔

دتاسی نے کتاب کے مندرجات کا تجزیہ کیا ہے جو پانچ فارسی اور عربی کتابوں سے شطرنج کے متعلق معلومات پر مشتمل ہیں۔

دتاسی لکھتا ہے کہ شطرنج کھیلنے کے مختلف طریقے ہیں۔ ان میں بعض طریقے پرانے ہیں بعض جدید۔ عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے کہ شطرنج اصل میں ہندوستان کی ایجاد ہے اور خیال ہے کہ چھٹی صدی عیسوی میں نوشیرواں کے طبیب برزویہ نے ہندوستان سے لاکر ایران میں رائج کیا تھا۔ شطرنج کھیلنے کا ایک طریقہ وہ ہے جو تیمور لنگ کی طرف منسوب ہے۔

فردوسی کے "شاہنامہ" میں اس کے کھیلنے کے ایک طریقے میں چالیس مہریں استعمال کی جاتی ہیں۔ اور تختہ پر سو خانے ہوتے ہیں۔ اس کتاب کی اشاعت سے قبل ان میں سے بہت سی چیزیں غیر معروف تھیں۔ مسٹر بلاآن نے جو عربی عبارتیں نقل کی ہیں ان کی بعض غلطیوں کی طرف دناسی نے اشارہ کیا ہے۔ اور بتایا ہے کہ صحیح لفظ کیا ہے۔

ژورنال ازیاتک اگست ۱۸۵۱ء صفحے ۱۶۳ پر ژ مول کا ایک مضمون ہے جس میں مسٹر بلاآن کی کتاب کی طرف اشارہ ہے اور شطرنج کھیلنے کے متعلق چند معلومات دی ہیں۔ مزید برآں ژورنال ازیاتک نومبر دسمبر ۱۸۵۱ء صفحہ ۵۸۵ میں کاظم بیگ کا ایک خط جو دناسی کا موسومہ ہے شائع کیا گیا۔ اس میں سینٹ پیٹرز برگ کے پروفیسر کاظم بیگ نے بتایا کہ شطرنج میں شاہ مات کی جو اصطلاح برتی جاتی ہے (وہ انگریزی میں check mate ہوگیا ہے) یہ فارسی نہیں بلکہ ترکی ہوسکتی ہے اور ترکی میں "مات قالمق" کے معنی ششدر رہ جانا ہے[1]

شطرنج کے متعلق جدید تر اور مکمل معلومات کے لیے دائرہ معارف اسلامیہ (انسائیکلوپیڈیا میں مادہ شطرنج) دیکھنا چاہیئے۔

● "فلرس کی لاطینی کتاب فارسی، سنسکرت اور ژند زبانوں کا تقابلی مطالعہ"۔ دناسی نے اس مشہور کتاب کا جو فارسی گرامر ہے۔ اور جس کی پہلی جلد ۱۸۴۰ء میں اور دوسری ۱۸۵۰ء میں شائع ہوئی تھی۔ تبصرہ کیا۔ پہلی جلد کا تبصرہ ژورنال ازیاتک اپریل ۱۸۴۴ء میں صفحہ ۳۱۷ تا ۳۲۱ میں اور دوسری کا ژورنال ازیاتک نومبر دسمبر ۱۸۵۰ء میں صفحہ ۵۲۰ تا ۵۳۸ پر چھپا ہے۔

اس کتاب میں فلرس نے بتانے کی کوشش کی ہے کہ قدیم فارسی اور سنسکرت میں کیا روابط ہیں۔ اگر کچھ زبانیں ایک ہی خاندان کی ہوں تو ان میں بہت مشابہتیں نظر آئیں گی۔ فارسی

---

[1] ہماری رائے میں یہ خیال درست نہیں "شاہ مات" کے معنی عربی میں بادشاہ مر گیا۔ شطرنج کے کھیل میں کوئی اور مہرہ کٹ جائے تو کھیل پر برا اثر نہیں پڑتا لیکن جب بادشاہ حریف کے ہاتھوں کٹ جائے تو ہار ماننی پڑتی ہے اور کھیل ختم ہوجاتا ہے۔

پر عربی کا بھی جو ایک سامی زبان ہے بہت اثر پڑا ہے۔ ذناسی کی رائے میں فارسی سمجھنے کے لیے ہندوستانی کا جاننا بھی مفید ہوگا۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے " ہندوستانی جملوں کی ساخت عام طور پر زیادہ صاف اور زیادہ یکساں ہوتی ہے۔ اس پر عربی کے اسلامی اثرات کم پڑے ہیں۔ ہندوستانی کے جملے میں جو اجزا ہوتے ہیں ان میں توازن اور ہم آہنگی ہوتی ہے۔ اس کے برخلاف فارسی میں ابہام زیادہ ہوتا ہے اس لیے مفہوم کم واضح ہوتا ہے لیکن اگر کسی کو ہندوستانی آتی ہو تو وہ آسانی سے معلوم کر لیتا ہے کہ اس ابہام کے اندر کون سے ہندوستانی امور پائے جاتے ہیں اور اس طرح مفہوم زیادہ واضح ہو جاتا ہے[1]

یہ بیان کرنے کے بعد ذناسی فلرس کی کتاب کا تجزیہ کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ اس کتاب میں گرامر، اشتقاق، صرف ونحو، عروض وغیرہ کے مختلف پہلوؤں سے بحث کی گئی ہے۔

● "سلامان و ابسال" جو ملا جامی نے سات نظموں میں لکھ کر 'ہفت اورنگ' کے نام سے شائع کی تھی۔ اور اس میں صوفیانہ قصے ہیں۔ اب اس کو پہلی دفعہ فاربز فالکنر نے آٹھ مخطوطوں کی مدد سے ایڈٹ کیا ہے۔ اسے مشرقی کتابوں کی اشاعت کی انجمن نے چھپوا کر لندن سے ۱۸۵۰ء میں چھاپا۔ چو صفحی تقطیع کے ۹۲ صفحے۔ ذناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک نومبر دسمبر ۱۸۵۰ء میں ۵۳۸ تا ۵۴۱ میں چھپا ہے۔

اس مضمون کا ایک آف پرنٹ ذناسی کے اپنے استعمال میں تھا وہ اب مدرسۃ السنہ مشرقیہ کے کتب خانے میں نمبر ۲۸ ۲۰ پر ہے۔ اس کے پہلے صفحے میں لفظ ہفتہ کے روبرو ایک نوٹ ہے کہ ' ہفت اورنگ' یعنی 'دب اکبر' کے سات ستارے موسیو شیزی فوں ہامر اور اٹکنسن نے اس کی نظموں کا ترجمہ کیا ہے۔

اس تبصرہ میں ذناسی اولاً سلامان و ابسال نامی صوفیانہ نظم کا بطور خلاصہ تجزیہ کرتا ہے پھر چند اصطلاحوں کا مفہوم بیان کرتا ہے اور ایڈیٹر مسٹر فالکنر کی تعریف کرتے ہوئے اس نے لکھا ہے کہ " جو متن شائع کیا گیا وہ انتہائی صحیح ہے۔ مسٹر فالکنر جیسے فاضل کی دقت پسندی

---

[1] ژورنال ازیاتک نومبر دسمبر ۱۸۵۰ء صفحہ ۵۲۱ تا ۵۲۲

پر کامل اعتماد کیا جا سکتا ہے۔ اس نے اپنی صلاحیتوں کے دو سکر ثبوت بھی دیئے ہیں اور بلاخوف تردید کہا جا سکتا ہے کہ یورپ میں فارسی جاننے والے ماہر ترین علماء میں سے وہ ایک ہے[1]

ژورنال ازیاتک کے فروری ۱۸۵۷ء کے شمارہ میں صفحہ ۲۹۱ تا ۲۹۵ میں دتاسی نے ایک چھوٹا سا تبصرہ شائع کیا جس کا عنوان "سلاماں و ابصال کی صوفیانہ نظم" مؤلفہ جامی کا فارسی سے ترجمہ جو لندن ۱۸۵۶ء میں آٹھ صفحی تقطیع کے ۱۶ + ۸۴ صفحوں میں شامل ہوا۔ اس میں دتاسی ترجمہ کی خوبی کا اعتراف کرتا ہے اور اس کی خصوصیت کو پسند کرتا ہے کہ نثر کی عبارت کو نظم سے جدا کر کے لکھا گیا ہے چنانچہ نثر کا ترجمہ معمولی لاطینی خط میں ہے اور نظم اٹالکس (جیسے خط نسخ و نستعلیق) میں دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اس انگریزی ترجمہ سے بعض جگہ دتاسی کو اتفاق نہ تھا۔ مثلاً وہ لکھتا ہے "جامی بڑے عمر کے ہو چکے تھے جب انھوں نے سالاماں والبصال لکھی اور دیباچہ میں شکایت کرتے ہیں کہ" ان کی آنکھوں کی بصارت اب کام نہیں دیتی اور یہ کہ فرنگی عینکوں نے اس کو چار آنکھیں دینے میں کامیابی حاصل نہیں کی"[2]

دتاسی نشان دہی کرتا ہے کہ مترجم نے اصل کو پڑھنے میں غلطی کی۔ آخر کے جملہ کا صحیح ترجمہ حسب ذیل ہوگا۔ میری دونوں آنکھیں اس وقت تک دیکھنے کے قابل نہیں ہو سکیں گی جب تک کہ فرنگی عینکیں دو کو چار نہ کر دیں"

● "ایران کے منگولی لوگوں کی تاریخ" مولفہ رشید الدین جو فارسی ترجمے کے ساتھ موسیو کاترمیر نے شائع کیا یہ پیرس کی اکیڈمی شعبہ فنون لطیفہ کے رکن ہیں۔ شاہی کولیژ د فرانس اور مدرسہ السنہ شرقیہ دونوں جگہ استاد ہیں۔ پہلی جلد پیرس کے مطبع شاہی میں ۱۸۳۶ء میں بڑی تقطیع کے ۱۷۵ + ۴۵۰ صفحوں میں چھپی ہے۔

دتاسی نے اپنے تبصرہ میں (جو ژورنال دے ساواں اگست ۱۸۳۸ء میں صفحہ ۵۰۱ تا

---

[1] ژورنال ازیاتک نومبر دسمبر ۱۸۵۵ء صفحہ ۵۴۱

[2] ایضاً فروری مارچ ۱۸۵۷ء صفحہ ۲۵۱

۵۱۴ پر چھپا ہے) اس اشاعت کی قدر و قیمت کے متعلق حسب ذیل خیالات کا اظہار کرتا ہے
"اس شاندار کتاب کے شروع میں اس کے مؤلف رشید الدین کی سوانح عمری دی گئی ہے
میں نے آج تک اتنی تفصیلی اور محنت سے لکھی ہوئی کوئی مشرقی سوانح عمری نہیں دیکھی"
رشید الدین خاں یہودی النسل شخص تھا جس نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ اپنے
زمانے کا سب سے بڑا مورخ سمجھا جاتا ہے۔ اس نے ساری دنیا کی ہر زمانہ کی قوموں کی تاریخ
پر ایک ضخیم کتاب لکھی۔ ظاہر ہے کہ اس میں وہی معلومات ملیں گی جو مؤلف کے زمانے کے
مسلمانوں سے مخصوص تھیں۔ اس کتاب کا نام جامع التواریخ ہے اور مؤلف نے اپنے حکمراں کی
طرف معنون کیا ہے۔ جا بجا مختلف حکمرانوں کی تصویریں بھی ہیں۔ جس کا اس نے تذکرہ کیا ہے۔
اصل کتاب تا حال پوری نہیں چھپی ہے۔ کاترمیر اور دتاسی کے بعد سے اب تک کچھ اور اجزا شائع
تو ہوئے ہیں مگر کتاب کا بڑا حصہ تا حال غیر شائع شدہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ
کتاب عربی فارسی اور ترکی میں تالیف ہوئی لیکن مختلف زبانوں کے نسخوں کا مقابلہ کرنے
سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ہو بہو یکساں نہیں۔

ایک باب میں مسلمان خلفاء کا ذکر ہے۔ دوسرے میں روم کے پوپ کا تیسرے میں
بزنطینی حکمرانوں کا ذکر ہے۔ اسی طرح روم کے حکمرانوں یہودیوں، عیسائیوں، ہندوستانیوں،
چینیوں وغیرہ کے حالات شامل ہیں۔ ماہرین کا بیان ہے کہ ان بابوں میں جو چیزیں بیان ہوئی
ہیں وہ ہر طرح قابل اطمینان ہیں۔ ظاہر ہے کہ کتاب کے اس حصے کو خاص طور پر اہمیت دی
جاتی ہے جو منگولیوں کے متعلق ہے کیونکہ مؤلف انھیں کے ملک میں رہتا تھا۔

دتاسی اس کتاب کی ثنا خوانی کرتے ہوئے قابل قدر بتاتا ہے۔

● "فارسی، عربی اور انگریزی لغت" مولفہ فرانسس جانسن جو آنریبل ایسٹ
انڈیا کمپنی کی سرپرستی میں لندن کے پبلشر ڈبلیو۔ ایچ ایلن، کمپنی ۱۸۵۲ء میں
شائع کیا۔ بہت بڑی آٹھ ورقی تقطیع کے ۴+۱۴۲۰ صفحوں پر مشتمل ہے۔ تبصرہ
ژورنال ازیاتک اپریل مئی ۱۸۵۳ء میں صفحہ ۴۷۶ تا ۴۸۴ میں چھپا ہے۔
اس تبصرہ میں دتاسی نے اولاً فارسی زبان کی لغتوں کا جو یورپی زبانوں میں ہیں:

تاریخی تذکرہ کیا ہے۔ پھر جونسن کی کتاب کے متعلق بتایا ہے کہ اس کام کا آغاز کیسے ہوا۔ دتاسی نے کہا ہے کہ فارسی لغتوں کے سلسلے میں ایک ایسی گتھی پیدا ہوتی ہے جس کا حل آسان نہیں یعنی فارسی میں جو الفاظ عربی سے لئے گئے ہیں بطور قاعدہ عربی کا کوئی لفظ بھی فارسی میں استعمال نہیں کیا جا سکتا ہے۔ اس طرح یہ خیال کیا جا سکتا ہے کہ فارسی لغت سے وہ سارے الفاظ حذف کر دیئے جائیں جو عربی الاصل ہیں لیکن دتاسی نے یہ معقول بات کہی کہ " ایسے عربی الفاظ میں سے بہتوں نے فارسی میں ایک نیا مفہوم اختیار کر لیا ہے اس لیے یہ ناگزیر ہے کہ ایسے لفظوں کے وہ معانی بھی بتائے جائیں جو عربی میں ہوتے ہیں، نیز وہ بھی جو فارسی میں ہو گئے ہیں "[1]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جانسن کو علم اشتقاق سے کم واقفیت تھی کیونکہ دتاسی نے قابل لحاظ الفاظ کی فہرست دی ہے جو جانسن کی رائے میں عربی الاصل نہیں لیکن جو حقیقت میں فارسی ہیں۔ اسی طرح بعض الفاظ اصل میں ترکی اردو وغیرہ کے ہیں۔ لیکن ہماری رائے میں دتاسی کی حسب ذیل رائے صحیح نہیں۔ " ابوبکر کے نام کا دوسرا لفظ "ب" کے زیر سے بکر پڑھنا چاہیئے نہ کہ زبر سے۔ حضرت محمدؐ کے خسر ابوبکرؓ کے نام کے لفظ کے معنی باکرہ لڑکی کا باپ، اسی طرح مشہور شہر دیار بکر کو بھی جو میسوپوٹامیہ کے صدر مقام کا عربی نام ہے "ب" کو زیر سے پڑھنا چاہیئے "[2]

دیار بکر کی توجیہہ بھی غلط ہے جب عرب اس علاقہ میں بسے تو شہر ان کے قبیلے کے نام سے منسوب ہوئے۔ اس طرح دیار بکر کے معنی ہیں قبیلۂ بکر (زیر کے ساتھ) کی بستی اور شہر دیار مُضر (م کے پیش اور ض کے زبر کے ساتھ) قبیلہ مضر کی بستی۔

لفظ ابوبکر کے معنی باکرہ لڑکی کے باپ کے نہیں بلکہ نوعمر اونٹ والے شخص کے ہیں۔ حضرت ابوبکر کو تحقیر کے لیے ابو الفصیل کا نام بھی دیا جاتا تھا۔ جس سے ہمارے بیان کی تائید

---

[1] ژورنال ازیاتک اپریل مئی ۱۸۵۳ء صفحہ ۴۸۰

[2] " " " صفحہ ۴۸۳ تا صفحہ ۴۸۴

ہوتی ہے کیونکہ "فصیل" کے معنی اونٹ کے بچے کے ہیں۔ اس نام کی وجہ یہ تھی کہ ابوبکر نے زکوٰۃ نہ دینے والوں سے جنگ کی تھی۔ اور ان کے مخالف ان کو اونٹنیوں والا شخص کے نام سے یاد کرنے لگے تھے۔

● "الف لیلیٰ کی چند غیر مطبوعہ کہانیاں" عربی اصل سے فون ہامر نے منتخب کیا اور جی۔ ایس۔ تربوتیاں نے فرانسیسی میں ترجمہ کیا جو الف لیلیٰ کے سابقہ ایڈیشنوں کا تکملہ ہے۔ ہشت صفحی تقطیع کی تین جلدیں۔

الف لیلہ اتنی مشہور ہے کہ اس کے تعارف کی ضرورت نہیں۔ جب دتاسی نے اپنا تبصرہ اس اشاعت کے لیے ۱۹۲۸ء میں ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد تین جنوری ۱۸۲۸ء صفحہ ۱۶۲ تا ۱۶۸ پر شائع کیا تو اس وقت اس بات کی کوشش کی جارہی تھی کہ الف لیلیٰ کے مختلف مخطوطوں کے متعلق معلومات حاصل کی جائیں۔

گارسین دتاسی کے مطابق جو مخطوطہ شہر مارسیلز موسیو وارسی کے پاس تھا وہ اس مخطوطہ سے زیادہ ضخیم تھا جو آسٹریا کے مستشرق فون ہامر کے ہاں تھا اور جس کے جرمن ترجمے کی اساس پر فرانسیسی ترجمہ تین جلدوں میں پیرس میں ۱۸۲۸ء میں شائع ہوا۔ دتاسی نے واضح کیا ہے کہ:
فون ہامر کے مخطوطہ الف لیلیٰ کا خاتمہ دیگر مخطوطوں کے خاتمہ سے مختلف ہے۔ فون ہامر کے مخطوطے کی عبارت کے مطابق ملکہ شہرزاد کی جان اس لیے نہیں بچی کہ اس کا اخلاق بہت اچھا تھا اور نہ اس لیے کہ اس کو قصہ گوئی میں کمال حاصل تھا۔ (جس کا ثبوت اس نے ایک ہزار ایک راتوں میں دیا تھا) بلکہ ان کہانیوں کو بیان کرنے کے دوران وہ تین بچوں کی ماں بن گئی تھی اور بادشاہ نے اپنے ان بچوں کی خاطر ملکہ کی جان بخشی تھی۔"

گارسین دتاسی نے تربوتیاں کے فرانسیسی ترجمے کے اسلوب کی بڑی داد دی ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ مترجم مذکور متعدد دیگر فارسی یا عربی کتابوں کے ترجمے میں مشغول ہے۔ اس نے ایک عجیب واقعہ کا ذکر کیا ہے "آگے بڑھنے سے پہلے یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ ایک غلطی پائی جاتی ہے جس پر نہ فون ہامر نے توجہ کی اور نہ تربوتیاں نے اور آخر الذکر نے اس کو سرسری انداز سے کئی بار دہرایا ہے۔ فرانسیسی ترجمہ کے دیباچہ میں لکھتا ہے کہ جب ۱۸۱۰ء میں فون ہامر پیرس آیا تو اس

نے الف لیلیٰ نے اپنا فرانسیسی ترجمہ کوسیں دپرسوال کے سپرد کر دیا اور توقع تھی کہ کوسیں دپرسوال اسے اصل مترجم کے نام سے شائع کرے گا۔ لیکن فوں ہامر کا بیان ہے کہ اسے جلدی معلوم ہو گیا کہ اس کا اپنا کیا ہوا ترجمہ کسی اور کے نام سے شائع ہو گا اور اس میں ہر قسم کی من مانی تبدیلیاں کی گئی ہیں اور اصل مترجم کا نام نہیں دیا گیا[1] لیکن دو جلدیں کوسیں دپرسوال نے شائع کیں ان کا عنوان ہے الف لیلہ کا تکملہ اور وہ ۱۸۰۶ء ناشر لونورماں نے طبع کیا اور فوں ہامر نے اپنے ترجمہ کا مسودہ جو غیر مطبوعہ کہانیوں کے متعلق تھا۔ اس اشاعت کے چار سال بعد کوسیں دسواری کے سپرد کیا۔ ان دونوں تاریخوں کے پیش نظر اس الزام کی تردید ہو جاتی ہے جو فوں ہامر نے لگایا ہے اور جسے تربیونیاں نے دہرایا ہے اور یہ اتنی واضح ناانصافی ہے کہ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کس بنا پر پیش آئی[2]

- "حکایات الجلیلہ" جو الف لیلہ ولیلہ کا ترجمہ ہے۔ فورٹ سینٹ جارج کالج کے استعمال کے لیے منشی شمس الدین احمد نے ۱۲۵۲ھ مطابق ۱۸۳۶ء میں کیا یعنی اس سے مراد الف لیلہ کی مشہور کہانیوں کا ہندوستانی ترجمہ ہے جو مدارس میں آٹھ صفحی تقطیع پر شائع ہوا۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک دسمبر ۱۸۳۹ء میں صفحہ ۵۲۴ تا ۵۳۱ میں شائع ہوا۔

دتاسی بیان کرتا ہے کہ الف لیلیٰ میں ایسی کثیر تلمیحات ہیں جن کا مفہوم عام لغت کی کتابوں میں نہیں ملتا اسی لیے یورپی زبانوں میں ترجمہ کرتے وقت دشواریاں پیش آتی ہیں اور کسی مشرقی زبان میں الف لیلیٰ کا ترجمہ آسان تر ہے پھر دتاسی لکھتا ہے "اس کا ترجمہ کسی ہندوستانی مسلمان سے بہتر کوئی نہیں کر سکتا۔ ہندوستانی مادری زبان ہے مگر فارسی عربی وہاں کم و بیش اسی طرح رائج ہیں جس طرح مغرب میں یونانی و لاطینی۔ اب ایک نہایت نفیس ترجمہ ہندوستانی زبان میں ہوا ہے۔ پہلی جلد میں ایک سو رائیں آتی ہیں۔ یہ ترجمہ جو سادہ لیکن فصیح زبان میں ہے اس کی

---

[1] ژورنال ازیاتک اپریل مئی ۱۸۲۸ء ص ۶۴ تا ص ۱۶۵

[2] ایضاً ۱۸۳۹ء ص ۱۶۵

خصوصیت یہ ہے کہ اس کا اسلوب صاف اور سہل ہے اور سمجھنے میں کوئی ابہام باقی نہیں رہتا[۱]"

- " ایک مختصر تبصرہ" ژورنال ازیاٹک ۱۸۵۱ء صفحہ ۵۹۹ میں شائع ہوا جس کا کوئی عنوان بھی نہیں۔ اس میں وہ بیان کرتا ہے کہ لندن میں ایک کتاب وُ ئی زبان میں شائع ہوئی ہے جو مغربی افریقہ کے ساحل پر علاقہ گامبیا اور سینے گال کے مابین بولی جاتی ہے۔

اس کتاب میں ایک حبشی کی زندگی کے روزمرہ کے واقعات بیان ہوئے ہیں۔ غالباً دتاسی کو یہ زبان نہیں آتی تھی کیونکہ اس نے اس کتاب کا عنوان نہیں دیا ہے۔

- " انگلستان کی رائل ایشیاٹک سوسائٹی کے کتب خانے کی عربی اور فارسی زبان کے تاریخی مخطوطات کی فہرست" جو ولیم ایچ۔ مارلے۔ ایم۔ آر۔ ایس نے انجمن کی مجلس انتظامی کے حکم سے شائع کی۔ لندن ۱۸۵۴ء آٹھ صفحی رائل تقطیع ۶ + ۱۶۰ صفحے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاٹک مارچ اپریل ۱۸۵۴ء میں صفحہ ۳۶۴ تا ۳۶۹ میں شائع ہوا۔

اس کتاب میں صرف وہ مخطوطے شامل کئے گئے ہیں جو تاریخ پر ہیں اور ان کی تعداد ۱۶۳ ہے۔ اس زمانے میں اس کتاب کی اشاعت سے لندن سے باہر رہنے والے علماء میں سنسنی پھیل گئی ہوگی کیونکہ اس میں نادر قلمی نسخوں کی تفصیل ملتی ہے۔ مثلاً شہنشاہ جہانگیر کا تذکرہ، دتاسی نے اپنے ناظرین کے لیے اس فہرست کے اہم ترین مخطوطات کو مفصل طور پر متعارف کروایا ہے۔

- ناروِیجین زبان کی ایک تالیف جو قدیم ناروِیجی کے صرف و نحو کے مسائل کے متعلق ہے۔ مولفہ ایم۔ سی۔ اے۔ ہولمبو مطبوعہ شہر کرسٹیانا ۱۸۵۰ء ہشت صفحی تقطیع کے بارہ صفحوں میں دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاٹک جنوری ۱۸۵۱ء صفحہ ۹۴ تا ۹۹ پر۔

گارسین دتاسی نے اس تالیف کے مندرجات کا تذکرہ کیا جس سے یہ معلوم ہوتا ہے۔ انڈو یورپین خاندان کی مختلف زبانوں میں اور جن میں فطری طور پر ہندوستانی بھی شامل ہے،

---

[۱] ژورنال ازیاٹک اپریل مئی ۱۸۳۹ء ص ۵۲۵

رشتہ داری بھی مانی جاتی ہے۔ چنانچہ مثال کے طور پر ناروے کی زبان کا ایک لفظ "الیف" لیتا ہے جس کے معنی "اگر" کے ہیں۔ "اگر" یہ لفظ رشتہ دار زبانوں میں بھی کم و بیش مماثل صورت میں ملتا ہے۔ مثلاً ہندوستانی۔ بنگالی۔ اینگلو سیکس۔ گوتھک۔ انگریزی۔ اسکاٹش۔ قدیم جرمن۔ جدید جرمن۔ یونانی اور قدیم پرشیا کی زبان۔ سلاوا زبان۔ لیتونیا کی زبانوں میں۔ مؤلف نے اسی طرح دیگر حروف ربط کی گردانیں اور مختلف الفاظ پیش کیے۔ دتاسی نے اس پر اکتفا کی کہ کتاب سے ناظرین کو واقف کرادیں۔

- "ناروے کی زبان اور کیلٹک زبان کے تعلقات" مولفہ سی۔ اے۔ ہولمبو جو ناروے کی یونیورسٹی میں مشرقی زبان کے پروفیسر ہیں۔ یہ کتاب ناروے کی زبان میں ہے اور شہر کرسٹانا میں ۱۸۵۴ء میں چوصفحی تقطیع کے ۲۶ صفحوں میں چھپی ہے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک دسمبر ۱۸۵۴ء صفحہ ۵۵۳ تا ۵۵۴ پر طبع ہوئی۔

دتاسی بیان کرتا ہے کہ ناروے زبان یعنی آئس لینڈ کی قدیم زبان اور کیلٹک زبان میں مشابہتیں پائی جاتی ہیں۔ ان دو زبانوں کے علاوہ دیگر آریائی زبانوں میں بھی یہی صورت حال ہے۔ خاص کر سنسکرت زبان میں یہ مشابہتیں الفاظ میں بھی ہیں اور صرف و نحو کے قواعد میں بھی۔

- "شہر کرسٹانا کے پروفیسر ہولمبو کی یادداشت کا اقتباس" جو نمبر ۱۰۸ اور نمبر ۱۱۳ کے متعلق ہے۔ تبصرہ ژورنال ازیاتک ستمبر اکتوبر ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۶۷ تا ۳۶۸ ہیں۔

شہر کرسٹانا کے پروفیسر ہولمبو کی نارویجین زبان میں شائع شدہ ایک یادداشت کا اقتباس جو یورپ میں شیو کی پرستش کے متعلق ہے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک ستمبر اکتوبر ۱۸۶۷ء صفحہ نمبر ۳۶۸ تا ۳۷۰۔ دتاسی نے یہاں دو مضمونوں کا تجزیہ کیا ہے وہ اس سے واقف ہیں کہ ۱۰۸ کا ہندسہ ہندوستان کے برہمنی مت اور بودھ مت کے پیرو کے یہاں نہایت قدیم زمانے سے ساحرانہ قوت کا مالک سمجھا جاتا ہے۔ مذہبی رسموں میں اس کا بہت استعمال ہوتا ہے۔ ان کے یہاں کی تسبیحوں میں ۱۰۸ دانے ہوتے ہیں۔ اسی طرح اس ہندسہ کے دیگر استعمال پائے جاتے ہیں۔ جہاں تک تیرہ کے ہندسہ کا تعلق ہے

اس کو مختلف ملکوں اور ہندوستان کے باہر بھی ایک روایتی اہمیت حاصل ہے کہ وہ منحوس سمجھا جاتا ہے۔ مؤلف نے ایسی ساری معلومات کو ایک رسالہ میں جمع کر دیا ہے۔

● "شیو مذہب سے متعلقہ تالیفات" میں یہ امر قابل ذکر ہے کہ ناروے اور سوئیڈن میں چند لنگ ملے ہیں۔ اور مولف یہ قیاس کرتا ہے کہ ناروے کی زبان کا لفظ "روت" شاید "رودرا" سے ماخوذ ہے جو طوفان کی تمثیل ہے۔ اسکینڈ نیویا (ناروے سوئڈن) کی پرانی ادبیات میں بیل بھی مقدس تھا۔ اور دتاسی کہتا ہے کہ "ان متعدد ثبوتوں کی بنا پر غالباً یہ نتیجہ اخذ کرنا معقول ہوگا کہ شیو یا رودرا کی عبادت عیسائیت سے پہلے قدیم یورپ میں پھیلی ہوئی تھی"۔[1]

● "اللب المنادی من کتب الفتاویٰ یعنی ہندوستان کی عدالت ہائے عالیہ کے فیصلوں کا تحلیلی خلاصہ" جو ولیم ایچ مارلے نے آٹھ صفحی بڑی تقطیع کی دو جلدوں میں لندن میں ۱۸۵۰ء میں شائع کیا۔ پہلی جلد میں ۳۲۲ + ۳۸ صفحات ہیں اور دوسری ۱۸ + ۶۸۸۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک فروری مارچ ۱۸۵۱ء میں صفحہ ۲۹۷ + ۲۹۹ پر ہے۔ اسی عنوان سے ایک اور کتاب سلسلہ جدید آٹھ صفحی بڑی تقطیع ۱۳ + ۴۶۶ صفحوں میں لندن میں ۱۸۵۲ء میں شائع ہوئی۔ اس پر متعلقہ مضمون ژورنال ازیاتک فروری مارچ ۱۸۵۳ء میں صفحہ ۲۸۴ تا ۲۸۵ پر ہے۔

برطانیہ کو ہندوستان پر ۱۸۵۷ء کی خوں ریز جنگ کے بعد اقتدار حاصل ہوا، لیکن اس سے ایک صدی قبل ۱۷۵۷ء ہی سے انگریز ہندوستان کے بعض حصوں پر حکومت کرنے لگے تھے اور ان کا دائرہ اختیار بڑھتا ہی جارہا تھا۔ مغل بادشاہ نے انھیں پروانہ دیا تھا کہ وہ مقبوضہ علاقوں میں حکومت کریں۔ اس زمانے میں انگریز عام طور پر زیرنگیں علاقوں میں جہاں وہ مغل بادشاہ کے نام سے حکومت کرتے تھے۔ ہندوستان کے مروجہ قانون کی عزت کرتے تھے اس وقت اسلامی قانون رائج تھا لیکن کلکتہ، بمبئی اور مدراس تین بڑے

---

[1] ژورنال ازیاتک ستمبر اکتوبر ۱۸۶۷ء صفحہ ۳۷۰

شہروں میں بادشاہ انگلستان کے عطا کردہ پروانہ کی بنا پر انھوں نے ہائی کورٹ قائم کئے تھے اور ان میں قانون انگلستان پر عمل ہوتا تھا۔

سلسلہ اول کی دو جلدیں برطانوی ہند کی عدالتی تاریخ کے متعلق قیمتی معلومات کی حامل ہیں۔ سلسلہ اول کی پہلی جلد کا دتاسی نے تجزیہ حسب ذیل الفاظ میں کیا ہے:

"شروع میں ایک طویل دیباچہ ۳۱۷ صفحوں پر پھیلا ہوا ہے۔ اس میں مؤلف مسٹر مارلے نے یکے بعد دیگرے ان تمام مسئلوں سے بحث کی جو برطانوی ہند کی عدالتی نظائر سے متعلق ہیں۔ شروع میں وہ بیان کرتا ہے کہ ہندوستان میں عدل گستری کے لیے کون سی مختلف عدالتیں پائی جاتی ہیں۔ وہ پھر ان کو صدر کورٹ، مفصل کورٹ، عدالت ہائے امن، ملکہ کے پاس بہ اجلاس کونسل کی جانے والی اپیل۔ آخر میں مؤلف ان قوانین کا ذکر کرتا ہے جو خاص ہندوستان سے متعلق ہیں جیسے ہندؤں کا مسلمانوں کا قانون اور ہندوستان میں رہنے والے پرتگالیوں، ارمنیوں اور پارسیوں کے قانون۔"

اسی جلد میں نہ صرف ان نظائر کا ذکر ہوا ہے جو عدالت کے فیصلہ کردہ مقدموں کے باعث پیدا ہوئے جن کو موضوع وار حروف تہجی پر مرتب کیا گیا ہے بلکہ ایک لغت بھی ہے جو کتاب میں مستعملہ مقامی الفاظ کا مفہوم بیان کرتی ہے۔

جلد دوم میں ایک ضمیمہ ہے جس میں پہلی جلد میں بیان شدہ عدالتی فیصلہ میں استعمال کئے ہوئے بعض اور الفاظ کا ذکر ہے اس طرح بمبئی کی پولس پر یادداشت ہے اور آخر میں وہ پروانہ یا چارٹ دیئے گئے ہیں جو ہندوستان میں پائی جانے والی ہائی کورٹ کے قیام کے متعلق ہیں۔

سلسلہ جدید کی پہلی جلد میں عدالتوں کے فیصلہ کردہ مقدموں کے تجزیہ کے علاوہ مؤلف ان نئی کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو اسلامی اور ہندوستانی نظائر سے متعلق ہیں۔ اور جو مؤلف کی شائع کردہ سابق تالیف کی اشاعت کے بعد خود ہندوستان میں یا یورپ میں چھپی ہیں۔

بحیثیت مجموعی یہاں آٹھ ہزار سے زیادہ فیصلوں کا تجزیہ کیا گیا ہے جن سے واضح ہوجاتا

ہے کہ مختلف مجموعے کیلئے قانون اور برطانوی ہند میں پائے جانے والے قواعد کا اطلاق کس طرح ہوا ہے۔

دتاسی نے اس تبصرہ میں ایک نوٹ دیا ہے جس کا مادلے کی مذکورہ کتاب سے کوئی تعلق نہیں لیکن وہ ایک ایسی چیز کے متعلق ہے کہ جس کا مارلے نے ایک اور تالیف میں ذکر کیا ہے۔ دتاسی نے اس آخر الذکر کتاب کی کوئی تفصیل نہیں دی۔ لیکن وہ یہاں کہتا ہے کہ "لندن میں مڈل ٹمپل کے باغ میں ایک اسلامی کتبہ ملا ہے۔" یہ معلوم ہوگا کہ میڈل ٹمپل نامی عمارت ان نائٹوں کے کمانڈر کا قدیم دفتر تھا۔ اور نائیٹو کا مسئلہ پوپ کے ایک فرمان کے ذریعے سے ۱۳۱۲ء میں سارے یورپ سے برخواست کر دیا گیا تھا۔ یہ ایک قبر کا کتبہ ہے جو ترکی زبان میں ہے اور جس پر ۱۷۹۴ء کی تاریخ درج ہے، وہ کتبہ یہ ہے:

"بو شون بنا لیہ یا ایں ستنادر" دتاسی اس کا ترجمہ مماثل لاطینی جملہ سے کرتا ہے۔

hodi mihi crastibu

ہم اس کا بامحاورہ زبان میں ترجمہ یوں کریں گے "آج ہم کل تمہاری باری ہے"۔

"شہر بصرہ حریری کے مقامات" جو اصل عربی سے حواشی کے ساتھ ٹرینیٹی کالج کیمبرج کے فیلو تھیوڈور ٹرسٹن ایم۔ اے نے ۱۸۵۰ء میں آٹھ صفحی تقطیع پر ۵۰۴ صفحوں میں انگریزی میں شائع کی۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۵۱ء میں صفحہ ۹۴ تا ۹۸ تک ہے۔

دتاسی فرانسیسی ناظرین کو اس نئی کتاب سے واقف کراتا ہے اور اصل انگریزی کے کئی اقتباس اپنے فرانسیسی ترجمے کے ساتھ دیتا ہے۔ انگریزی ترجمہ مکمل ہے۔ دتاسی نے جو اقتباس اور ترجمہ دیا ہے اس میں نشان دہی کی ہے کہ انگریزی ترجمہ میں بہت سی خامیاں ہیں۔

● "التذکرۃ الشہریۃ فی العلوم البشریۃ و الصنائع المدینۃ" عربی کتاب جو صنعتوں اور دستکاریوں کے متعلق ہے۔

دتاسی نے عنوان بالا سے ایک ماہوار رسالے کا ذکر کیا ہے جو پیرس میں شائع ہونے والا تھا۔ ژورنال ازیاتک جلد ۱ جنوری ۱۸۲۷ء صفحہ ۶۳ تا ۶۴۔ تجویز یہ تھی کہ عربی زبان

میں ایک رسالہ شائع کیا جائے جو مشرقی ممالک میں رہنے والے مسلمان پڑھ سکیں اور جس میں یہ بتایا جائے کہ یورپ میں علمی و صنعتی کیا ترقیاں ہوئی ہیں خاص کر ریاضی، جغرافیہ، معدنیات، ارضیات، طبعیات کیمیا، نیچرل سائنس، طب، جراحی، تشریح الابدان، زراعت اور وہ تمام علوم ہیں جو حالتِ امن میں مفید ہیں۔ ارادہ تھا کہ اس میں ایسی خبریں بھی دی جائیں جن سے مشرق کے علماء کو دلچسپی ہو۔ یہ رسالہ جولائی ۱۸۲۷ء میں شائع ہونے والا تھا اور سالانہ چندہ ۵۰ فرانک مقرر کیا گیا تھا۔ اس پراسپیکٹس میں دتاسی کے پیرس اور مارسیلز دونوں جگہوں کے پتے بھی دیئے گئے ہیں۔

● "حروبِ صلیبیہ کے متعلق عربی تاریخوں کے اقتباسات"۔ جسے رینو نے آٹھ صفحی تقطیع پر ۴۸ + ۵۳۲ صفحوں میں مطبع شاہی پیرس میں چھپوا کر شائع کیا۔

دتاسی نے ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد کے جنوری ۱۸۳۱ء صفحہ ۸۱ تا ۹۰ پر حروبِ صلیبیہ کے متعلق رینو کی اس تالیف پر تبصرہ کیا۔ تنقید کا بڑا حصہ اس امر پر مرکوز ہے کہ مسلمان مورخوں کے خاص طور پر فرانسیسیوں کے متعلق تفصیلات کو نمایاں کیا جائے۔ مضمون کے آخر میں دتاسی لفظ "دیوان" کی تشریح کرتا ہے۔ نیز عزالدین بن عبدالسلام کی تالیف کا جو پرندوں، پھولوں کے متعلق ہے ذکر کرتا ہے۔ یہ کتاب اسی نے شائع کی تھی انہوں نے اس عربی کتاب کا ذکر تو کیا مگر یہ نہیں بتایا کہ دتاسی نے اس کا فرانسیسی ترجمہ شائع کیا تھا۔

● "اطالوی کتاب اشاعتِ دین کے لیے کثیر زبانوں میں استعمال ہونے والا ٹائپ"۔ مولفہ میل کبورے گالیوتی ۱۸۶۶ء مطبوعہ ٹورنیٹو۔ بارہ صفحی تقطیع ۱۲ + ۱۰۶ صفحے۔ دتاسی کا تبصرہ زورنال ازیاتک اکتوبر نومبر ۱۸۶۸ء صفحہ ۴۳۷۔

یہ مضمون ایک مطبع کے متعلق ہے جس نے عیسائی مذہب کی بڑی خدمت کی اور جس نے مشرقی کتابیں بھی شائع کی ہیں۔ دتاسی کا بیان ہے کہ اس کے تبصرے کی اشاعت کے وقت اس مطبع میں عیسائی مذہب پر لاطینی کتابیں چھپ رہی تھیں۔

● "ڈیوک آف بلا کاس کے پاس کی نادر چیزوں کا تذکرہ"۔ مولفہ رینو جو سوسیتی ازیاتک کی مجلس انتظامی کا رکن بھی ہے۔ مطبوعہ مطبع شاہی پیرس۔ دو جلد آٹھ صفحی تقطیع پیرس۔ رینو کی کتاب جو ۱۸۲۸ء میں چھپی ۱۵ + ۴۰۰ اور ۴۸۸ صفحوں کی دو جلدوں میں ہے اور

کچھ نقشے بھی ہیں۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد دو جولائی ۱۸۲۸ء صفحات ۳۸۹ تا ۳۹۸ اور ۴۶۳ تا ۴۷۴ اس طویل مضمون میں دتاسی نے مندرجات کا تجزیہ کیا اور چند خصوصیات کو نمایاں کیا ہے۔

درحقیقت یہ تفصیلات ڈیوک آف بلاکاس کی مقبوضہ نوادر کے متعلق ہیں یہ شخص اس زمانہ میں روم میں سفیر تھا۔ رینو نے جن نوادر کا تذکرہ کیا ہے ان کا بڑا حصہ تمغوں، کندہ پتھروں، ہتھیاروں، گلدان، پیالے اور آئینے وغیرہ کے بیان پر مشتمل ہے۔

رینو کا اسلوب یہ ہے کہ جب وہ مثلاً کندہ پتھروں کا تذکرہ کرتا ہے تو اولاً پتھروں پر عبارت کندہ کرنے کی "تاریخ" سے بحث کرے گا۔ اسی طرح یہ بھی بتاتا ہے کہ کن ملکوں میں قیمتی پتھروں کی کانیں پائی جاتی ہیں۔ یہ بھی بتانے کی ضرورت پیش آئی کہ خطاطی اور عربی خط کو مختلف فن کارانہ انداز میں کس طرح لکھا جاتا ہے اور یہ بھی کہ متعلقہ کتبہ شیعوں کا ہے یا سنیوں کا۔ رینو نے مسلمانوں کے ان دونوں کی پرانی "تاریخ" دی ہے۔

آخر الذکر امر کے متعلق رینو نے لکھا ہے کہ امامیہ کا لقب سنیوں نے بطور توہین شیعہ کر دیا ہے۔ دتاسی تصحیح کرتا ہے کہ "میں یقین کرتا ہوں کہ یہ ادعا صحیح نہیں کیونکہ شیعہ خود اپنے آپ کو یہ نام دیتے ہیں۔ اس کے برخلاف یہ کہہ سکتے ہیں کہ سنیوں نے شیعوں کو یہ نام اس معنی میں دیا ہے کہ تفرقہ پسند ہیں اور شیعہ اس اصطلاح کو توہین خیال کرتے ہیں۔ غالباً رینو کا بھی یہی مدعا تھا۔[1] ہم خیال کر سکتے ہیں کہ نہ لفظ امامیہ اور نہ لفظ شیعہ توہین آمیز خیال کیا جاتا ہے۔ اس فرقہ کے لوگ اپنے کو دونوں نام سے یاد کرتے ہیں۔

نوادر میں رینو ایک پتھر کی تفصیل دیتا ہے اور اپنے اسلوب کی پیروی میں مکہ میں کعبہ کا ذکر کرتا ہے۔ مسلمانوں کے حج کے متعلق بھی بڑی تفصیل سے لکھا ہے۔ رینو یہ بھی بیان کرتا ہے کہ مشرقی عیسائی بیت المقدس کی زیارت کے لیے جاتے ہیں تو مسلمانوں کی مذہبی اصطلاح حج کو استعمال کرتے ہیں اور گارسین دتاسی مثال دیتا ہے کہ "ایک عیسائی ہے جو مارسیلز میں

---

[1] ژورنال ازیاتک جلد دوم ۱۸۲۸ء صفحہ ۴۶۶

رہتا ہے جس کا نام الحاج لوئی ہے[1]

جہاں تک مہروں کا تعلق ہے ایسا نظر آتا ہے کہ سلاطین ترک کے پاس سے فرانس کے بادشاہوں کے نام آئے ہوئے خطوط پر جو مہریں تھیں ان کو بلاکاس کے ڈیوک نے اپنے یہاں کے کاریگروں سے خود ان کو تیار کرایا تھا۔ چنانچہ دتاسی لکھتا ہے "ڈیوک صاحب کو ان کثیر اخراجات کی کوئی پرواہ نہیں تھی جو اس کام کے انجام دینے کے لیے درکار تھے۔ اس نے تمغوں اور پتھروں کو خود کندہ کرایا تھا کیونکہ اسے یقین تھا کہ ان نوادر کو علماء کے سامنے پیش کر سکنے کے باعث اس کے ذخیرہ کی اہمیت عام طور سے مسلّم ہو جائے گی[2]"

اس ذخیرہ میں جادو و طلسمات سے متعلق چیزوں کے موجود ہونے کے باعث رینو کو موقع ملا کہ علم نجوم کے متعلق مشرقیوں کے خیالات کو تفصیل سے بیان کرے۔

اگرچہ دتاسی نے صراحت نہیں کی لیکن یقیناً رینو نے اس کتاب میں چند ایسے نوادر کا بھی ذکر کیا ہے جو ڈیوک بلاکاس کے ذخیرہ میں نہیں تھے۔ دتاسی نے بھی بتایا ہے کہ اس نے نجومیوں کی بعض چیزوں کا خود بھی معائنہ کیا ہے۔ رینو نے مارکوئس آف لاگوا کے یہاں کی ایک قابل ذکر قالین کا ذکر کیا ہے جس میں جامی کے چند اشعار بنے گئے ہیں۔ (صلہ ۲)

اپنے تبصرہ کے آخر میں دتاسی بتاتا ہے کہ رینو نے کچھ غلطیاں بھی کی ہیں مثلاً وہ 'بس' اور 'پس' میں خلط مبحث کرتا ہے۔ البتہ دتاسی کا یہ بیان صحیح نہیں معلوم ہوتا کہ رینو نے سورۂ فاتحہ کا ترجمہ جلد دوم ص ۲۹۱ پر دیا اور اس میں رب العالمین کا ترجمہ عالموں کا مالک کیا ہے لیکن مسلمانوں کی کتاب مقدس کے سارے ہی مفسر بیان کرتے ہیں کہ لفظ عالمین سے مراد مخلوقات ہیں اور یہ کہ اس لفظ کو کوئی اور معنیٰ نہیں دیئے جا سکتے اور عالم کا لفظ سارے مخلوقات کے لیے استعمال ہوتا ہے[3]

---

[1] ژورنال ازیاتک جلد دوم ۱۸۲۸ء ص ۴۶۷

[2] " " " ص ۳۹۰

[3] " " " ص ۴۷۴

واقعہ یہ ہے کہ کم از کم ہندوستانی مسلمانوں کے تراجم قرآن میں رینو کی بیان کی ہوئی 'عالموں' کی اصطلاح ہی برتی جاتی ہے۔

● "مذہب اسلام اور اس کا بانی اخلاقی نقطۂ نظر سے" مولفہ ژول شال شول مطبوعہ شہر نائے شاتیل ۱۸۷۳ء آٹھ صفحی تقطیع ۱۴ + ۴۶۴ صفحے۔ جس میں حضرت محمدؐ کا نسب نامہ بھی دیا گیا ہے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال از یاتک اکتوبر نومبر ۱۸۷۴ء، صفحہ ۴۹۱ تا ۴۹۳۔

دتاسی کا بیان ہے کہ یہ پیغمبر اسلام اور مذہب اسلام کے متعلق فرانسیسی زبان میں ایک فلسفیانہ تالیف ہے اور دتاسی اس کے نوجوان مولف کو مبارک باد دیتا ہے کہ "اس نے پال گریو اور واں بیری کی من مانی افسانوی باتوں کو قبول نہیں کیا ہے"۔[1]

دتاسی مزید بیان کرتا ہے کہ اس کتاب کو لکھنے کے لیے مولف کو بڑی تیاری کرنی پڑی ہوگی۔ پھر وہ کتاب کا تجزیہ بالتفصیل کرتا ہے۔

● "مشرقی تصوف جس میں صوفیوں اور ایرانیوں کے وحدت الوجود کا اصل ماخذوں کی اساس پر تذکرہ"۔ مولفہ ای۔ ایچ پامر جو کیمبرج کے سینٹ جان کالج میں اسکالر تھا اور رائل ایشیاٹک سوسائٹی لندن اور سوسیتے از یاتک پیرس کا بھی رکن تھا۔ مطبوعہ کیمبرج ۱۸۶۷ء بارہ صفحی۔ بڑی تقطیع کے ۱۴ + ۸۴ صفحے۔ اس انگریزی کتاب پر دتاسی کا تبصرہ ژورنال از یاتک اپریل مئی ۱۸۶۷ء صفحہ ۴۱۹ تا ۴۲۱۔

اولاً دتاسی یہ یاد دلاتا ہے کہ اس نے اس نوجوان مولف کے علم و فضل کا ایک سے زیادہ دفعہ ذکر اپنے سال تعلیمی کے آغاز کے خطبات میں کیا ہے کہ اس شخص کو ہندوستانی، فارسی اور عربی میں ملکہ حاصل تھا۔ اس کے بعد وہ پامر کی کتاب پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ "ایک موضوع جو اتنا زیادہ وسیع ہے جتنا زیادہ تصوف ہے اور جس میں خاصا ابہام پایا جاتا ہے اس کے تفاصیل کے متعلق جتنا منظم اور تشفی بخش کام ہو سکتا تھا وہ اس مصنف نے کیا ہے۔ مولف نے خاص کر

---

[1] ژورنال از یاتک جلد دوم اکتوبر نومبر ۱۸۷۴ء ص ۴۹۱

ایک کتاب سے مواد لیا جو اصل میں ترکی میں لکھی گئی مگر جس کا فارسی ترجمہ خوارزم شاہ نے کرایا۔ عنوان "المقصد الاقصیٰ" ہے۔[۱]

اس کے بعد دناسی کی کتاب کے مختلف ابواب کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ کتاب کے آخر میں تصوّف کی اصطلاحات کی ایک لغت ۱۳۲ صفحوں میں دی گئی اور کتاب میں حروف تہجی پر ایک اشاریہ بھی ہے۔

● "شرائع الاسلام فی بیان مسائل الحلال والحرام" مولفہ شیخ ابو القاسم المعروف بہ محقق کا عربی متن الیگزنڈر کاظم بیگ نے بڑی چو صفحی تقطیع پر شائع کیا جس کے پہلے فرمے میں تجارت اور رہن پر دیئے ہوئے قرض کے باب ہیں۔ مطبوعہ سینٹ پیٹرز برگ ۸۷۶ ہجری بمطابق ۱۸۶۲ء، ۶۴ صفحے۔

"اسی کتاب کا روسی ترجمہ" جس میں حاشیے بھی ہیں اور فہرست مضامین بھی بڑی چو صفحی تقطیع پر سینٹ پیٹرز برگ میں ۱۸۵۲ء میں ۲۵۴ صفحوں پر چھپا ہے۔

دناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک مارچ اپریل ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۹۵ تا ۲۹۶ میں چھپا ہے۔ شرائع الاسلام شیعہ فرقے کی مستند کتاب ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پوری کتاب کو روسی ترجمے کے ساتھ رفتہ رفتہ اجزاء کی صورت میں شائع کیا جو بعد میں ایک مستقل جلد بن گئی۔ یہ امر معنی خیز ہے کہ روسی مولف کتاب کو اس کی ابتدا سے شروع نہیں کرتا بلکہ تجارت اور رہن سہن سے آغاز کرتا ہے اور ہر شخص جانتا ہے کہ اسلامی فقہ کی کتابوں میں نماز روزہ وغیرہ عبادات سے ابتدا ہوتی ہے۔

دناسی بیان کرتا ہے کہ "دوسرے فرمے میں نکاح کا ذکر ہوگا اور افسوس ہے کہ اتنی اہم کتاب فرانسیسی میں ترجمہ نہیں ہوئی"۔ لیکن خود اس کتاب پر کوئی تنقید نہیں کرتا۔

● "افسانۂ محمد" منظوم بارہویں صدی عیسوی کی تالیف جس کا مولف الیگزنڈر دیلوپوں ہے۔ نیز سارا سیں (عربوں) کے فالوں کی کتاب نثر میں چودھویں صدی عیسوی کی تالیف

---

[۱] ژورنال ازیاتک اپریل مئی ۱۸۶۷ء ص ۴۱۹

از ریموں لُل ۔ اس فرانسیسی کتاب کو پہلی دفعہ حواشی کے ساتھ رینو نے شائع کیا جو پیرس کے کتب خانہ شاہی کے مخطوطات کا منتظم اول ہے اور فرانس و انگلستان وغیرہ کی انجمن ہائے مستشرقین کا رکن بھی ہے ۔ کتاب کا شریک معلم فرانسیسک میشل ہے ۔ اس کو ناشر سلوستر نے آٹھ صفحی بڑی تقطیع ۲۳ + ۱۴۰ صفحوں میں شائع کیا ۔ دناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک سلسلہ دوم جلد جنوری ۱۸۳۲ء صفحہ ۲۶۸ تا ۲۷۳ ۔

آجکل فرانسیسی زبان میں پیغمبر اسلام اور قانون اسلام پر اچھی اور قابلِ اعتماد کتابیں ملتی ہیں ۔ دتاسی کے زمانے میں ایسا نہیں تھا اور دتاسی کا حق و صداقت کی طرف میلان تھا ۔ وہ ہر جھوٹی چیز پر جو اس کے ہم وطن جاہے ارادی یا غیر ارادی طور پر لکھتے ہیں تو وہ بپھر جاتا ہے ۔ دتاسی تبصرہ کا آغاز حسب ذیل الفاظ سے کرتا ہے :

" دنیا میں لوگوں کی اکثریت حضرت محمدؐ کے متعلق والیتر کی حزنیہ تالیف کے سوا کسی اور چیز سے کم واقف ہے ۔ والیتر کی کتاب میں (نعوذ باللہ) عرب کے پیغمبر کو انتہائی بد اخلاق کردار کا مالک بتایا گیا ہے ۔ ان کے متعلق کسی بھی اچھی چیز کا اعتراف نہیں کیا گیا ہے اور کتاب میں جو افسانہ تراشا گیا ہے وہ قطعاً بے بنیاد ہے ..... اس کے باوجود لوگ یقین کرتے ہیں کہ اس حزنیہ افسانے میں حضرت محمد کا صحیح تذکرہ ہوا ہے حتیٰ کہ مسلمان ممالک کے جو سفیر وقتاً فوقتاً پیرس آتے ہیں ان کے سامنے اس ناٹک کو کھیلا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ اس سے ان سفیروں کو مسرت ہوگی ۔ خوش قسمتی سے ان سفیروں کو فرانسیسی زبان نہیں آتی ۔ ..... ہمیں یہ بات معلوم ہے کہ والیتر کو مذہبوں سے نفرت تھی ۔ اس کی بنیاد پر اس نے حضرت محمد کو ایک ایسے شخص کے طور پر پیش کیا جسے بڑا بننے کی ہوس تھی اور جو فریبی تھا "[1]

دتاسی بیان کرتا ہے کہ اس کتاب کو ایڈٹ کرنے والے فضلاء نے عالمانہ نوٹ دے کر زیر تبصرہ

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۳۲ء صفحہ ۲۶۸ تا ۲۶۹

کتابوں کے مندرجات کی تشریح کی ہے۔ یہ بیان کرنے کی ضرورت نہیں کہ ان کتابوں سے پیغمبر اسلام یا مذہب اسلام کے متعلق کوئی نئی چیز معلوم نہیں ہوتی۔ ان کی اہمیت زیادہ تر لسانیاتی نقطۂ نظر سے ہے اور پرانے فرانسیسی الفاظ ملتے ہیں۔ دتاسی یہ بتاتا ہے کہ اس کے دو سو نسخے چھاپے گئے۔

- "عیسائیت اور اسلام میں بحث مباحثہ کی کتابیں"۔ آنجہانی ریورنڈ آندی مارتین کی تالیف نیز ایران کے بعض ممتاز مولفوں کے رسالے جن کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا گیا ہے اور جس میں ایک نیا رسالہ اسی موضوع پر بڑھایا گیا اور دیباچہ میں سابقہ زمانہ کی اسی موضوع پر ایک مذہبی بحث کا بھی ذکر ہے جس کے اقتباسات مسٹر سیموئل لی نے دیئے ہیں۔ یہ شخص پیرس کے سوسیتے ازیاتک کا بھی رکن ہے اور کیمبرج یونیورسٹی میں عربی کا پروفیسر ہے۔ کتاب میں آندی مارتین کی تصویر بھی ہے۔ کیمبرج میں ۱۸۲۴ء میں چھپی۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جلد ۶ جنوری ۱۸۲۵ء صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۵ پر شائع کیا۔

یہ کتاب اسلام اور عیسائیت سے بحث کرتی ہے۔ تبصرہ میں دتاسی بتاتا ہے کہ مسلمان مولفوں کے رسالے بعض ایرانی عالموں کی تالیف ہیں۔ اور معلوم ہوتا ہے کہ انھیں عیسائیوں کی مذہبی کتابوں سے کافی ٹھوس واقفیت ہے اور انھوں نے پی گینز اوبیئے کے استدلال اور بیانات کی تردید کی ہے جن میں سے بعض ایسے ہیں کہ ان سے (عیسائیوں کو) واقفیت حاصل کرنی چاہیئے[1]۔

ان میں سے ایک کتاب محمد روضہ ہمدانی کی تالیف ہے اس میں ۹۰ صفحے ہیں اور بائبل کی ان عبارتوں سے بحث ہے جن میں حضرت محمد کا ذکر نظر آتا ہے۔ بائبل کی ایسی چند عبارتیں سابق میں بھی معلوم ہو چکی ہیں لیکن ہمارے مولف نے بعض اور عبارتوں کا بھی ذکر کیا ہے جس میں وضاحت کم پائی جاتی ہے لیکن جن کی تفسیر مولف نے اس طرح کی ہے کہ وہ اس کے خیالات کی تائید کریں۔ اس کے علاوہ اس نے بہت تفصیل کے ساتھ ایک پیش گوئی کا ذکر کیا ہے جو یہودی بچہ ناحمان کی طرف منسوب ہے اور جس کا ذکر موسیو دولف نے اپنی کتاب سلیوتے کا

---

[1] ژورنال ازیاتک ۱۸۲۵ء ص ۱۸۲

جبرائیکا کے جلد اول صفحہ ۶۷ پر کیا ہے۔ ایرانی مولف نے اپنی کتاب کے آخری باب میں ان مختلف اعتراضوں کا جواب دیا ہے۔ جو پادری اندی مارٹن نے اسلام پر کیے ہیں۔ اور کوشش کرتا ہے کہ توریت کی چند عبارتوں کو حضرت محمد کے متعلق قرار دے اور انگریز مشنری سے دیگر عیسائیوں کی طرح حضرت عیسیٰ سے متعلق قرار دیتا ہے۔ چونکہ اس ایرانی رسالہ کا کسی نے جواب نہیں دیا تھا اس لیے ریورنڈ رسیول لی نے چاہا کہ اس خلا کو پُر کریں[1]

گارسین دتاسی نے اس بحث میں کوئی جانبداری برتنے بغیر اس پر اکتفا کی کہ زیر تبصرہ کتاب کی اہمیت کو واضح کریں۔

● "ترکی گرامر کے مبادی" شاہی وخصوصی مدرسہ السنہ مشرقیہ پیرس کے طلباء کے استعمال کے لیے جسے امیدے ژوبیر نے فرانسیسی میں تالیف کیا ہے۔ اس پر تبصرہ ژورنال از یاتک جلد ۲، جنوری ۱۸۲۳ء صفحہ ۳۷۰ تا ۳۷۵ پر ہے۔

یہاں اس کتاب پر تبصرہ ہے جو اسی سال ۱۸۲۳ء میں ژوبیرے نے شائع کی اور دوسرا ایڈیشن ۱۸۳۳ء میں نکلا۔ حسب عادت دتاسی کتاب کی خصوصیتوں کا بھی ذکر کرتا ہے اور یہ بھی بتاتا ہے کہ اس کی اپنی محبوب زبان ہندوستانی سے اس کو کیا ربط ہے۔ مثال کے طور پر لکھتا ہے" اس زبان یعنی ترکی میں جو چیز سب سے زیادہ قابل ذکر ہے وہ یہ کہ اس میں جملہ کی ساخت اور الفاظ کی ترتیب ہمارے (یورپین) تصورات کے بالکل برعکس ہوتی ہے۔ کوئی جملہ ترکی زبان میں جو مختلف اجزاء پر مشتمل ہوتا ہے اس کا مفہوم اسی وقت متعین ہوتا ہے جب فعل آئے اور یہ جملے کے آخر میں ہوتا ہے۔ دتاسی یہ نوٹ بڑھاتا ہے کہ "یہی ترتیب ہندوستانی، باسک زبان اور گرین لینڈ کی زبان میں بھی ہوتا ہے[2]

اس تبصرہ میں دتاسی نے ترکی زبان کی تعریف کرتے ہوئے اسے سفارت اور تجارت کے

---

[1] ژورنال از یاتک ۱۸۲۵ء ص ۱۸۴

[2] ایضاً جنوری ۱۸۲۳ء ص ۳۷۱

میں بڑا اہم بتایا ہے۔ اس نے کتاب کے بعض اقتباس نقل کیے ہیں۔ جن میں ترکی ضرب المثلیں ہیں۔ اور مولف آئندہ جلدوں میں صرف ونحو اور مشقی اغراض کے لیے منتخبات شائع کرے گا۔ تاکہ زیر تبصرہ کتاب مکمل ہو لیکن حسب عادت اس نے یہ نہیں بتایا کہ کتاب میں کیا خامیاں اور غلطیاں ہیں؟

● "ابن خلدون کی مشہور کتاب فون ہامر کے نوٹ کا تکملہ"۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک جلد ۴ صفحہ ۱۵۸ تا ۱۶۱۔

فون ہامر نے ژورنال ازیاتک ۱۸۲۲ء صفحہ ۲۶۷ تا ۲۷۸ ایک مضمون ابن خلدون کی تالیف پر شائع کیا تھا اپنے تبصرہ میں دتاسی نے کتاب مذکور کے اس مخطوطے کے متعلق جو پیرس کے کتب خانہ قومی میں ہے اور جس کا فون ہامر کو علم نہیں ہو سکا چند نئی معلومات مہیا کی ہیں۔ چونکہ یہ عربی کتاب بعد میں چھپ گئی ہے اس لیے ان معلومات کو اب کوئی زیادہ اہمیت حاصل نہیں ہے۔

"کتاب العلم النافع فی تحصیل صرف ونحو ترکی"۔ تھرملے ڈیوڈس کی ترکی صرف ونحو پر انگریزی کتاب کا ترجمہ مولف کی والدہ مادام سارا ڈیوڈس نے شائع کیا۔ لندن ۱۸۳۲ء صفحی تقطیع ۷۹ - ۲۱۴ صفحات ناشر دوی دے دوپرے پیرس۔ تبصرہ دتاسی ژورنال ازیاتک میں جولائی ۱۸۳۸ء صفحہ ۳ تا ۱۱۲ پر۔

دتاسی اولاً ترکی صرف ونحو کی کتابوں کا ذکر کرتا ہے جو یورپی زبانوں میں ہے اور اس بارے میں فرانسیسی زبان کی اہمیت کو واضح کرتا ہے اور ساتھ ہی زیر تبصرہ کتاب کے نہایت فاضل مولف کی سوانح عمری بھی دیتا ہے۔ حسب عادت دتاسی تقریباً ہر چیز کا مطالعہ اپنے خصوصی مضمون یعنی ہندوستانی زبان کے نقطۂ نظر سے کرتا ہے۔ ترکی صرف ونحو میں ایک پہلو دتاسی کی نظر سے چھپ نہیں سکتا تھا کہ ترکی زبان ہندوستانی سے بہت مشابہت رکھتی ہے۔ چنانچہ جملوں کی ساخت دونوں زبانوں میں اتنی یکساں ہے کہ اگر ایک زبان سے لفظ کے نیچے لفظ رکھ کر ترجمہ کیا جائے تو ترجمہ صحیح اور فصیح رہتا ہے اور اس کی ضرورت پیش نہیں آتی کہ ترجمہ کو صحیح کرنے کے لیے الفاظ اور نیچے کیے جائیں"۔ دتاسی چند مثالیں دیتا ہے[1] وہ لکھتا ہے:

[1] حاشیہ صفحہ آئندہ پر دیکھیے۔

" ڈیوڈلس کی صرف و نحو کو دوسری ترکی کتب گرامر پر یہ فوقیت حاصل ہے کہ اس میں مصدر اور گردانیں نہ صرف ترکی کی اصل بولی میں بلکہ اویغور اور دیگر تاتاری بولیوں میں بھی دیتا ہے ..... کتاب کے آخر میں مکالمے ہیں .... اور مختلف تاتاریوں کے اقتباسات بھی۔ جیسے اویغوری، جغتائی قب چاق اور عثمان لی یعنی قسطنطنیہ کی ترکی[۲]

ذناسی نے اپنے تبصرہ کا اختتام ایک اقتباس پر کیا جو سلطان محمد ثانی کے انصاف سے متعلق ہے۔

" ترکی زبان کی پریکٹیکل گرامر" جس میں مکالمے اور لغت بھی ہیں۔ مولفہ ڈبلیر برک ہارٹ ایم آر" ایس لندن ۱۸۵۴ء بارہ صفحی چھوٹی تقطیع ۱۶۶ صفحے۔ ناشر کوارتیچ۔

" ترکی زبان کی ایک ریڈر" جس کے ساتھ صرف و نحو اور لغت بھی ہے۔ مولفہ ڈبلیو۔ بی۔ پارکر۔ لندن ۱۸۵۴ء چو صفحی چھوٹی تقطیع ۲۸۸ صفحے۔ ناشر جے مبڈن۔

ذناسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک میں اگست ستمبر ۱۸۵۴ء صفحہ ۲۴۶ میں چھپا ہے۔ اور ان انگریزی کتابوں میں سے اوّل الذکر صرف و نحو کے متعلق ہے جو انتہائی احتیاط سے لکھی گئی ہے۔ مولف ایک انگریز کاونسل کا بیٹا تھا جو شہر حلب میں پیدا ہوا اور عرصہ تک ترکی میں رہا تھا اس لیے ترکی زبان سے بخوبی واقفیت تھی۔ اس لیے بڑی محنت سے ترکی قواعد کی صراحت کی گئی ہے۔ ذناسی کے تبصرے کے وقت ایٹن کالج میں عربی، فارسی، ترکی اور ہندوستانی کا پروفیسر تھا۔

---

[۱] اردو: ہم کو حضرت بادشاہ نے التفات دکھلا کے وافر احساں بخشا۔

ترکی: بزہ پادشاہ حضرتلری التفات گوستروب وافر احساں اتدیلر۔

اسی طرح:

اردو: ایک عورت کی ایک مرغی تھی۔

ترکی: بر عورت برطاؤنحی واریدی۔

[۲] ژورنال ازیاتک جولائی ۱۸۳۸ء صفحہ ۱۰۸

جہاں تک دوسری تالیف کا تعلق ہے وہ ان کی بھی بہت تعریف کرتا ہے اور کہتا ہے کہ کہتا ہے کہ اس میں صحت، وضاحت، دلکشی اور دلچسپی پائی جاتی ہے۔

● "فرانسز جہ وتد کچھ تکلم رسالہ سی۔ فرانیسی ترکی بول چال کی گائڈ" مولفہ الیکزنڈر تی موئی پیرس ۱۸۵۴ء۔ تبصرہ دتاسی ژورنال ازیاتک دسمبر ۱۸۵۴ء صفحہ ۵۵۴۔

اس کتاب میں نہ صرف متن اور ترجمہ دیا گیا ہے بلکہ ترکی عبارتوں کا لاطینی رسم الخط میں بھی اعادہ کیا گیا ہے۔ دتاسی کے مطابق کتاب احتیاط سے لکھی گئی ہے اور ترکی جاننے والے مسافروں کے لیے کافی ہو سکتی ہے۔

● "کتاب کلیلہ و دمنہ کے مصری ایڈیشن پر ایک نوٹ"، ژورنال ازیاتک مئی ۱۸۳۶ء میں "کتابیات" کے عنوان سے دتاسی نے اطلاع شائع کی کہ قاہرہ کے مطبع بولاق نے کتاب کلیلہ و دمنہ شائع کی ہے اور اسے مسرت ہے کہ پیرس میں شائع شدہ متن کی چند غلطیوں کو مصری ایڈیٹر نے درست کیا ہے اور کتاب میں چند صفحے بڑھائے ہیں جو غالباً اسے کتاب کے کسی مخطوطے میں ملے تھے۔ دتاسی کہتا ہے کہ اس کتاب کو عبداللہ بن المقفع نے عربی سے ترجمہ کیا تھا۔

● دتاسی نے ژورنال ازیاتک مارچ ۱۸۴۲ء صفحہ ۲۹۲ میں ایک خط شائع کیا جس میں تذکرہ بابری کے چغتائی مخطوطے پائے جانے کے مقام کا جو غلط ذکر موسیو اے بلین نے کیا تھا اس کی تصحیح کی ہے۔

یورپی اور ہندوستانی زبانوں کا موازنہ مولفہ ایم۔ اے۔ ایف۔ جی۔ جو سوسیتے ازیاتک کارکن ہے اور ملکہ کے کتب خانہ کا ناظم بھی۔ مطبوعہ پیرس۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک اگست ۱۸۳۶ء صفحہ ۱۸۴ تا ۱۹۱۔

حسب عادت دتاسی شروع میں کتاب کا تجزیہ کرتا ہے جس میں زبانوں کے ایک خاندان کے فلسفہ کا ذکر ہے۔ اور یہ زبان بحر ہند سے اوقیانوس (بحر ظلمات) تک پھیلی ہوئی ہے۔ پھر دتاسی دعویٰ کرتا ہے کہ "خود ہندوستان میں اکثر سنسکرت الفاظ جب جدید زبانوں میں کسی قدر تبدیلی پا کر استعمال ہوئے تو یہ تبدیلیاں اسی قسم کی ہوگئیں جس طرح اس مشترک

زبان کی یورپی بولیوں میں بھی نظر آتی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی کہ سنسکرت الفاظ کی جو تبدیلیاں سنسکرت سے ماخوذ بولیوں میں نظر آتی ہیں۔ اور جو اسی ملک میں بولی جاتی ہیں جہاں سنسکرت بولی جاتی تھی وہ ان تبدیلیوں سے کہیں زیادہ شدید ہیں جو اس مشترکہ زبان کے گہوارہ سے تین ہزار میل کے فاصلے پر یورپ کی مروّج بولیوں میں نظر آتی ہیں[1]

اس دوہرے دعوے کے ثبوت میں ذناسی نے چند مثالیں دی ہیں۔

● "ایک ابتدائی زبان جس کا پرانے کتبوں کی مدد سے تجربتاً پتہ چلایا گیا ہے"۔ یہ کتبے حروف تہجی میں ہیں۔ اور چار براعظموں سے مفقود سلطنتوں سے متعلق ہیں۔ مولفہ ریورنڈ فاسٹر، لندن ۱۸۵۱ء حصہ اوّل جبل سنا کی چٹانوں سے اسرائیل کی آواز۔ آٹھ صفحی تقطیع ۱۲۶ صفحے۔ چند فوٹو اور نقشہ بھی ہیں۔ اس انگریزی کتاب کا تبصرہ ژورنال از یاتک جولائی ۱۸۵۱ء میں صفحہ ۸۸ تا ۹۴ پر ہے۔

اس تبصرہ میں ذناسی نے کتاب کا تجزیہ کیا اور تعریف کی۔ یہاں اس کا ایک اقتباس دیا جاتا ہے جس سے یہودیوں اور عیسائیوں کو ہی نہیں بلکہ قرآن پڑھنے والے مسلمانوں کو بھی دلچسپی ہوگی۔ ضمناً رپورٹ میں فاسٹر نے بیان کیا ہے کہ ان کتبات کی مدد سے بائبل کی مبہم اور اختلافی عبارتوں کی وضاحت ہوتی ہے۔ مثلاً بائبل "کتاب خروج" فصل ۱۵ جملہ ۱۷ میں فرعون کے جس گھوڑے کا ذکر کرتا ہے یا "کتاب خروج" فصل ۱۶ جملہ ۱۳ میں طور پر آنے والے سلویٰ نامی پرندے۔ اسی طرح پانی میں چلنے والا سانپ جس کا ذکر بائبل کی "کتاب اعداد" فصل ۲۱، جملہ ۱۶ میں ہے اور مولف خیال ظاہر کرتا ہے کہ کتبوں میں شلاؤ[2] نامی جو پرندہ ہے اور جسے عبرانی رسم الخط میں بھی شلاؤ ہی لکھا جاتا ہے اس کا علمی نام (ANAS CASAREE) ہے جس کے معنی جنگلی تاز کے ہیں اور ایران میں سرخاب اور جدید ہندوستانی میں چکور اور سنسکرت میں چکرواک کہتے ہیں[3]

---

[1] ژورنال از یاتک جولائی ۱۸۵۱ء ص ۵۳

[2] اسے عربی میں سلویٰ کہتے ہیں۔ [3] ژورنال از یاتک جولائی ۱۸۵۱ء ص ۹۳

● "کتاب کے حصہ دوم کا عنوان مصر کی یادگار عمارتیں اور بڑے پیغمبروں کے روایات میں ان کے باقی ماندہ آثار" مطبوعہ لندن ۱۸۵۲ء ۲+۳۰۰ صفحہ۔

انگریزی زبان کی اس دوسری جلد پر دتاسی کا تزجمہ ژورنال ازیاتک فروری مارچ ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۸۵ تا ۲۸۶ میں چھپا ہے اور مولف فاسٹر کے اس نظریے کا تجزیہ کرتا ہے کہ "اسے فخر ہے کہ اس نے اس ابتدائی زبان کا پتہ چلالیا ہے"[1]

اس پر کوئی تنقید کیے بغیر دتاسی صرف یہ لکھنے پر اکتفا کرتا ہے کہ "جو اہل علم خصوصیت کے ساتھ مصر کا مطالعہ کرتے ہیں یہ ان کا کام ہے کہ اس کتاب میں بحث کا جو طریقہ اختیار کیا گیا اور وہ جن نتیجوں پر پہنچتا ہے اس پر حکم لگائیں۔ جہاں تک میرا اپنا تعلق ہے میرا کام صرف اس قدر ہے کہ اس نئی اور دلچسپ کتاب پر علماء کی توجہ مبذول کراؤں"[1]

"کتاب کے حصہ سوم کا عنوان اشوریہ، بابل اور ایران کی یادگار عمارتیں اور دس غائب شدہ (یہودی) قبائل کا پتہ چلانے کے لیے ایک نئی کلید" مطبوعہ لندن ۱۸۵۴ء ۸+۳۵۴ صفحے۔ دتاسی کا تبصرہ ژورنال ازیاتک اگست ستمبر ۱۸۵۴ء صفحہ ۲۴۳ تا ۲۴۶ میں ہے۔

اس تیسرے مضمون میں جو فاسٹر کی تالیفوں پر لکھا گیا ہے اور جن میں پرانی زبانوں کی وحدت سے بحث ہے۔ گارسین دتاسی حسب عادت مندرجات کا تجزیہ کرتا ہے۔ البتہ اس نظریہ پر شبہ کرتا ہے یہ بات مشہور ہے کہ بنی اسرائیل کے ۱۲ قبیلوں میں سے کچھ اس طرح غائب ہو گئے کہ اب وہ لاپتہ ہیں۔ فاسٹر کی رائے میں ان کو افغانستان میں ڈھونڈنا چاہیے اور خیال ہے کہ لفظ کابل سامی لفظ "کوبیل" یعنی قبائل سے بگڑا ہے۔ یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ دتاسی نے اس ناقابل قبول نظریہ کو رد کیا ہے اور اس کے برخلاف شہر ستر آباد نام استریز، شہر زابلستان اور بابل کے نام "زابیران" میں جو ربط پیدا کیا گیا وہ دتاسی کو قرین قیاس نظر آتا ہے۔ فاسٹر نے افغانستان کے باشندوں کی متعدد تصویریں جمع کی ہیں جو یہودیوں سے مشابہ معلوم ہوتی ہیں۔

---

[1] ژورنال ازیاتک فروری مارچ ۱۸۵۳ء ۲۸۶

"ایک چھوٹا سا نوٹ بغیر کسی عنوان کے"۔ ژورنال ازیاتک فروری مارچ ۱۸۵۳ء صفحہ ۲۴۶ تا ۲۴۷ میں شائع کیا۔ دتاسی اطلاع دیتا ہے کہ ۱۸۴۹ء سے شہر یروشلم میں ایک انگریزی انجمن جس کا مقصد بائبل سے متعلق چیزوں کا مطالعہ کرنا ہے یہ انجمن فلسطین میں رہنے والے پروٹسٹنٹ لوگوں کے لیے محدود ہے۔ البتہ انجمن کے کتب خانہ اور میوزیم سے ہر شخص استفادہ کرسکتا ہے۔

"ہندوستان کے اوراقِ پریشاں" یہ بنارس سے نکلنے والے ایک نئے ہندوستانی رسالہ کا نام ہے۔ نوٹ مطبوعہ ژورنال دے دیبا پیرس مورخہ ۱۶ جنوری ۱۸۵۱ء صفحہ انختانی حصہ کالم ۱ تا ۵۔

اس مضمون کے شروع میں دتاسی بیان کرتا ہے کہ اردو کے لیے نستعلیق یعنی فارسی خط کے استعمال سے کیا دشواریاں پیدا ہوتی ہیں اور یہ کہ اسی لیے ٹائپ کی جگہ لیتھو کا استعمال ہونے لگا ہے اور مطالعہ کرتا ہے کہ اولین لیتھو کے چھاپے خانے کلکتہ۔ سیرام پور۔ لکھنؤ۔ مدراس بمبئی اور پونا میں قائم ہوئے ہیں۔ بعدازاں سارے ہندوستان میں پھیل گئے اور یکم جنوری ۱۸۵۰ء کو ان کی تعداد ۲۸ تک پہنچ گئی تھی اور جنھوں نے سال سابق (۱۸۴۹ء) میں ۱۴۱ مختلف کتابیں چھاپی تھیں۔

لیتھو کے نئے چھاپے خانوں میں وہ بیان کرتا ہے کہ مفاد ہند نامی ایک مطبع بنارس میں قایم ہوا جس میں سایرین ہند نامی اخبار چھپنے لگا ہے لیکن یہ ایک عربی لفظ ہے جو اردو میں رائج نہیں۔ صحیح لفظ زائرین ہے جس سے مراد بنارس کے یاتری ہیں۔

اس اخبار کا ذکر دتاسی نے اپنے چھٹے خطبہ ۱۸۵۵ء میں کیا ہے (خطبات گارسین دتاسی حصہ اول طبع ثانی صفحہ ۱۹۰)۔

وفات نامے

گارسین دتاسی کے دوست احباب بکثرت تھے اور بہت سے لوگوں کے ساتھ اس کے روابط کم و بیش مخلصانہ اور قریبی تھے۔ چونکہ اس نے لمبی عمر پائی تھی اس لیے اسے اکثر یہ ضرورت پیش آئی کہ متوفی دوستوں پر تعزیتی بیان شائع کرے۔ وہ اس فریضہ سے بڑی دلدہی کے ساتھ عہدہ برآ ہوتا تھا۔ اس لیے اپنے چند احباب کے جو تعزیت نامے لکھے وہ عموماً کسی مضمون میں شامل ہوتے ہیں یا کسی کتاب میں۔ مثلاً بعض مدرسۃ الالسنہ شرقیہ کے سال تعلیمی کے آغاز پر دیئے جانے والے خطبات میں ہیں۔ اس کے علاوہ چند مستقل مضمون بھی ہیں جو کم و بیش طویل ہیں اور جن میں دنیا کو خیرباد کہنے والوں کا ہی ذکر کیا گیا ہے۔ موجودہ باب میں ایسی ہی چند تحریروں کا ذکر کیا جائے گا۔

"فرانوُر کاستنل برانکو کا وفات نامہ"۔ (ژورنال ازیاتک ۱۸۴۹ء)

تین صفحوں کے اس مضمون میں ایک پرتگالی عہدہ دار کا ذکر کرتا ہے جو جلاوطنی کی حالت میں پیرس میں ۴۴ سال کی عمر میں ۹ر جنوری ۱۸۴۹ء کو فوت ہوا۔ یہ شخص سوسیتے ازیاتک کا رکن تھا۔ ایک مستشرق تھا اور عربی نیز متعدد دیگر سامی زبانوں کو بھی جانتا تھا اور فارسی اور ترکی بھی۔ اس نے عربی سے ایک کتاب خلق کائنات کے متعلق ترجمہ کر کے شائع کی۔

"موسیو آمیدے ژوبیر کی تجہیز و تکفین"۔
(مطبوعہ اکیڈمی کا رسالہ مورخہ ۳۰ر جنوری ۱۸۴۷ء صفحہ ۵ تا ۶ میں چھپا)

متوفی اکیڈمی دے زنسکر پیسوں اے بیل لیٹر کا رکن تھا۔ دتاسی اپنی تقریر میں بیان کرتا ہے کہ موسیو ژوبیر ۱۸ سال کی عمر میں نپولین کی فوج میں حملۂ مصر کے وقت ترجمان کے

عہدے پر مامور ہو چکا تھا۔ روانی کے ساتھ فارسی، ترکی اور عربی بولتا تھا اور اویغوری اور بربر زبانوں سے بھی دلچسپی تھی۔ ژوبیر کو اس بنا پر شہرت حاصل ہے کہ اس نے الادریسی کی جغرافیہ کے بعض اجزا شائع کیے تھے۔ اس کتاب سے اس کی جغرافیہ دانی کا شاندار مظاہرہ ہوتا ہے۔ بعد میں ژوبیر مدرسہ السنہ شرقیہ میں پروفیسر بھی ہو گیا تھا۔

"وفات نامہ" (مطبوعہ رسالہ ریویو دلوریاں جلد ۵ صفحہ ۳۲۔

عنوان بالا کے تحت ژناسی نے جے جے مارسل کی وفات کا ذکر کیا ہے جسے فرانس کے اعزاز یافتہ لوگوں کی جمعیت میں شامل کیا گیا تھا اور وہ مصریات کی انجمن کا رکن تھا۔ مطبع شاہی کا ناظم اور سوسیٹے اور ینتال کا رکن تھا۔ ۱۷۷۶ء میں پیرس میں پیدا ہوا۔ ۲۲ سال کی عمر میں وہ ماہرہ کے مطبع کا ناظم بھی بن گیا۔ اس کے بعد پیرس کے شاہی مطبع کا ناظم۔ اور اسی کی نگرانی میں اور کتابوں کے علاوہ ژناسی کی عربی گرامر اور منتخبات کی کتابیں شائع ہوئیں۔ جب اسے عمر رسیدگی کے باعث خدمت سے علاحدہ ہونا پڑا تو بھی مشرقی زبانوں سے اس کی دلچسپی برقرار رہی۔ اور چیزوں کے علاوہ اس نے ایک عربی فرانسیسی لغت بھی شائع کی۔

"ژوغ ژوارسی" فرانسیسی مستشرق۔ ایک وفات نامہ مطبوعہ ریویو اورینتال اے امریکن جلد ۳ ۱۸۶۰ء صفحہ ۴۲۸ تا ۴۲۹۔

ژ۔ وارسی ایک عربی دان فاضل تھا جس کی مارسیلز میں ۱۵ رجولائی ۱۸۶۰ء کو وفات ہوئی۔ اور اسی شہر میں ۱۷۷۴ء کو پیدا ہوا تھا۔ اس کی ماں مشہور لیڈی مانٹیگو کی بہن تھی۔ ژوارسی نے مصر میں ۱۸ سال گزارے۔ اس نے کم چیزیں شائع کیں۔ البتہ عربی گرامر کا مسودہ اپنے بعد چھوڑا۔ نیز مشہور عربی لغت "قاموس فیروز آبادی" پر عربی مقدمہ لکھا۔ اس کے پاس عربی مخطوطات کا قیمتی ذخیرہ تھا۔ اس نے جو مضمون خلفائے عباسیہ کے وزیر جعفر برمکی پر لکھا تھا وہ اس کی وفات کے بعد ریویو اورینتال اے امریکن میں شائع ہوا۔ اسے بیش قیمت خیال کیا جاتا ہے۔

"موسیو سیرویل دسومیں تیجے کا وفات نامہ" ریویو ادرینٹال سلسلہ جدید جلد [illegible] صفحہ [illegible]

اس وفات نامے میں دتاسی نے فرانس کی سوسیتے اورینتال کے ایک پرانے خط و کتابت سے تعلق رکھنے والے رکن کی وفات کا ذکر کیا ہے۔ جو ستر سال کی عمر میں [illegible] فروری ۱۸۶۸ء کو فوت ہو گئے تھے۔ اس شخص کی اہم ترین تالیف عثمانی ترکوں کی موسیقی ہے جس کے مولف کی زندگی ہی میں دو ایڈیشن نکلے اور اس پر سلطان عبدالمجید اور پرشیا کے فریڈرک ولیم چہارم دونوں کی طرف سے اعزازات حاصل ہوئے۔ اس کے علاوہ سوسیتے نے ایک اور کتاب لکھنی شروع کی جس کا عنوان تھا مشرق کا مذہبی شاعری لیکن تکمیل سے قبل اس کی وفات ہو گئی۔ اور ایک تالیف میں اس نے بیالیس شاعروں کے مختلف اشعار کا انتخاب کیا جن میں سے گیارہ سامعین ہیں۔ ایک اور تالیف شاعر نبی کی نظم خیریہ کا ترجمہ ہے جو ایک تعلیمی نظم ہے اور جس پر دتاسی کا ایک مستقل تبصرہ بھی "ژورنال دے دیبا" میں ۱۳ مارچ ۱۸۶۸ء کو شائع کیا تھا۔

"ایچ ایچ ولسن کی وفات" ریویو اورینٹال اے امریکن جلد ۶ سنہ ۱۸۶۱ء صفحہ ۱۴۵ تا ۱۶۵

ولسن کی شہرت سنسکرت زبان کی تالیفوں کے باعث ہے۔ دتاسی اس کی مطبوعہ تالیفوں کی تفصیل دیتا ہے اور ان شخصی روابط کا بھی ذکر کرتا ہے جو ولسن کے ساتھ تھے۔ ولسن لندن کے ایسٹ انڈیا ہاؤس کتب خانہ کا ناظم تھا۔ یہاں ہندوستانی مخطوطات کا اتنا بڑا ذخیرہ ہے جو دنیا میں کہیں اور نہیں۔ اسی طرح ولسن انگلستان رائل ایشیاٹک سوسائٹی کا ڈائرکٹر بھی تھا۔ اور اس طرح وہ دتاسی کی بڑی علمی خدمت کرسکتا تھا۔ ولسن کو ہندوستانی بھی آتی تھی۔ اور دتاسی لکھتا ہے کہ "اس عام بول چال کی زبان کو جو حقیقت میں ہندوستان کی اصلی زبان ہے حقیر سمجھنے کے بجائے وہ اس کو بڑی اہمیت دیتا تھا اور اپنے سامعین سے کہتا تھا کہ اس زبان سے دلچسپی لیں"[1] ولسن کا انتقال ۸ مئی ۱۸۶۱ء کو ہوا۔

---

[1] وفات نامہ۔ ریویو اورینٹال اے امریکن جلد ۶ سنہ ۱۸۶۱ء ص ۱۵۶

دتاسی کی غیر مطبوعہ تحریریں

اکثر علما کی طرح دتاسی نے بھی وفات کے وقت متعدد غیر مطبوعہ تحریریں مسودے کی صورت میں چھوڑی ہوں گی۔ چاہے وہ مکمل ہو چکی ہوں یا ہنوز زیرِ تالیف ہوں۔ اس بارے میں کوئی معلومات حاصل نہ ہو سکیں۔ دتاسی کی جن غیر مطبوعہ تحریروں کا علم ہوا وہ صرف چند خطوط ہیں جو اس نے اپنے دوستوں کو لکھے تھے۔ اس کا حصہ پیرس کے کتب خانہ قومی میں ہے، اس ذخیرہ کا نام " لسانیات اور شرقیات کے ماہر لوگوں کے خطوط کا مجموعہ جو اٹھارہویں اور انیسویں صدی سے متعلق ہیں" اس کا نمبر F2. N. aeq 6778۔ ایک دوسرا مجموعہ جس کا عنوان " فال پریٹ کے نام خطوط جلد ۲۲" نمبر ہے F2. N. aeq 846 اس کے خطوط کا کچھ حصہ فرانس کے قومی محافظ خانہ (آرکائو) میں بھی ہے۔ (دیکھئے فائیل نمبر F 17, 4054-4096) کچھ چیزیں مدرسہ السنہ شرقیہ میں موجود ہیں (نمبر An. 17 - 1899) مارسیلز میں جو دتاسی کی پیدائش کا مقام تھا ہمیں کوئی چیز نہیں مل سکی۔

یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ دتاسی کا اپنا شخصی کتب خانہ بدقسمتی سے ایک آتش زدگی کا شکار ہوا اور اس کے ترکے کی بہت سی چیزیں تلف ہو گئیں۔ لیکن یہ بتانا ممکن نہیں کہ کون سی چیزیں ضائع ہوئیں۔

یہاں دتاسی کے غیر مطبوعہ خطوط درج کیے جاتے ہیں جس کے لیے ہمیں متعلقہ کتب خانوں کے ذمہ دار افسروں نے از راہِ عنایت اجازت دی ہے۔

پیرس. حلقۂ ششم ۵۴ روسیس اندرے دے زار

مورخہ ۶ راگست ۱۸۷۷ء

محترم نواب (کونت) صاحب

میں آپکے دوستانہ خط مورخہ ۱۲ رجولائی کا شکریہ ادا کرتا ہوں اور اگر رسید دینے کے لیے مجھے آج تک کا انتظار کرنا پڑا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ میں ساتھ ہی آپ کو مطلوبہ شمارہ بھی بھیجنا چاہتا تھا۔ لیکن میرے پبلشر نے تاخیر کی۔ اس نے ایک حد تک فرمائش کی تکمیل کی جس کا آپ نے از راہ نوازش اظہار فرمایا تھا۔ جو کام آپ چاہتے ہیں وہ کافی مشکل ہے۔ ضرورت ہوگی کہ اس میں ہندوستانیوں کے ہندوستان کو بھی شامل کیا جائے جس میں مسلمان ہندوستان بھی ہے اور برطانوی ہند بھی۔ میں آپ کا ممنون ہوں کہ اس مسئلہ پر آپ نے میری توجہ منعطف کرائی اور میں کوشش کروں گا کہ یہ کام انجام دوں۔

میری التجا ہے کہ پارسیوں کے متعلق میرا شکریہ قبول فرمائیں کہ آپ نے مجھے ان سے متعارف کرایا۔ یہ حضرات پرسوں پیرس سے گذرتے ہوئے انگلستان جانے سے قبل اپنے حسن اخلاق کی بنا پر ملاقات کرنے کے لیے میرے یہاں آئے۔

محترم نواب صاحب یقین فرمایئے کہ میں آپ کا اخلاص مند ہوں۔

دستخط گارسین دتاسی

(حوالہ یونانیات و شرقیات کے ماہرین متعلقہ ہیئر دلم و نوزدہم صدی کے خطوط کا مجموعہ۔ پیرس کے کتب خانہ قومی نمبر F. N. Acq. ۶۲۲۸ صفحہ ۶۳)

موسیو

حامل ہٰذا کو یہ عزت حاصل ہوگی کہ آپ کو دست بدست آمیرا کی سریانی گرام، الادریسی کی عربی کتاب کا عربی و لاطینی متن پیش کرے۔ میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ کتب خانہ جاسکوں جیسا کہ میری خواہش تھی تاکہ میں آپ سے استدعا کروں کہ از راہ کرم مجھے مارٹیل لوٹو کی عربی گرامر اور الماسیس کی عربی لاطینی میں تاریخ عرب۔ شائع کردہ ارپے نیوس مجھے مستعار دیں۔

اگر آپ مناسب سمجھیں یہ کتابیں حامل ہذا کو عنایت فرمادیں تو میں آپ کا بے حد ممنون ہوں گا۔ کیوں کہ مجھے ان کی فوری ضرورت ہے۔

موسیو مجھے اس بات کی عزت حاصل ہے کہ میں آپ کا حقیر اور اطاعت گذار خادم ہوں۔

دستخط گارسین دتاسی

مقیم رود ساوو ا۔ ۶

(حوالہ کتب خانہ قومی فان پریٹ کے نام آئے ہوئے خطوط کا مجموعہ جلد ۲۲ ۸۴۶ Fr. Aeq. صـ۳۴۴)

۳۔ موسیو

میں بہ عجلت ان تین کتابوں میں سے جو آپ نے کچھ عرصہ قبل انتہائی مہربانی سے مستعار دی تھیں، دو کو واپس کرتا ہوں اور آپ سے درخواست ہے کہ براہ کرم ساتھ ہی میری خادمہ کو وہ کتاب بھی سپرد فرمادیں جس کا نام "ایران کی سلطانہ اور وہاں کے وزیر" ترکی قصے مولفہ شیرزادہ فرانسیسی ترجمہ مطبوعہ پیرس ۱۷۰۷ء ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ آپ یہ نہ بھولے ہوں گے ان دو ہندوستانی کتابوں کو میرے نام سے حذف فرمادیا ہوگا۔ جو دوسری مرتبہ ہماری ملاقات کے وقت لاکر میں نے آپ کو واپس کیں۔ یہ کتابیں کئی سال سے میرے پاس تھیں۔ اور ان کتابوں میں سے آخری تھیں جو میرے بہترین دوست موسیو دمالو نے مذکورہ زبان کی کتابوں میں سے ایک زمانہ میں میرے سپرد کی تھیں۔

موسیو اس بات کی عزت حاصل ہے کہ آپ کا حقیر اور نہایت تابع دار خادم رہوں۔

دستخط گارسین دتاسی

پیرس۔ بروز دوشنبہ   پروفیسر مدرسۃ السنہ شرقیہ ساکن ۳ سین آندرے دزار

(حوالہ کتب خانہ پیرس فان پریٹ کے نام آئے ہوئے خطوط کا مجموعہ جلد ۲۲۔ ۸۴۶ Fr. Aeq. صـ۳۹۲

اسی جلد کے صـ۳۹۳ پر لکھا ہے کہ موسیو شیو الیے فان پریٹ جو فرانس کے شاہی اکیڈمی شعبۂ فنونِ لطیفہ

اور انسٹی ٹیوٹ کا رکن تھا، اسی طرح پیرس کے کتب خانہ شاہی کا محافظ و ناظم بھی تھا۔

۴۔ موسیو

آپ زور نال دے دیا ہیں اکثر جو نفیس مضمون لکھا کرتے ہیں۔ میں کبھی ان کو پڑھنے سے باز نہیں رہتا۔ چنانچہ اور چیزوں کے علاوہ میں نے آپ کے وہ تینوں مضمون بھی بڑی دلچسپی سے پڑھے ہیں جو کھٹمنڈو کے سفر کے متعلق ہیں۔ "ستی" کے لفظی معنی باعفت عورت اور بعد میں اس کے معنی اس عورت کے ہو گئے جو آخری دم تک باعصمت رہے اور اپنے شوہر کی لاش پر اپنے آپ کو بھی زندہ جلا کر زندگی کا خاتمہ کرے۔ آپ کے مضمون میں معلوم نہیں کس بنا پر کہا گیا کہ "ستی" کا لفظ نیپال کی بولی سے لیا گیا ہے۔ وہاں کی بولی ہندوستانی ہی ہے اگرچہ قدرے تبدیل شدہ ہے۔ لیکن جنگ بہادر اور ان کے ساتھی اس زبان کو پوری صحت کے ساتھ بولتے ہوں گے مجھے اس کا کامل یقین ہے۔

جہاں تک سیکسنی۔ فرانسیسی اور سلاوی زبانوں کے اشتقاق کا تعلق ہے اور m. n. dum. et a کے متعلق اپنے بیان کردہ امور بے حد دلکش ہیں۔ اگر ایسا نہیں ہے تو بھی یہ ہی صحیح معلوم ہوتا ہے اور درست نظر آتا ہے۔

ازراہ کرم میری اس اطمینان دہانی کو قبول فرمائیے کہ میں آپ کی بے حد عزت کرتا ہوں۔

دستخط گارسین دتاسی

مورخہ ۲۸۔۱۰۔۱۸۵۲ء

(حوالہ کتب خانہ عام میں موسیو فی لاریت شارل کے خطوط کا مجموعہ۔ یہ شخص کولیژدو فرانس میں فرانسیسی ادبیات کا پروفیسر تھا۔ ولادت ۱۷۹۰ء وفات ۱۸۷۳ء۔ اس جلد میں ۵۷۴ صفحے ہیں۔ Fr. NO. Acq. 4824

دیکھو صفحہ ۱۶۴)

۵۔ محترم صدر اور فاضل ہم مشرب (ژوزلیف رینو)

آپ نے ہز ایکسیلینسی وزیر تعلیمات عامہ کی خواہش پر مجھ سے دریافت فرمایا تھا کہ اس کام کو کتنا وقت لگے گا جو میرے سپرد کیا گیا ہے۔ یعنی ہندوستانی زبان کو پڑھ سکنا، لکھ سکنا اور زبان کے مبادیات کو سیکھ سکنا نیز ہندوستان کی تاریخ، سیاسی اور اقتصادی جغرافیہ کو بخوبی جاننا۔ اس کا جواب ذیل میں پیش ہے:

چونکہ میرے شاگرد عام طور پر خاصے تعلیم یافتہ ہوتے ہیں۔ میں ان کو ہندوستانی زبان کے مصنفوں کے اقتباسات پڑھاتا ہوں۔ ہندوستان کی موجودہ کتابوں کا ذکر کرتا ہوں۔ ہندوستانی ادبیات کی ترقی کے سلسلے میں اخباروں کا بیان کرتا ہوں جن کی تعداد روز افزوں ہے: تاجروں اور سیاحوں کے نقطۂ نظر سے ان معلومات کو بین الاقوامی دلچسپی کا حامل سمجھا جا سکتا ہے اور اس کی ضرورت بھی ہے۔

محترم صدر آپ کو نظر آئے گا کہ مجھے اپنے موجودہ طریقہ تعلیم میں بہت کم کسی تبدیلی کی ضرورت ہے کہ ہز ایکسیلنسی وزیر تعلیم کی خواہشوں کی تکمیل کی جائے۔ میری رائے میں محنتی اور ذہین طالب علموں کے لیے تین سال کی مدت کافی ہوگی کہ اس زبان کو پڑھ، لکھ اور سمجھ سکیں۔ مگر یہ سہل اسلوب کی مطبوعہ اور قلمی کتابوں سے متعلق ہوگا چاہے ہندوؤں کی بولی ہو یا مسلمانوں کی۔ تحریری زبان ہو یا عام بول چال کی۔ ضمناً طلبا کو ہندوستان کی جغرافیہ اور تاریخ سے متعلق سیاسی اور تجارتی نقطۂ نظر سے جس معلومات کی ضرورت ہوگی وہ بھی دی جاتی ہے۔ ضرورت صرف اس کی ہے کہ طلبا کے پاس وہ کتابیں موجود ہوں جو اس زبان کی تعلیم کے لیے ناگزیر ہیں۔ خود میں نے اس زبان کی دونوں بولیوں کے متعلق ایک گرامر شائع کی ہے۔ ایک ریڈر خود میری تدریس کے لیے اور متعدد کتابیں جن میں مستعملہ الفاظ کی لغت بھی ہے لیکن تا حال فرانسیسی، ہندوستانی اور ہندوستانی فرانسیسی لغت موجود نہیں ہے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جس کو پورا کرنا مفید ہوگا۔

اس تین سالہ تدریس کے بعد طالب علم کے لیے یہ بات آسان ہوگی کہ سفر کر کے بر سر موقع تعلیم کو جاری رکھے اور وہ چیزیں سیکھے جو اس کو ابھی معلوم نہ ہوں۔ کیونکہ جو زبانیں زندہ ہیں

ان کو بولنے کی مشق عملی طور پر حاصل کرنا ناگزیر ہے۔

محترم صدر اور فاضل ہم مشرب از راہ کرم میرے نہایت ممتاز احترامات کو قبول فرمائیے۔

دستخط گارسین دتاسی

پیرس ۲۸ نومبر ۱۸۶۵ء

(حوالہ قومی محافظ خانہ فائیل الف ۱۷۔ ۴۰۵۴ تا ۴۰۹۶ متعلقہ مدرسۃ السنہ شرقیہ

پیرس 1898 : 17 An)

۶۔ پیرس ۱۸ اپریل ۱۸۹۴ء

موسیو اور بہت عزیز دوست

آپ کو یقیناً علم ہوگا کہ موجودہ سال تعلیمی کے آغاز میں (کتب خانہ کے جس حصے میں ہمارے درس ہوتے ہیں) مرمتوں کا سلسلہ جاری ہے اور جس کی وجہ سے اس قدر شور اور گرد ہوتی ہے کہ کئی مرتبہ مجھے اور میرے رفیق اساتذہ کو درس بند کرنا پڑا۔ کیا آپ محترم وزیر کے سامنے یہ تجویز پیش کرسکتے ہیں کہ مدرسہ السنہ شرقیہ کو اس چھوٹے سے مکان میں منتقل کر دیا جائے جس میں موسیو تاز رہتے تھے۔ اس طرح ہمیں سکون ملے گا اور امکان ہوگا کہ وہاں موسیو ژولیس اور اس کے خاندان کو بھی رہنے کی جگہ دی جائے۔ اور یہ آسان ہوگا کہ بڑے مصارف کے بغیر اس چھوٹے مکان میں مدرسہ کو معقول طور پر منتقل کر دیا جائے۔ اس طرح وہ حسب سابق کتب خانہ شاہی کے قریب رہے گا لیکن اس کے اندر نہیں۔ میرے کہنے کا منشا یہ ہے اور اس کا ذکر مناسب ہوگا کہ اس چھوٹے مکان کو جلد سے جلد ڈھایا جائے۔

بہر حال بہت عزیز موسیو اور دوست میری آپ سے درخواست ہے کہ میرے بہترین احساسات کی اطمینان دہی کو قبول فرمائیں۔

دستخط گارسین دتاسی

۷۔ پیرس ۲۹ر دسمبر ۱۸۶۹ء

محترم وزیر صاحب

مجھے وہ خط موصول ہوا جو عالیجناب نے ۲۴ر ماہ رواں کو موسیو شارل دلا بارت کی خواہش پر روانہ کر کے میری عزت افزائی فرمائی ہے۔ اس میں موسیو دلا بارت نے درخواست کی ہے کہ انھیں اس بات کی اجازت دی جائے کہ مدرسہ علوم شرقیہ میں اعزازی طور پر مشرق بعید کے ملکوں کی سیاسی و تجارتی جغرافیہ پر لیکچر دئے جا سکیں۔

۸ر نومبر ۱۸۶۹ء کو جو حکم نامہ صادر ہوا ہے اس کی پوری اجازت دیتا ہے اور موسیو دلا بارت میں اس کی صلاحیت ہے کہ اس کام کو بخوبی انجام دیں گے۔ مجھے اس قسم کی تدریس کے متعلق کوئی اعتراض نہیں ہے۔

محترم وزیر از راہ کرم میرے عمیق احترام کی اطمینان دہانی کو قبول فرمائیں۔

دستخط گارسین دتاسی

شریک ناظم مدرسہ

۸۔ پیرس۔ ۳۰ر دسمبر ۱۸۶۹ء

محترم وزیر صاحب

اس خط کے جواب میں جو آں محترم نے ۲۸ر دسمبر ۱۸۶۹ء کو لکھ کر میری عزت افزائی فرمائی۔ میں فوراً اطلاع پیش کرتا ہوں کہ موسیو بیسنے وہ نوجوان ہے جس کا (مدرسہ میں) داخلہ درست ہے۔

مجھے جناب عالی سے یہ عرض کرنا ضروری ہے کہ تدریس کے آغاز کی تاریخ سے لیکر ۱۳ر اکتوبر تک جبکہ طلبا کی شرکت کی ابتدائی توثیق عمل میں آتی ہے، محترم اساتذہ کی توجہ سے تعداد میں اضافہ ہو گیا ہے لیکن چونکہ شرکت ہائے ثانیہ کے لیے اب رجسٹر کھولا جانے والا ہے (اور یاد رہے کہ ماہ جنوری میں کوئی نیا داخلہ نہیں دیا جاتا بجز اس کے کہ وزیر اس کی خصوصی اجازت عطا فرمائے) اور اس کا سلسلہ آئندہ یکم سے ۱۵ر جنوری تک جاری رہے گا۔ ہمارے لیے یہ بات ممکن ہوگی کہ ۱۶ر جنوری کو ٹھیک طور سے بتا سکیں گے کہ طلبا کی تعداد کتنی ہے؟

محترم وزیر میں آپ کی توجہ اس بات پر بھی مبذول کراؤں گا کہ جو قواعد بننے والے ہیں ان میں مدرسہ کے اندر شرکت کرنے والے طلبا کی عمر کی بھی تجدید کی جائے اور شاید مناسب ہو گا کہ شرکت اول میں ان کو لیا جائے جن کی عمر کم از کم ۱۸ سال ہو (ملاحظہ ہو ترمیم شدہ قواعد فقرہ ۲۲) مقصد یہ ہے کہ تین سال کی تعلیم کے بعد ان نوجوانوں کو جب کسی مشن پر مامور کیا جائے تو وہ قانونی طور پر بلوغ کو پہنچ چکے ہوں۔ اسی طرح اس کی بھی ضرورت ہے کہ یہ قرار پایا جائے کہ پچیس سال گذرنے کے بعد (اور اس کے لیے ایک نیا فقرہ قواعد میں بڑھانے کی ضرورت ہو گی جو موجودہ فقرہ ۲۶ کے بعد آئے گا) جو مدرسہ میں شریک ہوں انھیں ڈپلوما تو مل سکے لیکن انھیں مالی وظیفہ نہ مل سکے جس کا ذکر ۸ر نومبر ۱۸۶۹ء کو جاری شدہ حکم نامہ میں ہوا ہے۔ میں یہ مسایل آں محترم کے غور کے لیے پیش کرتا ہوں۔

محترم وزیر میری استدعا ہے کہ میرے عمیق احترام کی اطمینان دہی کو قبول فرمائیں۔

مدرسہ کا شریک ناظم

دستخط گارسین دتاسی

پیرس ۲۲ر اپریل ۱۸۴۳ء

(حوالہ محافظ خانۂ مونی پیلیے خود نوشتہ تحریر نمبر ۱۱۹ متعلقہ یوسیب دسال، مارسیلزم)

۹۔ پیرس۔ ۲۲ر اپریل ۱۸۴۳ء

مکرم و محترم دوست

میں آپ سے معافی چاہتا ہوں کہ آپ کے آخری خط مورخہ ۹ر ماہ رواں کا جواب دینے میں ایک ہفتہ سے زیادہ تاخیر کر رہا ہوں اور میں نے آپ کو وہ دونوں دستاویز بھی واپس نہیں کی ہیں جو آپ نے ان کے ترجمے کے ساتھ مجھے بھیجیں۔ یہ کام میں ہر روز آج سے کل پر ڈالتا رہا اور اس طرح وقت گذر گیا۔

ان دونوں دستاویزوں میں سے ایک دستاویز بنگالی زبان میں ہے جس سے میں واقف نہیں۔ اس لیے میں ان پر کام نہیں کر سکوں گا۔ دوسری فارسی میں ہے اور وہ ایک رسید ہے کہ مرشد آباد میں چنگی کی رقم ادا کی گئی۔ یہ ایک قسم کا "پروانہ" یا "فرمان" ہے جو ٹیکس وصول کرنے والوں کو دیا

جاتا ہے کہ کپڑوں پر ٹیکس ادا کر دیا گیا۔ اس پر سامان تجارت کے مالک کا نام نہیں اور یہ ممکن ہے کہ موسیو آل ہٹبس ہوں۔ اوپر جو مہر ہے وہ بنگال کے گورنر کی ہے اور جو مہریں کنارے پر ہیں وہ داروغہ اور مشرف کی ہیں۔ یہ دستاویز بہت خراب شکستہ خط میں ہے اور پڑھنا مشکل ہے۔ مجھے کئی بار پڑھنا پڑا اور کئی کئی دن کے وقفوں سے کوشش کرنی پڑی تاکہ کام مکمل کر سکوں۔ اس کے باوجود دو تین لفظ ایسے ہیں جن کو ابتک نہیں پڑھ سکا۔ اپنے ذاتی اطمینان کے لیے اور اس کام کو مکمل کرنے کی توقع میں آپ کی اجازت سے میں یہ دستاویز آیندہ منگل تک اپنے پاس رکھتا ہوں۔ اس دوران میں موسیو الیگزنڈر کے سپرد کر دوں گا جو تعلیم کے انسپکٹر جنرل ہیں اور مارسیلز جا رہے ہیں تاکہ وہ ان کو آپ تک پہنچا دیں۔ جو چیز افسوسناک ہے وہ یہ کہ پیرس میں کسی ایسے شخص سے واقف نہیں جو ہندوستانیوں کے اس عربی خط کو پڑھ سکے۔ اس طرح مجبور ہوا کہ کسی شخص کی مدد کے بغیر اپنی ذاتی کوشش پر اکتفا کروں۔ صرف عبارت کا پڑھنا مشکل ہے مگر مقصد واضح ہے کیونکہ اس قسم کے دستاویز کے مندرجات کا مقصد معلوم ہے۔

مجھے اپنے کاغذات میں اس رقم کی رسید مل گئی جو سوسیتے ازیاتک کو گذشتہ سال آپ نے ادا کی تھی۔ وہ خط کے ساتھ منسلک ہے۔ سال حال کا چندہ جو آپ کے ذمّے ہے وہ تاحال مجھ سے طلب نہیں کیا گیا۔ جو ارکان پیرس میں نہیں رہتے ان کے متعلق اس پر اکتفا کی جاتی ہے کہ وہ دو سال میں ایک بار رقم ادا کریں اور جب ان کے لیے ممکن ہو۔

میں کوشش کروں گا کہ موسیو الگزنڈر کے ہاتھ وہ ڈپلوما (سند) بھی بھیجوں جو انجمن لسانیات سے متعلق ہے۔

مجھے عزت حاصل ہے کہ بامحبت انداز میں آپ کو سلام کروں اور مادام دسال کی خدمت میں بصد احترام سلام پیش کروں۔

آپ کا مخلص خادم

دستخط گارسین دتاسی

۱۰۔ پیرس ۔ ۵۳ روسیس آندرے

۲۶؍ اپریل ۱۸۴۳ء

مکرم و محترم دوست

جیسا کہ میں نے آپ کو اطلاع دی تھی میں آج آپ کو موسیو الگزنڈر کے ہمراہ وہ مشرقی دستاویزیں واپس کر رہا ہوں جن کے متعلق آپ نے مجھ سے مشورہ کیا تھا۔ اسی طرح انجمن نسلیات کی سند اور انجمن مذکور کی رپورٹ کی پہلی جلد بھی بھیجتا ہوں۔ موسیو الگزنڈر ایک اچھے اور عالم شخص ہیں اور میرے بہترین دوستوں میں سے ایک ہیں۔ یقیناً ان سے واقفیت پیدا کرنے سے آپ کو خوشی ہوگی۔ رپورٹ مذکور اور سند حاصل کرنے کے لیے ۲۹ فرنک جو رقم ادا کرنی پڑی (براہ کرم یہ رقم آپ میرے بھائی کو نہ دیں بلکہ براہ راست مجھے دیں۔ جب آئندہ جولائی میں آپ سے مارسیلز میں ملاقات کی مسرت حاصل کروں گا)۔

جہاں تک فارسی دستاویز کا تعلق ہے وہ مرشد آباد میں چنگی کے ادا کیے جانے کی تصدیق کی رسید ہے جیسا کہ میں آپ کو لکھ چکا ہوں۔ اب میں آپ کو اس کا لفظ بہ لفظ ترجمہ بھیج رہا ہوں۔ صرف ان الفاظ کا ترجمہ نہیں ہے جو پانچویں سطر کے بعد ہیں اور میں جن کو ٹھیک طور پر نہیں پڑھ سکا۔ بظاہر اس میں چند ہندسے ہیں جن کو رقم کہا جاتا ہے۔ بظاہر اس میں ۵۳، سکوں کا ذکر ہے۔ پھر ایک اور ہندسہ ہے جس سے میں واقف نہیں اور آخر میں "بیست شمار ......" سا پڑھا جاتا ہے۔ اس کے نیچے ایک اور رقم ہے جو ۱۵۰ نظر آتی ہے۔ جس کے معنی معلوم ہوتے ہیں کہ مرزا پوری کپڑوں کے ۱۵۰ تھان۔ آخری سطر کا مفہوم یہ ہے کہ "یہ چنگی خانہ .... (مقام کا نام پڑھ نہ سکا) میں ۲۵؍ دسمبر ۱۷۸۳ء بمطابق ۱۱؍ ماہ پوس ۱۱۹۰ء بنگالی تقویم لکھا گیا۔ یہ ہی تاریخ دستاویز کے پشت پر بھی ہے۔

بعد میں افسوس نہ ہونے کے لیے میں نے یہ دستاویز موسیو کارتر میر کو بھی دکھائی۔ وہ بھی پڑھ نہ سکے لیکن اس کے ایک لفظ کو جس سے مجھے بڑی تشویش تھی حل کیا۔ اس کے بعد موسیو کازی میرسکی سے رجوع کرنا مناسب معلوم ہوا جنھیں فارسی زبان خاص کر خط شکستہ کو پڑھنے میں ملکہ حاصل ہے اور واقعتاً انھوں نے مدد دی کہ چند الفاظ کو پڑھنے میں جن میں متعدد امکان تھے ان کے متعلق میں فیصلہ کن رائے قائم کرسکوں لیکن وہ بھی میرے لیے پوری تشفی کا

باعث نہ ہو سکے اور میں خیال کرتا ہوں کہ اس بارے میں مزید کوشش سے غالباً کوئی نتیجہ نہیں نکل سکے گا۔

دستخط گارسین دتاسی

باز یاد:

براہ کرم مادام دسال کو میرا سلام کہنا نہ بھولیے (پھر یہ الفاظ اردو میں ہیں بی بی دسال کو بہت بہت سلام)

(حوالہ خود نوشتہ دستاویز نمبر ۱۱۹ موسومہ شخص مذکور)

اختتامیہ

دتاسی کی وفات کے بعد پیرس کے مدرسہ السنہ شرقیہ سے ہندوستانی زبان کی تعلیم موقوف کر دی گئی۔ بہت عرصہ بعد اس ادارہ میں ایک چیر قایم کی گئی جو بحیثیت مجموعی ہندوستان کی ساری زبانوں سے متعلق تھی مگر اب بنگالی، ہندی اور اردو نیز تامل کے لیے الگ الگ شعبے قایم ہو گئے ہیں۔

دتاسی نے متعدد باصلاحیت شاگرد پیدا کر دیئے تھے جنھوں نے اپنے استاد کے کام کو جاری رکھا۔ اگرچہ فرانس میں اس زبان سے حکومت کوئی دلچسپی نہیں لے رہی تھی۔ اس سلسلے میں پادری لابے برتراں۔ تھیو دور پاوی اور فرانسوا دلونکل کے نام لینے کافی ہوں گے۔ پادری برتراں نے خود گارسین دتاسی کے حین حیات اردو کی درسی کتابیں طبع کرنے میں حصہ لیا تھا۔ اس نے ایک ہندوستانی کی کتاب شائع کی جس کا موضوع ہندوستان کی موجودہ ادبیات پر اسلام کا اثر تھا۔ یہ حیدر بخش حیدری کی "گلِ مغفرت" کا فرانسیسی ترجمہ تھا۔ "گلِ مغفرت" اردو میں اب نایاب ہو چکی ہے۔ اس کے علاوہ برتراں نے موسیو میں کی شائع کردہ کتاب "قاموس المذاہب" میں بھی متعدد مقالے لکھے۔ تھیو دور پاوی نے اردو ہندی مخطوطات پر توجہ کی۔ میر بہادر علی حسینی نے "تاریخ آسام" مولفہ شہاب الدین طالش ابن ولی محمد کا فارسی سے اردو میں ترجمہ ۱۸۰۵ء میں کیا جس میں اورنگ زیب کے جنرل میر جملہ کی مہم آسام کا حال تھا۔ یہ قلمی ترجمہ گارسین دتاسی کے پاس پیرس پہنچ گیا تھا اور اس کا فرانسیسی ترجمہ تھیو دور پاوی نے ۱۸۴۵ء میں کیا۔ اردو میں حسینی کا یہ ترجمہ ناپید ہے۔

لال جی کب نے بھگوت گیتا پر مبنی سری کرشن کے حالاتِ زندگی سولھویں صدی میں لکھے تھے۔[1]

---

[1] فیلکس نیف: ہندوستان کے ادبیاتی ادوار۔ سنسکرت شاعری کا مطالعہ۔ حصہ پنجم ۱۸۸۱ء صفحہ ۴۷۶

اس کتاب کا خلاصہ تھیودور پاوی نے فرانسیسی میں پیش کیا اور پدمنی کی کہانی بھی ہندی ماخذوں کی مدد سے فرانسیسی میں لکھی۔

فرانسوا دلونکل نے ایک بڑی لغت تیار کی جو ہندوستانی فرانسیسی اور فرانسیسی ہندوستانی پر مشتمل تھی جس میں ہندوستان کی تاریخ، جغرافیہ اور دیو مالا کی اصطلاحات ملتی ہیں۔ اس لغت کا صرف ایک فرما ۱۲ + ۳۲ صفحات میں ۱۸۷۶ء میں شائع ہوا۔

گارسین دتاسی کے پاس انگلستان اور دیگر یورپی ممالک سے بھی شاگرد آتے تھے لیکن ہمارے علم میں ان میں سے کوئی شخص ایسا نہیں گذرا جس نے اردو ہندی میں علمی کام کر کے نام پیدا کیا ہو۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ برطانوی حکومت نے اپنے مشیروں کی تجویز مان کر یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ انگریزی زبان نہ صرف نظم و نسق کے سارے شعبوں میں استعمال کی جائے بلکہ یونیورسٹیوں اور اسکولوں میں بھی ذریعۂ تعلیم قرار دی جائے۔

اپنے استاد سلوستر دساسی کی طرح گارسین دتاسی نے بھی اپنے منتخبہ موضوع کا خود ہی تن تنہا مطالعہ کیا یوں اسے نہ سابقہ روایتوں سے مدد ملی اور نہ پیش رووں کے کام سے۔ وہ کبھی ہندوستان نہیں گیا۔ اس کے باوجود وہ نہ صرف اردو سے مکمل طور پر واقف تھا بلکہ اردو مخطوطات کو بھی پڑھ سکتا تھا۔ اور اس زبان کو روانی سے بولتا تھا۔

ایک اور قابل ذکر بات یہ ہے کہ دتاسی ہر چیز کا مطالعہ اردو زبان کے نقطۂ نظر سے کرتا تھا۔ مختلف علوم و فنون کی کتابوں اور مقالوں پر اس کے شائع کردہ تبصرے نشان دہی کرتے ہیں کہ زیر بحث تحریر سے اردو زبان کے لیے کیا چیز فائدہ بخش ہے۔ چاہے یہ بائبل پر کوئی تصنیف ہو یا کسی اور موضوع پر۔ دتاسی کا اپنے محبوب مضمون یعنی اردو زبان پر یہ ارتکاز نہ صرف حیرت انگیز ہے بلکہ بعد کی نسلوں کے لیے فائدہ مند رہا ہے۔

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ دتاسی کو دو بڑے موضوعات سے دلچسپی تھی۔ اردو زبان اور مذہب اسلام۔ لیکن اس کی نظر میں یہ دو الگ موضوع نہیں تھے کیونکہ وہ اردو کے واسطے سے ہندوستان کے مسلمانوں کی تہذیب کا پتہ چلاتا ہے۔ اس طرح یہ دونوں موضوع ایک ہی تصویر کے دو مختلف رُخ ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس نے ہندی زبان اور ہندوستان کے غیر مسلم باشندوں کی

نسل نگاری Ethnography سے دلچسپی لی لیکن اس پر اس نے کم لکھا ہے مزید برآں یہ کام اس نے مسلمانوں کی کتابوں سے حاصل شدہ معلومات کی بنیاد پر کیا تھا۔

جہاں تک اسلام کا تعلق ہے دتاسی سے زیادہ غیر جانب دار ہونا ممکن نہیں۔ وہ عیسائی تھا۔ کیتھولک فرقہ سے تعلق رکھتا تھا لیکن وہ اسلام سے واقف ہونے کے لیے اس کا مطالعہ ہمدردی سے کرتا ہے۔ اس کا مقصد نکتہ چینی کرنا نہیں تھا چنانچہ جب کبھی وہ مسلمانوں کے عقائد اور عادات کے متعلق لکھتا ہے تو جیسا پڑھا اُسے من وعن بیان کر دیتا ہے۔ ان معاملات پر وہ نہ تنقید کرتا ہے اور نہ ان کی توہین۔ دتاسی کے زمانے میں یہ اسلوب نگارش صرف فرانس میں ہی نہیں سارے مغرب کے لیے ایک نادر چیز تھی۔

مجموعی طور پر دتاسی کی تصانیف میں ایک اور قابل ذکر عنصر ملتا ہے کہ وہ ہر موضوع کے متعلق نمائندہ کتابوں کا انتخاب کرتا ہے چنانچہ اگر وہ کسی شاعر کے دیوان کا ترجمہ کرتا ہے تو وہ ہندوستان کے بہترین شعراء میں سے ایک کا انتخاب کرتا ہے۔ اسی طرح مبادی اسلام پر کسی درسی کتاب کا ترجمہ کرتا ہے تو وہ ایسی کتاب ہے جو اپنے زمانے میں سب سے بہتر سمجھی جاتی تھی۔ اگر وہ کسی کتاب کے چند اجزاء کا فلسفیانہ یا ادبی نقطۂ نظر سے ترجمہ کرتا ہے تو وہ کتاب کی سب سے عمدہ اور نمائندہ عبارات ہوتی ہیں۔ مختصر یہ کہ جو چیز اس کی دسترس میں ہوتی ہے۔ اس سے زیادہ سے زیادہ فائدہ اٹھانے کے لیے وہ ایک واقف کار اور ماہر کی حیثیت سے اس کا مطالعہ کرتا ہے۔

اس کی علمی صلاحیتوں کا پتہ چلانا چاہیں کہ اسے اردو پر کتنا عبور حاصل تھا اور اس کی ناقدانہ صلاحیت کس پایے کی تھی تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ عربی، فارسی اور ترکی زبانوں پر اسے خاصا عبور حاصل تھا مگر اس وقت ان کی تفصیل بیان کرنا ممکن نہیں۔ قابل ذکر امر یہ ہے کہ اس نے یہ زبانیں پہلے سیکھیں اور ان کے واسطے سے وہ اردو کی طرف متوجہ ہوا۔ اور پھر اس نے اُردو کے سامنے ان زبانوں کو ثانوی حیثیت دی۔ ہم پہلے یہ بیان کر چکے ہیں کہ ان زبانوں سے اس کی واقفیت بعض وقت غیر تسلی بخش نظر آتی ہے اس کا اندازہ اس وقت ہوتا ہے جب وہ ان زبانوں کی عبارتوں کا ترجمہ کرتا ہے اور پھر ان پر دوسرے لوگوں کے تبصرے چھپتے ہیں۔

جہاں تک اردو کا تعلق ہے تو اسے اس زبان پر ایسی قدرت تھی کہ وہ اردو کی نزاکتوں اور محاوروں کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ اس زبان کی تعلیم اس کا فرض منصبی تھا اور اس نے پچاس سال اس زبان وادب کی درس وتدریس میں صرف کئے تھے۔ اس کی افتاد طبع بھی ایسی تھی کہ وہ محض اپنے کام سے کام رکھتا تھا اور جس زبان اور علم کو اس نے اپنے مطالعہ کے لئے چن لیا تھا اس کے علاوہ اسے کسی اور چیز سے دلچسپی نہیں تھی۔

دتاسی نے ولیم جونز کی گرامر کا انگریزی سے فرانسیسی میں ترجمہ کیا۔ وہ اپنی تصنیفات میں جرمن، لاطینی، یونانی اور عبرانی کا بطور ماخذ ذکر کرتا ہے۔ وہ انگریزی اچھی طرح جانتا تھا لیکن اس نے خود فرانسیسی زبان میں ہی لکھا ہے اس لئے یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ جن متعدد یورپین زبانوں کو جانتا تھا ان کے متعلق اس کی واقفیت کتنی تھی۔ جہاں تک ہندی کا تعلق ہے دتاسی کے زمانے میں ان دونوں بولیوں میں اتنا فرق نہیں تھا جتنا آج پایا جاتا ہے اگر کسی کو دیوناگری حروف تہجی آتے ہوں اور تھوڑی سی سنسکرت، تو وہ اپنے کام سے عہدہ برآ ہو سکتا تھا۔ گارسین دتاسی کی ہندی پر کتابیں کم ہیں اور وہ کافی نہیں کہ ان کی بنیاد پر اس زبان سے اس کی گہری واقفیت کا پتہ لگ سکے۔

ہمارے پاس ایسے بہت سے تبصرے موجود ہیں جو اس نے مختلف تصانیف کے متعلق شائع کئے۔ جن میں دتاسی کتاب کے مولف سے اپنے شخصی تعلقات کا اظہار کرتا ہے یا اس پر اکتفا کرتا ہے کہ کتاب کے مندرجات کا تجزیہ کر دے۔ زیر تبصرہ کتابوں کی غلطیوں اور خامیوں کو وہ شاذ و نادر ہی بیان کرتا ہے۔ غالباً وہ اپنی نیک نفسی اور مروت کے باعث نہیں چاہتا تھا کہ دوسروں کی دلآزاری کرے۔ اس کی خواہش تھی کہ "خذ ما صفا ودع ما کدر" کے طور پر کتاب کی ساری خوبیوں سے مستفید ہو۔ بہر حال اس کے تبصروں سے معلوم ہوتا ہے کہ مشرقی زبانوں کے علاوہ اس کا مطالعہ انگریزی میں بھی وسیع تھا۔

اس کی تحریروں میں "وفات نامے" ملتے ہیں۔ ان میں وہ زیادہ تر متوفی سے اپنے ذاتی روابط اور اس کی تخلیقات کا تذکرہ کرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ کسی شخص کی رحلت کے وقت موزوں نہیں کہ اس پر تنقید کی جائے۔

دتاسی نے بکثرت علمی و ادبی تصانیف اور مضامین شائع کئے جو ہزاروں صفحوں پر پھیلے ہیں۔

یہ بات اہم ہے کہ جیتے جی اس کی تالیفات کی بڑی قدر ہوئی چنانچہ بعض کتابوں کے دو تین ایڈیشن نکلے اور ظاہر ہے کہ ہر اشاعت میں اس نے ترمیم و اضافے بھی کئے۔ عمر رسیدگی کے باوجود وہ اپنی زندگی کے آخری ایام تک کام کرتا رہا۔ وہ نہ صرف اردو کا ماہر تھا بلکہ ہندوستان کی تاریخ، عمرانیات نیز ہندوستانی مسلمانوں کی تہذیب و تمدن اور مذہب کے ہر پہلو سے بھی بخوبی واقف تھا۔

جیسا کہ اس کتاب کی ابتدا میں ذکر ہو چکا ہے کہ دتاسی کو اسلامی تصوف سے گہری دلچسپی تھی۔ اس وقت تک یورپ میں بھی اورینٹل تصوف کا چرچا شروع ہو چکا تھا۔ فارسی اور اُردو شعری روایت کی بنیاد بھی تصوف پر تھی جس کا دتاسی نے عمیق مطالعہ کیا۔ انڈو مسلم معاشرہ کا مزاج بھی تصوف کی روایات کا عکاس تھا۔ ہندوستان میں صوفیائے کرام کی تحریک پندرہویں سولہویں اور سترہویں صدی عیسوی میں پھلی پھولی اور جس نے اردو ہندی اور دیگر ہندوستانی جدید زبانوں کی آبیاری کی۔ ہندی میں پریم مارگی صوفیاء کی شاعری۔ بھگتی کال کے کبیر داس۔ میرا بائی۔ چنڈی داس۔ سور داس اور رس کھان وغیرہ کے نغموں سے عہد مغلیہ میں سارا شمالی ہندوستان گونج رہا تھا۔

اواخر اٹھارویں صدی میں شاہ ولی اللہ اور اوائل انیسویں صدی میں سید احمد بریلوی نے تصوف کے غلبہ سے پیدا شدہ مضر نتائج کے خلاف اصلاح دین کی تحریکیں شروع کیں جن سے ۱۸۵۷ء کے بعد ہمارے مصلحین بھی متاثر ہوئے لیکن شمالی ہند کے انڈو مسلم معاشرہ پر تصوف کی تہذیبی اور اخلاقی اقدار کی چھاپ باقی رہی۔ اسی زمانے میں ہزاروں میل دور بیٹھے دتاسی نے اردو شعر و ادب کا مطالعہ کیا۔ تصوف اور بھگتی دونوں تحریکوں سے اس کی دلچسپی بڑھتی گئی چنانچہ اس نے میرا بائی کی شاعری پر ایک مضمون لکھا۔ دتاسی بذات خود ایک کشادہ مشرب اور صوفی منش انسان تھا اسی وجہ سے اس نے مشرق کے ان مذہبی رجحانات کا بڑی وسیع القلبی سے مطالعہ کیا تھا۔

دتاسی انتھک کام کرتا تھا۔ شریف النفس اور با اخلاق تھا۔ ملاقاتیوں سے ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملتا۔ اس بات پر تعجب نہیں ہونا چاہیئے کہ جو شخص اپنے علمی کاموں میں اس قدر مصروف ہو وہ سوشل ملاقاتوں۔ کلب اور چائے خانوں میں اپنا وقت ضایع نہیں کر سکتا نہ ہی اسے

سیاست سے دلچسپی ہوسکتی ہے۔ دتاسی خود ایک عہد تھا وہ اپنے زمانے کا بڑا استاد اور طلبار کا رہنما بھی تھا۔ ہندوستان کے متفرق اہم اشخاص سے اس نے دوستی قایم کرلی تھی۔ اس کے ایسے دوست بھی موجود تھے جواس کی کتابوں کا فرانسیسی سے اردو میں ترجمہ کرا سکتے تھے لیکن اس کی وفات کے بعد انگریزوں کی تعلیمی پالیسی کا یہ نتیجہ نکلا کہ دتاسی نے اپنی تالیفوں میں معلومات کے جو خزانے فرانسیسی زبان میں چھوڑے تھے ان کو اہلِ ہند بہت جلد بھول گئے۔ ہندوستان کے عالموں کو پہلی جنگ عظیم کے بعد فرانسیسی زبان سے دلچسپی پیدا ہوئی اور اس طرح انھیں گارسین دتاسی کی تخلیقات کا پتہ چل سکا۔ چنانچہ جامعہ عثمانیہ کے اردو پروفیسر محی الدین قادری زور مرحوم نے دتاسی پر ایک کتابچہ "گارساں دتاسی اور اس کے ہم عصر بہی خواہان اردو" شائع کیا۔ انجمن ترقی اردو حیدرآباد سے عبدالحق کی زیر نگرانی متعدد اہل قلم نے دتاسی کے ان خطبات اور مقالات کا اردو ترجمہ شائع کیا جو وہ مدرسہ السنہ شرقیہ کے نئے سیشن کے آغاز پر دیا کرتا تھا۔ ان کا نیا ایڈیشن انجمن ترقی اردو پاکستان کی طرف سے ڈاکٹر حمیداللہ کی نظر ثانی کے بعد کراچی سے ۱۹۷۹ء میں چھپا۔ ولسوں گریرسن نے لنگوسٹ سروے آف انڈیا کی نویں جلد صفحہ ۱۳ سے گارسین دتاسی کی مکمل فہرست کتب شائع کی ہیں۔ وہ اس فہرست کے لیے ولسوں کا مرہونِ منت ہے۔

اس کے باوجود ہماری درس گاہوں میں اور ہمارے محققین نے گارسین دتاسی اور اس کے علمی کارناموں کو وہ اہمیت نہیں دی جس کا وہ مستحق تھا۔ اردو کے اس پرستار اور محسن نے تحقیق، تدوین، تنقید و تبصرہ اور تاریخ ادبیات اردو کے اسناد کی فراہمی کی وہ خدمات انجام دیں جو عام طور پر فرد واحد کے بس کی بات نہیں ہوتی۔ دتاسی انیسویں صدی کے اردو منظرنامے کا ایک ایسا مبصر، ناقد اور گواہ ہے جس کی شہادتوں اور بیانات کی بنیاد پر ہم اردو شعروادب اردو اخبار نویسی سماجیات اور رسوم و عقاید غرض کہ پچھلی صدی کے ہر شعبۂ زندگی کے متعلق وافر معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔ اردو کے لیے دتاسی کی محبت حیرت انگیز تھی۔ اس کا ذخیرۂ علم بیکراں معلوم ہوتا ہے۔ دراصل وہ یورپین نشاۃ ثانیہ کے ان دیوزادوں کی روایت سے تعلق رکھتا ہے جنھوں نے اپنے عہد آفریں ذہنی کارناموں کے ذریعے جدید تہذیب کی تشکیل کی ہے۔

پیرس۔ دسمبر ۱۹۸۲ء

ضمیمہ ۱

گارسیں دتاسی کے مطبوعات کی مکمل فہرست

آئندہ صفحات میں گارسین دتاسی کی کتابوں اور ان مضامین کی مکمل فہرست مرتب کی گئی ہے جو مختلف اخباروں اور رسالوں میں چھپے تھے۔ دتاسی کی سوانح عمریوں یا کتب خانوں کے کیٹلاگ یا کارڈ انڈکس جو پیرس کے کتب خانۂ قومی، مدرسہ السنہ شرقیہ یا محافظ خانۂ قومی میں موجود ہیں یہ فہرست ان سے زیادہ مفصل اور مکمل ہے۔

بطور ضمیمہ فرانسیسی زبان میں بہ لحاظ حروف تہجی اس فہرست کو ترتیب دیا گیا ہے تاکہ قاری کو کتاب یا مضمون کا اصل نام معلوم ہو سکے۔ ان پر تبصرے متعلقہ ابواب میں کیے گئے ہیں۔ اور ان کا ذکر زیر نظر کتاب میں کہاں ہوا ہے اس کے لیے صفحات کی نشان دہی کر دی گئی ہے۔

جہاں تک بڑے رسالوں مثلاً "ژورنال ازیاتک"۔ "ریویو دلوریاں دللجیری اے دے کولونی" یا "ژورنال دے ساواں" کا تعلق ہے یہ آسان ہے کہ ان کے انڈکس یا فہرست مضامین کو دیکھ کر مضمون پڑھ لیا جائے لیکن جو روزناموں کو بھیجے گئے تھے جیسے "ژورنال دے دیبا" وغیرہ ان کے متعلق ایسی کوئی سہولت نہیں پائی جاتی بلکہ مواد کے لیے شروع سے آخر تک ورق گردانی کرنی پڑتی ہے۔

مندرجہ ذیل فہرست میں ہر کتاب اور مضمون کے آخر میں ان رسالوں کے نام درج ہیں جہاں وہ چھپے تھے۔ Journal Asiatique کا مخفف J. A. ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی پیرس کا رسالہ ہے۔

COMPLETE LIST OF PUBLICATIONS OF GARCIN DE TASSY

1. ABREGE DU ROMAN HINDOUSTANI INTITULE LA ROSE DE BAKAWALI, J.A., P. 145.

2. ANALYSE DE DEUX GRAMMAIRES HINDOUSTANIES ORIGINALES, J.A., P. 130-131.

3. ANALYSE D!UN MONOLOGUE DRAMATIQUE INDIEN, J.A., P. 140-141.

4. ANECDOTES HINDOUSTANIES, J.A., P. 168.

5. ANECDOTE RELATIVE AU BRIJ-BAKHA, TRADUITE DE L!HINDOUSTANI J.A., P. 164.

6. ALLEGORIES, RECITS POETIQUES ET CHANTS POPULAIRES, TRADUITS DE L!ARABE, DU PERSAN, DE L!HINDOUSTANI ET DU TURC, 1876, P.150.

7. LES ANIMAUX EN DISCUSSION AVEC L!HOMME, REVUE DE L!ORIENT, P. 159-164.

8. APPENDICE AUX RUDIMENTS DE LA LANGUE HINDOUSTANIE, PARIS 1829, P. 129-130.

9. LES AUTEURS HINDOUSTANIS ET LEURS OUVRAGES, 1868, P. 113-115.

10. LES AVENTURES DE KAMRUP, PARIS 1834, P. 146.

11. LES AVENTURES DU PRINCE GEM, DU TURC DE SAAD-EDDIN, J.A., P. 191-192.

12. BAG O BAHAR, LE JARDIN ET LE PRINTEMPS, TRAD. EN FRANCAIS, REVUE DE L'ORIENT, P. 144-145.

13. LE BOSTAN DE SAADI, REVUE ORIENTALE ET AMERICAINE, P.183-184.

14. CHANTS POPULAIRES DE L'INDE, REVUE CONTEMPORAIRE DE PARIS, P.153-154.

15. UN CHAPITRE INCONNU DU CORAN, J.A., P. 212-213.

16. UN CHAPITRE DE L'HISTOIRE DE L'INDE MUSULMANE OU CHRONIQUE DE CHER SCHAH, SULTAN DE DELHI, P. 158-159, REVUE DE L'ORIENT, DE L' ALGERIE ET DES COLONIES, P. 89-90.

17. CHRESTOMATHIE HINDOUSTANIE, FRENCH BOOK, 1847 PARIS, P. 116-118.

18. CONSEILS AUX MAUVAIS POETES, 1825, PARIS, P. 133-136.

19. COMPTE-RENDU-ANALYSE D'UN OUVRAGE ANGLAIS, OBSERVATIONS SUR LES MUSULMANS DE L'INDE, J.A., P. 295-296.

20. COMPTE-RENDU. ANALYSE D'UN OUVRAGE DE F.BOUTROS SUR L'EDUCATION DANS L'IND, J.A., P. 302..

21. COMPTE-RENDU, ANALYSE DU PARALLELE DES LANGUES DE L'INDE. DE M. EICHHOFF, J.A. P. 331.

22. COMPTE-RENDU. ANALYSE DU ROMAN DE MAHOMET DE MM. REINAUD ET F. MICHEL, J.A. P. 325.

23. COMPTE-RENDU. ANALYSE D'UN OUVRAGE INTITULE BAG OF BAHAR, REVUE DE L'ORIENT, P. 144.

24. COMPTE-RENDU, ANALYSE DES EXTRAITS DES HISTORIENS ARABES RELATIFS AUX CROISADES, J.A. P. 321.

25. COMPTE-RENDU. A CENTURY OF PERSIAN GHAZALS, J.A. P. 305.

26. " ANALYTICAL DIGEST DE W. MORELEY J.A. P. 318.

27. " AS EASY INTRODUCTION TO THE STUDY OF HINDOOSTANI WITH A FULL SYNTAX, BY MONIER WILLIAMS, J.A. P. 301.

28. " A HAND BOOK OF SANSCRIT LITERATURE BY SMALL J.A. P. 294.

29. " A CONCISE GRAMMAR OF HINDOUSTANI LANGUAGE J.A., P. 289.

30. " AKHLAQ-I-MUHSINI BY OUSELEY, J.A. P. 305.

31. " BYTAL PUCHISI TRAD. EN ANGLAIS PAR KALI KISCHAN, JOURNAL DES SAVANTS, PARIS, P. 292.

32. " BHAGWAD-GITA, TRAD. PAR THOMSON, J.A. P. 297

33. " CONSEILS DE NABI EFFENDI A SON FILS, JOURNAL DES DEBATS, P. 287-88.

34. COMPTE-RENDU. A CATALOGUE OF BENGALI WORKS, J.A. P. 298.

35. " CONTROVERSIAL TRACKS ON CHRISTIANITY AND MOHAMMEDANISM BY THE LATE HENRY MARTYN, J.A.P. 327.

36. " DELLA TIPOGRAFIA POLIGLOTTA DI PROPAGANDA J.A.P. 321.

37. " DERBAND-NAMEH DE MIRZA KAZIM BEG, J.A.P. 307.

38. " THE DESCRIPTIVE CATALOGUE OF MANUSCRIPTS BY W. MOREY, J.A. P. 316. .

39. " A DICTIONARY PERSIAN, ARABIC AND ENGLISH : F. JOHNSON, J.A. P. 312.

40. " DESCRIPTION DES MONUMENTS MUSCULMANS DU CABINET DE M. LE DUE DE BLACAS, PAR REINAUD,J.A.P.321.

41. " ELEMENTS DE LA LANGUE TURQUE PAR AMEDEE JAUBERT, J.A. P. 328.

42. " EDITION DU PREM SAGAR J.A. P. 293.

43. " GULDASTA-I-INGLISTAN DE S. ABDOULLAH,REVUE DE L'ORIENT L'ALGERIE ET DES COLONIES, P. 293.

44. " GULISTAN DE SAADI, PER E.B. EASTWICK, J.A.P.303.

45. " GULISTAN DE SAADI PUBLIC PAR SPRENGER.J.A.P.304.

46. " GUIDE DE LA CONVERSATION FRANCIASTURE.PAR A. TIMONI H.A. P. 331.

47. " GRAMMAR OF THE TURKISH LANGUAGE, BY BARKER,J.A.,P330

48. " HISTOIRE DES MONGOLS DE LA PERSE, PAR QUARTREMERE,JOURNAL DES SAVANTS,P311.

49. " HINDI AND HINDOUSTANI SELECTIONS, JOURNAL DES SAVANTS, P.283-285.

50. " HISTOIRE DES ATABECKS DE LA SYRIE ET DE LA PERSE. MORLEY, J.A.,P. 307.

51. COMPTE-RENDU. HISTORICAL ACCOUNT OF CRIMES DE W.B. BARKWE, J.A., P. 301.

52. " HISTOIRE DU DELHI DE SAIYED AHMAD KHAN, J.A.,P. 156.

53. " LOIS DE L'ISLAM, PAR MIRZA KAZIM BEG,J.A.,P.225

54. " MAJUM'ULL LATAIF, JOURNAL DES SAVANTS, P. 293.

55. " EXTRAIT D'UN MEMOIRE DE M. HOLMBOE SUR LES NOMBRES, J.A., 108 ET 18, P. 317.

56. " EXTRAIT D'UN MEMOIRE SUR LE CIVAISME,J.A.,P.318.

57. " MEMORIAL SCIENTIFQUE ET INDUSTRIEL REDIGE EN ARABE PAR MM. GAREIN DE TASSY ET BASBINE, J.A., P. 320.

58. " MILLE ET UNE NUITS, PAR M. TREBUTIEN, J.A., P. 315.

59. " MUNTAKHABAT-I-HINDI OR SELECTIONS IN HINDOUSTANI, BY JOHN SHAKESPEAR,JOURNAL DES SAVANTS P. 285.

60. " MUZIH-I-CORAN, JOURNAL DES SAVANTS, P. 291.

6L. " CONTES DU CHEIKH EL-MOHDY PUBLIES PAR MARCEL, J.A.,P. 306.

62. " DICTIONNAIRE HINDOUSTANI DE SHAKESPEAR,J.H.P.290.

63. " LE LIVRE DE KALILA ET DIMNA, PUBLIE AN CAIRE, J.A., P. 331.

64. " L'EDITION DE SAKOUTALA, J.A.,P. 297.

65. " UN EXEMPLAIRE DES MEMOIRES DE BABER,J.A.,P.331.

66. " DIVERS OUVRAGES CONCERNANT L'ETUDE DE LA LANGUE AFGHANE, J.A.,P. 300.

67. " DISSERTATION INTITULE ON PRONOMEN RELATIVUM DE HOLMBOE, J.A.,P. 317.

68. COMPTE-RENDU. GRAMMAIRE HINDOUSTANIE, DE M. BALLANTYNE, J.A., P. 290.

69. " GRAMMAIRE TURQUE DE M. DAVIDS, J.A., P. 329.

70. " LES INSTITUTIONES LINGUAE PERSICAE DE VULLERS, J.A.,P. 309.

71. " LA LANGUE VEI, J.A., P. 316.

72. " LE NOUVEAN TESTMENT EN ARABE DE N-S.J.C., J.A. P. 306.

73. " OBSERVATIONS SUR L'ARTICLE DE M.H. DE CHARENCEY : DE LA CLASSIFICATION DES LANGUES ET DES ECOLES DE LINGUISTIQUE EN ALLEMAGNE, REVUE ORIENTAL ET AMERICAINE, P. 299.

74. " ORIENTAL MYSTICISM, A TREATISE ON THE SUFFISITIC AND UNITARIAN THEOSOPHY OF THE PERSIAN COMPILED FROM NATIVE SOURCES, BY PALMER, J.A., P. 324

75. " PROPOSAL FOR A MISSIONARY ALPHABETIC CONFERENCE HELD AT THE RESIDENCE OF CHEVALIER BUNSEN IN JANUARY 1854, BY MAX MULLER, REVUE DE L'ORIENT, P. 288.

76. " PERSIAN CHESS DE N. BLAND, J.A., P. 308.

77. " PRAKRITA PRAKASA, PUBLIE PAR E.B. COWELL,P.298.

78. " QANOON-I-ISLAM, OR THE CUSTOMS OF THE MUSULMANS OF INDIA, JOURNALS DES SAVANTS, P. 291.

79. " REMARQUES SUR L'STAT DE L'INSTRUCTION PUBLIQUE A LUCKNAU, REVUE DE L'ORIENT DE L'ALGERIE ET DES COLONIES, P. 302.

80. " L'ISLAM ET SON FONDATEUR, PAR J.C. SCHOLL, J.A., P. 324.

81. COMPTE-RENDU. SUGGESTION ON THE ASSISTANCE OF OFFICERS IN LEARNING THE LANGUAGE OF THE SEAT OF WAR IN THE EAST BY MAX MULLER, REVUE DE L'ORIENT, P. 289.

82. " SALMAN O ABSAL, PUBLIE PAR F. FALCONER, J.A., P. 310.

83. " UNE SOCIETE ANGLAISE, J.A., P. 334.

84. " SEANCES DE HARIRI, TRAD. PAR T. PRESTON, J.A. P. 175.

85. " SPECIMEN DE LA TRADUCTION LITTERALE PERSANE ET D'UN COMMENTAIRE DES SEANCES DE HARIRI PAR MOHD. SCHAM AD-DIN, J.A., P. 308.

86. " SUPPLEMENT A LA NOTICE SUR IBNE-KHALDOUN PAR HANNER, J.A., P. 329.

87. " UN OUVRAGE DE M. HOLMBE, J.A., P. 317.

88. " TRADUCTION DES MILLE ET UNE NUITS, J.A., P. 315.

89. " TROIS OUVRAGES DU REV. CHARLED FOSTER, J.A., P. 332.

90. " VOYAGE DANS L'INDE, DU MUNCHI AMIN CHAND, REVUE DE L'ORIENT, P. 288-289.

91. " VIKRAMORVASI, AN INDIAN DRAMA, TRANSLATED IN ENGLISH, J.A., P. 294.

92. " COUP D'OCIL SUR LA LITTERATURE ORIENTALE, PAGES, J.A. P. 196.

93. " CONTES EXTRAITA DE L'ANWAR SOHAILI, PUBLISHED IN THE BOOK "EXPOSITION DE LA FOIS MUSULMANE P. 185.

94. DESCRIPTION DES MONUMENTS DE DELHI, BOOK P. 154.

95. DICTIONNAIRE HINDOSTANI-FRANCAIS ET FRANCAIS-HINDOUSTANI PAR GARCIN DE TASSY ET DELONCLE, P. 119.

96. DICCOURST DE GARCIN DE TASSY A LA SOCIETE D'ETHNOGRAPHIE, BULLETIN P. 197.

97. DISCOURS A LA SOCIETE ASIATIQUE, J.A., P. 197.

98. DIWANI-I-WALI, RECUIEL DE WALI, P. 73.

99. LA DOCTRINE ET LES DEVOIRS DE LA RELIGION MUSULMANE, P. 200.

LOO. EPISODE DE LA VIE DE SAN'AN, REVUE DE L'ORIENT P. 176.

101..EXPOSITION DE LE FOI MUSULAMANS,TRAD, DU TURC, BOOK P.214.

102. LES FEMMES POETES DANS L'INDE REVUE DE L'ORIENT,P. 72.

103. GRAMMAIRE PERSANE DE SIR WILLIAM JONES, FRENCH BOOK 1845, P. 193

104. GUL-O-SANAUBAR, REVUE ORIENTALE ET AMERICAIRE, P. 152.

105. HISTOIRE DE LA LITTERATURE HINDOUIE ET HINDOUSTANIE,FRENCH BOOK PARIS, IST ED. 1839 AND 1847, 2 ED. 1870-71.P. 75.

106. HINDI HINDOUI MUNTAKHBAT, CHREATOMATHIE A L'USAGE DES ELEVES L'ECOLE DES LANGUES ORIENTALES, BOOK 1849 P. 118.

107. HIR ET RANJHA, REVUE DE L'ORIENT P. 166.

108. L'INEXORABLE COURTISANE ET LES TALISMANS, REVUE ORIENTALE ET AMERICAINE, P. 168.

109. L'ISLAMISME D'APRES LE CORAN,1674 P. 204.

110. LA LANGUE ET LA LITTERATURE HINDOUSTANIES DE 1850 A 1877, BOOK, P. 113.

111. LA LEGENDE DE SAKOUNTALA, REVUE ORIENTALE, P. 170.

112. LETRE A J. MOHL AU SUJET D'UN ARTICLE SUR LA NOUVELLE EDITION DE LA GRAMMAIRE DE W. JONES, J.A.P. 194.

113. LETTRE DE MIR JAFAR ALI, NABAB DE SURATE, REVUE DE L'ORIENT DE L'ALGERIE ET DES COLONIES, P. 199.

114. LIVRE DE VOYAGE OU ITINERAIRE DE DELHI A LONDRESS, PAR KASIM BEG: REVUE DE L'ORIENT DE L'ALGERIE ET DES COLONIES, P. 164.

115. MANTIC-UTTAIR, OU LE LANGUGE DES OISEAUX, REVUE CONTEMPORAIRE, P. 177.

116. MANUEL DE L'AUDITEUR DU COURS HINDOUSTANI, BOOK,P.129.

117. MARCIYA ON ELEGIE DE MISKIN, BOOK, P. 138.

118. MEMOIRE SUR LES NOMS PROPRES ET LES TITRES MUSULMANS, J.A., P. 219.

119. MEMOIRE SUR QUELQUES PARTICULARITES DE LA RELIGION MUSALMANE DANS L'INDE, J.A.,P. 206.

120. MEMOIRE SUR LE SYSTEME METRIQUE DES ARABES. ADAPTE A LA LANGUE HINDOUSTANI, J.A.,P. 125.

121. NOTICE DES BIOGRAPHIES ORIGINALES DES AUTEURS HINDUSTANIE, JOURNAL ACADEMIC DES INSCRIPTIONS ET BELLES LETTRES, PAGE. 115.

122. NOTICE SUR LES FETES POPULAIRES DES HINDOUS, J.A.P. 198.

123. NOTICE NECROLOGIGUE D'AMEDEE JAUBERT, JOURNAL ACADEMIC DES INSCRIPTION ET BELLES LETTRE P. 335.

124. NOTICE NECROLOGIQUE DE GEORGES VARSY, REVUE ORIENTALE. P. 336.

125. " " DE J.J. MARCEL, REVUE DE L'ORIENT P. 337.

126. " " DE SERVAN DE SUGNY, REVUE DE L'ORIENT, P. 337.

127. " " DE H.H. WILSON, REVUE ORIENTALE ET AMEROCAINE, P. 337.

128. " " DE FERRAO DE CASTELBRANCE J.A.P.335.

129. NOTICE SUR SAADI AUTEUR DES PREMIERES POESIES HINDOUSTANIES, J.A. P. 69.

130. NOTICE DU TRAITE PERSAN DE HOSAIN WAIZ SUR LES VERTUE, J.A.,P. 185.

131. NOTICE SUR LES VETEMENTS AVEC DES INSCRIPTIONS ARABES, J.A.,P. 221.

132. OBSERVATIONS A LA SUITE D'UNE LETTRE DU M.N. BLAND SUR MAS'OUD, J.A.,P. 71.

133. LES OEURVES DE WALI TRADUITES DE L'HINDOUSTANI, FRENCH BOOK PARIS 1834, P. 136.

134. ORIGINE ET DIFFUSION DE L'HINDOUSTANI APPLE LANGUE GENERALE OU NATIONALE DE L'INDE, MEMOIRES DE L'ACADEMIC DECAEN, 1871, P, 67.

135. LES OISESUX ET LES FLEURS, ALLEGORIES MORALES, FRENCH BOOK 821, P. 171.

136. LA PEND-NAMEH DE SAADI PART OF THE BOOK "EXOPOSITION DE LA FOI MUSULMANE " P. 184.

137. LA POESIE PHILOSOPHIQUE AU RELIGIEUSE CHEZ LES PERSANS, P. 177.

138. PROCLAMATION AU SUJET DES PORTES DE SOMNATH, TEXTE HINDI ET SA TRADUCTION PAR GARCIN DE TASSEY, J.A.P. 122.

139. PROSODIE DES LANGUES DE L'ORIENT MUSULMANE, J.A.,P.122.

140. QULQUES LINQUES SUR LES FRUITS ET LES FLEURS D L'HINDOUSTAIEN, J.A. P. 142.

141. QUELQUES LIGNES SUR LES SCIENCES DES INDIENS,EXTRAITS DU L' ARAICH-I-MAHFIL DE MIR SCHAER ALI AFSOS, J.A.,P. 141.

142. RELATION DE LA BATAILLE DE VERNA DE SAAD-EDDIN, J.A.,P.188.

143. DESCRIPTION DE LA VILLE DE CONSTANTINOPLE DE SAAD-EDDIN J.A., P. 188.

144. RELATION DE LA PRISE DE CONSTANTINOPLE PAR MAHOMET II, J.A., P. 190.

145. RELATION DE LA PRISE D'ABYDOS PAR SAAD-EDDIN, J.A..P.191.

146. REPONSE AUX OBSERVATIONS DE T. HAMMER SUR LE BERKEVI, J.A., P. 219.

147. RHETORIQUE ET PROSODIE DES LANGUES DE L'ORIENT MUSULUMAN A L'USAGE DES ELEVES DE L'ECOLE SPECIALE DES LANGUES ORIENTALES VIVANTES, J.A. FRENCH BOOK PARIS P. 130.

148. RUBAYAT D'OMER KHAIYAM, J.A. BOOK IN FRENCH P. 182.

149. RUDIMENTS DE LA LANGUE HINDOUSTANIE, BOOK IN FRENCH P. 127.

150. RUDIMENTS DE LA LANGUE HINDOUI, FRENCH BOOK P. 128.

151. SEANCE DE MARAGHAH, TRADUIT DE L'ARABE, DE HARIRI,J.A.P.175.

152. SEANCE DE HARIRI-LA PIECE D'OR, J.A. P. 176.

153. SEANCE DE HARIRI-LA CARAVANE, J.A. P. 176.

154. SPECIMEN D'UNE COLLECTION DE LETTRES HINDOUSTANIES ORIGINALES, FRENCH BOOK P. 128.

155. TABLEAU DU KALI-YUG OU DE L'AGE DE FER, TRAD. DE L' HINDOUI, J.A., P. 171.

CATALOGUE

DES

LIVRES ORIENTAUX

ET AUTRES

COMPOSANT LA BIBLIOTHÈQUE DE FEU

M. GARCIN DE TASSY

Membre de l'Institut, Président de la Société asiatique,
Professeur à l'École des Langues orientales
Membre correspondant des Instituts et Académies de Saint-Pétersbourg
Berlin, Vienne, Florence, Lyon, etc.
[illegible]

CATALOGUE DES MANUSCRITS

HINDOUSTANIS, PERSANS, ARABES, ETC.

Rédigé par M. F. DELONCLE

[illegible]

DONT LA VENTE AURA LIEU [illegible]
Rue des Bons-Enfants, 28 (maison Silvestre)

[illegible]

Par le ministère de M. [illegible] DELESTRE [illegible]
Successeur de M. [illegible]
Rue Drouot, [illegible]

PARIS

ADOLPHE LABITTE

LIBRAIRE DE LA BIBLIOTHÈQUE NATIONALE

سرورق فہرست کتب خانہ دتاسی

ضمیمہ ۲

فہرست کتب خانہ دتاسی

گارسیں دتاسی کے شاگرد رشید فرانسوا دلونکل نے اس کے کتب خانہ کی تفصیلی فہرست

Catalogue general des livre orientaux et autres composant la bibliotheque de feu Garcin de Tassy, A. Labitte, Paris 1879.

جاں فشانی سے تیار کی۔ اس کتاب کی ضخامت معہ ملحقات ۲۸۰ صفحات میں ہے جس کی ابتدا میں گارسیں دتاسی پر مستشرقین کی آراء کو بعینہٖ دوبارہ پیش کر دیا گیا ہے۔ جن میں ایک موسیو لابولے صدر اکیڈیمی دے زلسکرپسیوں اے بیل لیتر کی وہ تقریر ہے جو انھوں نے ایک جلسہ میں ۱۰ ستمبر ۱۸۷۸ء کو کی تھی اور دوسری بار تیلمی سین ایلیر کا مضمون ہے جو ژورنال دے ساواں مئی ۱۸۷۵ء میں شائع ہوا۔

اس فہرست میں کتابوں کی تعداد ۲۹۷۵ ہے جس میں ہندوستانی، سنسکرت، عربی، فارسی اور ترکی کے قلمی و مطبوعہ نسخے شامل ہیں۔ فہرست کتب خانہ دتاسی کے شروع میں گارسیں دتاسی کی آخری عمر کی تصویر بھی چھپی ہے۔ وصیت کے مطابق اس کا کتب خانہ پیرس میں نیلام کیا گیا۔ جیسا کہ اس کے بھائی جوزف تھیوفیل کے بیان سے ظاہر ہوتا ہے جو فہرست کتب خانہ پیرس کی ابتدا میں مندرج ہے۔

"میرے عزیز و محترم بھائی نے اپنی وصیت میں اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ ان کا کتب خانہ فروخت کیا جائے۔ تاکہ ان کے صاحب ذوق شاگردوں اور بامذاق دوستوں کو اس سے فائدہ اٹھانے اور نادر نسخوں کو اپنے پاس رکھنے کا موقع مل سکے۔ اس خواہش کی تعمیل میں میرے بیٹے اور میں نے کتب خانہ کی فہرست چھپوادی ہے تاکہ شائقین دیکھ سکیں۔ اور مرحوم بھائی کی

وصیت خاطر خواہ طریقہ پر انجام پائے"۔

فہرست کتب خانہ د تاسی مختلف عنوانات کے تحت منقسم ہے:
دین عیسائیت۔ مذاہب قدیمہ۔ دین اسلام۔ مذاہب فارس۔ مذاہب ہند، یورپین اور مشرقی علم فقہ۔ جنرل سائنس۔ فلسفہ۔ علم الانسان۔ طب اور نیچرل سائنس۔ ریاضیات۔ فنون لطیفہ۔ لسانیات۔ تاریخ۔ فن تعمیر۔ علم مسکوکات۔ علم کتبات۔ تاریخ ادبیات۔ رسائل۔ فہرست۔ کتب خانہ جات۔ متفرق انسائیکلوپیڈیا اور آخر میں ہندوستانی، سنسکرت۔ عربی۔ فارسی اور ترکی قلمی نسخوں کی تفصیلی فہرست۔ جس میں ۱۳۶ ہندوستانی و سنسکرت قلمی نسخے ۳۲ فارسی کے ۱۶ عربی کے اور ۵ ترکی کے۔ اس کے علاوہ مشرقی قلمی نسخوں کے نامکمل حصے ہیں جن میں ہندوستان۔ مصر اور قدیم روم کے آرٹ اور ڈرائنگ کے متعلق اور کچھ ٹکٹوں کے سیٹ ہیں۔

کتب خانہ کا نیلام ۱۷ مارچ ۱۸۷۹ء کو شروع ہوا۔ اوقات دو سے چار مقرر ہوئے۔ پہلے روز سنسکرت کے قلمی و مطبوعہ نسخے۔ جغرافیہ اور سیاحت سے متعلق کتابیں۔ دوسرے دن فارسی اور تاریخ سے متعلق کتابیں۔ اسی طرح یہ فروخت کا سلسلہ پندرہ روز چلا۔

کتب خانہ کی فہرست مندرجہ ذیل ہے جس میں قاضی عبدالودود صاحب کے مضمون سے استفادہ کیا گیا ہے جو بڑی حد تک مطابق اصل ہے البتہ کچھ غیر ضروری کتابیں حذف کر دی ہیں۔

عیسائیت:

(۱۷) عہدنامۂ جدید و قدیم اردو لندن ۱۸۶۰ء (۱۸) عہدنامۂ قدیم ترجمۂ ہندوستانی از عبرانی، سیرامپور ۱۸۲۹ء (۱۹) بائبل ہندوستانی، لندن ۱۸۷۶ء (۲۰) "لحن داؤدی" ہندوستانی زبان میں ترجمہ بنز شولز ہال ۱۷۴۷ء (۴۰) عہدنامۂ جدید فارسی از ہنری مارٹین، لندن ۱۸۳۷ء (۴۱) ایضاً ترجمہ ہندوستانی از یونانی، سیرامپور ۱۸۱۱ء (۴۲) ایضاً ہندوستانی از ہنری مارٹین سیرامپور ۱۸۱۴ء (۴۴) عہدنامۂ جدید ترجمۂ ہندوستانی از یونانی از ہنری مارٹین، لندن (۴۶) عہدنامۂ جدید ہندوستانی، کلکتہ ۱۸۳۹ء (۵۸) اناجیل اردو ۱۸۶۵ء

(۵۹) انجیل لوقس، ہندوستانی، مترجمہ شولز ہالنرا ۱۷۴۹ء (۷۳) "اسکریچر۔ ان اور ٹیکسٹس اور امبلمس" از جون لونگ، کلکتہ ۱۸۷۱ء۔ اس میں بائبل کے مقولے اور ان کے ساتھ فارسی اردو بنگلہ وغیرہ کی مماثل مثلیں۔ (۲۳۷) "ریویو اوف کرسچین لٹریچر ان انڈیا ڈیورنگ ۱۸۷۰ء بائی جے۔ مرڈک۔ مدراس ۱۸۷۱ء۔ پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کی آٹھویں روداد۔ ۱۸۷۵ء "دی انڈین کرسچین انٹلی جنسر" (۳۳۹) "اے نیو چرچ فور دی نیوز اوف انڈیا" لاہور ۱۸۷۷ء ان دلیسی کتابوں کی فہرست جو پنجاب ریلیجس بک سوسائٹی کے پاس لاہور میں ہیں۔

مذہب اقوام مشرق:

(۳۸۴) قرآن مع تفسیر حسینی و عباسی و ترجمہ عبدالقادر۔ کلکتہ ایشیاٹک لیتھو گرافک پریس (۳۸۵) "موضح قرآن" ہگلی ۱۸۲۹ء (۳۸۶) "نجوم الفرقان" بمبئی ۱۸۰۸ء۔ "قرآن: مولوی عبدالقادر کا ترجمہ" ۱۸۴۴ء (۳۸۹) ترجمہ قرآن معہ تفسیر از سواری اس کے آغاز میں لالیجنڈ دماحوما، مترجمہ دتاسی از عربی ۱۸۲۹ء۔ مذہب اسلام کے عقاید اور فرائض جو قرآن مجید سے ماخوذ ہیں۔ مترجمہ دتاسی از عربی ۱۸۴۰ء (۳۹۱) قرآن کا ایک نامعلوم باب۔ مترجمہ و شائع کردہ: دتاسی ۱۸۴۲ء ملاحظات مرزا الیگزینڈر کاظم بیگ بریک باب نامعلوم قرآن، پیرس ۱۸۴۴ء۔ سعدی پہلا ہندوستانی شاعر از دتاسی ۱۸۴۳ء اس کے متعلق نیو بولڈ کا مکتوب بنام دتاسی۔ ۱۸۴۳ء کرشنا کا قصہ ایک ہندوستانی نظم کا ٹکڑا۔ مترجمہ دتاسی (۳۹۳) مذہب اسلام کا بیان ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا مع حواشی۔ اصل کتاب کا مصنف محمد بن پیر علی البرکوی۔ اس کے بعد سیدنامۂ سعدی (فارسی) کا ترجمہ از دتاسی اور قصیدہ بردہ (عربی) کا ترجمہ از دتاسی۔ ۱۸۲۲ء۔ ادبیات مشرق پر ایک نظر از دتاسی۔ بہ بتاریخ ۱ مارچ ۱۸۲۲ء سرکل دے زار بیں پڑھا گیا۔ (۴۱۱) قرآن کے مطابق مذہب اسلام، از دتاسی ۱۸۷۴ء (۴۱۷) قرآن کے مطابق مذہب اسلام کی خصوصیات پر ایک یادداشت از دتاسی ۱۸۳۱ء۔ (۴۱۸) ایضاً ۱۸۶۹ء۔

اصولِ قانون :

(۴۷۸) عنایہ شرح ہدایہ از اکمل الدین کلکتہ ۱۸۳۰ء سے ۱۸۳۱ء (۴۷۹) شرایعہ محمدی اور ہندوستان کے مسلمانوں کے رسم ورواج۔ از ایف۔ ای ایس۔ پونڈیچری ۱۸۳۴ء (۴۸۰) شرح خلاصہ کتاب قاضی سرمد کشف الخلع نظم اردو کلکتہ (۴۸۱) اصول قوانین اقوام مصنفہ بوترو مترجمہ رام کشن (۴۸۵) پینل کوڈ کا اردو ترجمہ از جی۔ ایف۔ ایڈمونس تو باعانت وزیر شمان آگرہ ۱۸۵۰ء۔

علوم :

(۵۵۱) جامع النفائس" تاریخ طبیعی اردو آگرہ ۱۸۶۰ء (۵۶۵) تصانیف ابی سینا عربی دوم ۱۵۹۳ء (۵۶۸) " اے ووکیبلری اوف دی نیمس آف دی ویریس پارٹس آف دی ہیومن بوڈی اوف میڈیکل اینڈ ٹکنیکل ٹرمس ان انگلش، اربک، پرشین، ہندی اینڈ سنسکرت۔" طبع ثانی از پیٹر بریتوں کلکتہ ۱۸۲۷ء (۵۷۳) لندن فارما کوپیا ۱۸۲۴ء ہندوستانی میں بخط فارسی (۵۷۸) " میٹریا میڈیکا اوف ہندوستان" مدراس ۱۸۱۳ء (۵۸۷) مبادی اقلیدس، اردو آگرہ ۱۸۵۶ء (۵۸۸) کتاب ریاضی۔ تفضل حسین خاں کلکتہ ۱۸۱۹ء (۵۸۹) " خزانۃ العلم" ریاضی از دیوان کنہ جی ساکن پٹنہ، کلکتہ ۱۸۳۷ء (۵۹۱) اصول جبر و مقابلہ، اردو مدراس ۱۸۵۵ء (۵۹۳) رسالۂ اقلیدس، ہندوستانی الٰہ آباد ۱۸۵۰ء (۵۹۴) " مصباح المساحت" اقلیدس، اردو الٰہ آباد ۱۸۵۹ء۔

فنونِ لطیفہ

(۶۲۷) " دی ہندوستانی کورل بک اور سوار سنگرہ : کنٹیننگ دی ٹیونس، ٹوورڈز ہمز ان دی گریٹ سنگرہ وچ آران میٹو میٹرس" از جون پارسن، بنارس ۱۸۶۱ء (۶۳۲) " اے فیو لرکس اوف اون میریڈیٹھ سٹ ٹو ہندو میوزک" از سرندر موہن ٹیگور کلکتہ ۱۸۴۴ء۔

قواعد زبان وغیرہ

(۶۶۲) "دی اپلی کیشن اوف دی رومن الیفبٹ ٹو اول دی اورینٹل لینگویجز" مقالات از ٹریولین وجے پرنسپ وٹٹلرو اے۔ ڈف وایچ۔ ٹی پرنسپ، سیرامپور ۱۸۳۴ء۔

مشرقی زبانیں

(۹۶۷) "ایشیاٹک ریسرچز" از ۱۸۰۶ء تا ۱۸۳۶ء، لندن و کلکتہ (۹۷۲) دی میڈراس جرنل اوف لٹریچر اینڈ سائنس" (۹۷۴) ٹرینزیکشنز اوف دی لٹریری سوسائٹی اوف میڈراس" (۹۷۸) "دی میرٹ یونیورسل میگزین" آگرہ (۹۷۹) "جرنل اوف دی امریکن اورینٹل سوسائٹی" بوسٹن (۹۸۰) ریویو اورینتال اے دللجیری، پیرس (۹۸۱) ریویو اورینتال اے امریکن پیرس (۹۸۴) "وقائع مصریہ" ترکی و عربی، قاہرہ کا مجلہ (۹۸۵) ہندوستانی اور انگریزی اخبار" ایلینس انڈین میل" لندن" پنجابی" لاہور" علی گڑھ انسٹی ٹیوٹ گزٹ" "بہار سائنٹفک سوسائٹی" مظفرپور" اخبار انجمن پنجاب" وغیرہ (۹۹۰) الیسنرابائی دی اسٹوڈنٹ اوف دی کولج اوف فورٹ ولیم ان بنگال" کلکتہ ۱۸۰۲ء (۹۹۹) "لکچر کارڈ اوف دی لنڈن اورینٹل انسٹی ٹیوشن" از سینڈفرڈ آرنٹ لندن ۱۸۲۷ء (۱۰۰۳) محاورہ امیر جملے انگریزی ہندوستانی وغیرہ میں از دوسالہائی گوراجی۔ بمبئی ۱۸۴۲ء (۱۰۱۴) مشرقی مسلمانوں کی زبانوں میں صرف و نحو از ذناسی ۱۸۷۳ء (۱۰۲۰) رومی رسم خط اور ہندوستانی زبانیں اس موضوع پر مقالے پہلے کلکتہ میں (۱۸۳۴ء و ۱۸۳۶ء) شائع ہوئے بعد کو لندن میں چھپے ۱۸۵۸ء (۱۰۳۷) منتخبات مشرقیہ جلد ا ۱۸۴۱ء عربی، فارسی، ترکی، ہندوستانی وغیرہ ۱۰۳۸ سلسلۂ ببلیوتیکا انڈیکا کی کتابیں۔

سنسکرت پالی

(۱۱۱۴) "پندنامۂ آذر باد مار اسپند" بمبئی ۱۸۶۹ء۔

ہندوستانی

اردو ہندی دراوڑی ۔ زبانیں جدید بولیاں (۱۱۴۵) قواعد ہندوستانی از شولز ۱۷۴۵ء ۔

(۱۱۴۷) ہندوستانی قواعد، دوم ۱۷۷۸ء (۱۱۴۸) قواعد ہندوستانی حصہ ۳ جلد ا یا ''اے سسٹم اوف ہندوستانی فائی لولوجی'' از گل کرائسٹ کلکتہ ۱۷۹۶ء (۱۱۴۹) ''اے کمپنڈیس گرام اوف دی کرنٹ اسکرٹ ڈیا لکٹ اوف دی جارگن آف ہندوستان'' مع لفظ نامہ جورج ہیڈلے لندن ۱۸۰۹ء (۱۱۵۰) قواعد ہندوستانی از شکیپیر لندن ۱۸۱۸ء (۱۱۵۱) گل کرائسٹ کا اردو رسالہ کلکتہ ۱۸۲۰ء (۱۱۵۲) اسٹرینجر کی ایسٹ انڈیا کی ہندوستانی جو لشکری اور عوامی زبان ہے از گل کرائسٹ لندن ۱۸۲۰ء (۱۱۵۳) تحفۂ الفنسٹن یا قواعد ہندوستانی از محمد ابراہیم مکبا ۔ وی. کینیڈی نے اس کتاب پر نظر ثانی کی ہے ۔ بمبئی ۱۸۲۳ء (۱۱۵۴) قواعد ہندوستانی و فارسی و عربی از ولیم پرائس لندن ۱۸۲۳ء '' اے نیو گرام اوف دی ہندوستانی لینگویج '' از ایضاً لندن ۱۸۲۸ء (۱۱۵۵) ہندوستانی زبان کے مبادیات از دتاسی ۱۸۲۹ء ضمیمہ ایضاً از دتاسی ۱۸۳۳ء (۱۱۵۶) قواعد ہندوستانی از ولیم ایڈریو، لندن ۱۸۳۰ء ۔ (۱۱۵۸) رسم الخط اور رابطہ کی زبان لاسوں ۔ بون ۱۸۳۷ء (۱۱۵۹) قواعد ہندوستانی از جمیس ار بلینٹائن لندن ۱۸۳۸ء (۱۱۶۰) قواعد ہندوستانی از شکیپیر لندن ۱۸۴۳ء (۱۱۶۱) قواعد ہندوستانی از سینڈفرڈ آرنٹ مع حواشی و لفظ نامہ از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۴۴ء (۱۱۶۲) مقدمۂ زبان ہندوستانی مشتمل بر قواعد و لفظ نامۂ انگریزی و ہندوستانی از شکیپیر لندن ۱۸۴۵ء (۱۱۶۳) قواعد ہندوستانی از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۴۶ء (۱۱۶۴) قواعد ہندستانی از شکیپیر لندن ۱۸۴۶ء (۱۱۶۵) زبان ہندوی کے مبادیات از دتاسی ۱۸۴۷ء (۱۱۶۶) قواعد اردو از ایس سلاتز کلکتہ ۱۸۴۹ء (۱۱۶۷) قواعد ہندوستانی از دومیں از کریم الدین آگرہ ۱۸۵۲ء (۱۱۶۹) '' این ایزی انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی اوف ہندوستانی ...... '' از مونیر ولیمز ۱۸۵۸ء (۱۱۷۰) قواعد ہندوستانی از ای. آر. ایسٹوک طبع ثانی از جارج اسمال لندن ۱۸۵۸ء (۱۱۷۲) ۱۱۵۵ مطبوعہ ۱۸۶۵ء ہندوستانی کے مصنفین اور ان کی تخلیقات از دتاسی ۱۸۵۵ء ۔ جانور ہندوستانی اخوان الصفا کے اقتباس کا ترجمہ از دتاسی ۱۸۶۳ء ۔

(۱۱۷۳) قواعد ہندوستانی، مبلغین کے استعمال کے لیے، لندن ۱۸۶۵ء (۱۱۷۴) مبادی ہندی و برج بھاکھا از بیلنٹائن لندن ۱۸۶۸ء (۱۱۷۶) اے کمپریٹو گرامر اوف دی موڈرن ایرین لینگویجز. از جون بیمز. لندن ۱۸۷۲ء (۱۱۷۸) قواعد اردو یا ہندوستانی از جون ڈوسن لندن ۱۸۷۲ء (۱۱۷۹) انگریزی زبان اردو والوں کے لیے از الوڈس ای پریچرڈ، لندن ۱۸۷۳ء۔ (۱۱۸۱) قواعد اردو از راجہ شیو پرشاد، کانپور ۱۸۷۵ء (۱۱۷۴) دی اورینٹل لنگوسٹ، این ایزی اینڈ فیملیر انٹروڈکشن ٹو دی پوپولر لینگویج آف ہندوستان" قواعد مع لفظ نامہ، کلکتہ ۱۷۹۸ء (۱۱۸۵) " دی ہندی اسٹوری ٹلر" رومی فارسی اور دیوناگری رسم الخط کلکتہ ۱۸۰۲ء (۱۱۸۶) " دی ہندی مینول اور کاسکٹ اوف انڈیا" زیر اہتمام گل کرائسٹ کلکتہ ۱۸۰۲ء (۱۱۸۷) " دی ہندی مورل پریسپٹر اینڈ پرشین اسکولرس شورٹسٹ روڈ ٹو دی ہندوستانی لینگویج اینڈ ویسے ورسا" باہتمام گل کرائسٹ کلکتہ ۱۸۰۳ء (۱۱۸۸) دی برٹش انڈین مونیٹر اور دی اینٹی جارگنسٹ" اسٹرینجرس گائڈ اور ینٹل لینگولسٹ" از مصنف ہندوستانی فائی لولوجی" اڈنبرا ۱۸۰۶ء۔ (۱۱۸۹) این انٹروڈکشن ٹو دی اسٹڈی اوف ہندوستانی... ایز اسپوکن ان دی کارناٹک ۱۸۰۸ء (۱۱۹۰) انگریزی ہندوستانی مکالمہ از گل کرائسٹ اڈنبرا ۱۸۰۹ء۔ (۱۱۹۲) ڈیالوگس انگلش اینڈ ہندوستانی فور السٹریٹنگ دی گریمٹکل پرنسپلز اوف دی اسٹرینجرس ایسٹ انڈین گائڈ" از ایضاً لندن ۱۸۲۰ء (۱۱۹۳) دی ہندی مورل پری سپٹر اور ریڈوڈی منٹل پرنسپلز اوف پرشین گرامر ایز دی ہندوستانی اسکولرس شورٹسٹ روڈ ٹو دی پرشین لینگویج اور ویسے ورسا" از گل کرائسٹ، لندن ۱۸۲۱ء (۱۱۹۴) "دی ہندوستانی انٹرپریٹر" مشتمل بر مبادی قواعد ہندوستانی از ولیم کارمائکل اسمتھ، لندن ۱۸۲۴ء" لطائف ہندی اور ہندوستانی جسٹ بک" مرتبہ ایضاً لندن ۱۸۲۱ء" شعلۂ عشق" از میر مرتبہ ایضاً لندن ۱۸۲۰ء (۱۱۹۵) شکنتلا ناٹک "ضمیمہ" دی انگلش اینڈ ہندوستانی ڈیالوگز ان دی یونیورسل کیرکیٹر" از گل کرائسٹ لندن ۱۸۲۶ء (۱۱۹۶) مقدمۂ زبان ہندوستانی از ڈبلیو ییٹس، کلکتہ ۱۸۳۶ء (۱۱۹۸) پوکٹ گائڈ ٹو ہندوستانی کونورسیشن مع قواعد و لفظ نامہ از بیانٹائن، لندن ۱۸۴۱ء (۱۲۰۱) دی ہندوستانی مینول از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۴۵ء (۱۲۰۳)

(۱۲۰۴) "تسہیل الکلام" یا ہندوستانی میڈ ایزی از کپتان ڈبلیو۔ آر۔ ہوبرائڈ ۱۸۷۳ء (۱۲۰۵) ہندوستانی یا ہندوستانی کے ہم معنی الفاظ از جیمس ڈبلیو فرل کلکتہ ۱۸۷۳ء (۱۲۰۶) دی کونورسیشن مینول ان انگلش ہندوستانی اردو قواعد از جون ٹی پلیٹس لندن ۱۸۷۴ء (۱۲۰۷) ہندو رومن رسم الخط از گل کرائسٹ پرشین پشتو" از کپتان جی پلنکٹ لندن ۱۸۷۵ء (۱۲۰۹) "دی لندن ۱۸۲۰ء (۱۲۰۸) دی پلیزنگ انسٹرکٹر" ہندوستانی کلکتہ ۱۸۲۴ء ہندوستانی اینڈ انگلش اسٹوڈنٹس اسسٹنٹ" کلکتہ ۱۸۲۶ء (۱۲۱۰) ہندوستانی کورس جس میں اسٹایل اور گفتگو کی زبان کا بھی لحاظ رکھا گیا ہے مع لفظ نامۂ فرانسیسی ہندوستانی مع حواشی بخط ذناسی (۱۲۱۲) دی رجمنٹل منشی" ہندوستانی از کپتان اڈورڈس لندن ۱۸۴۸ء (۱۲۱۹) کونکن کی زبان سے متعلق کتابیں پرتگیزی زبان میں (۱۲۲۳) انگریزی ہندوستانی لغت، مدراس ۱۷۹۰ء (۱۲۲۴) لغت ہندوستانی و انگریزی از جوزف ٹیلر، ڈبلیو ہنٹر نے اس پر نظر ثانی کی اور اسے مرتب کیا کلکتہ ۱۸۰۸ء (۱۲۲۵) ہندوستانی فائی لولوجی" مشتمل بر لغت انگریزی و ہندوستانی و قواعد از گل کرائسٹ لندن ۱۸۲۵ء۔

(۱۲۲۶) ہندی لغت از ایم۔ اے۔ اڈم کلکتہ ۱۸۲۹ء (۱۲۲۷) " راسینا یا ٹھگوں کی زبان" کلکتہ ۱۸۳۶ء (۱۲۲۸) لغت انگریزی و بنگلہ و ہندوستانی، رومی رسم الخط کلکتہ ۱۸۳۷ء (۱۲۲۹) اردو انگریزی لغت از جے۔ ٹی۔ ٹھامسن ساکن دہلی، سیرامپور ۱۸۳۸ء (۱۲۳۰) سلمنٹ ٹو دی گلومری اوف انڈین ٹرمس از ایچ۔ ایم۔ ایلیٹ آگرہ ۱۸۴۵ء (۱۲۳۱) ہندی و انگریزی لغت از جے ٹی ٹومپسن کلکتہ ۱۸۴۶ء (۱۲۳۲) اے رومینائزڈ ہندوستانی اینڈ انگلش ڈکشنری برائے مدارس از ناتھ براٹس کلکتہ ۱۸۴۷ء (۱۲۳۳) انگریزی ہندوستانی جیبی لغت از کپتان روبرٹ شڈن ڈوبی لندن ۱۸۴۷ء (۱۲۳۴) انگریزی ہندوستانی لغت از ڈبلیو بیٹس کلکتہ۔ لندن ۱۸۴۷ء (۱۲۳۵) منتخبات ہندی اور ہندوستانی ۱۸۴۹ء۔ لفظ نامۂ ہندی و ہندوی۔ فرانسیسی۔ ذناسی کے قلمی حواشی (۱۲۳۶) ہندوستانی انگریزی اور انگریزی ہندوستانی لغت از شیکسپیر ۱۸۴۹ء (اس کے ساتھ شیکسپیر کا خط اور حواشی ذناسی) (۱۲۳۷) لفظ نامۂ ہندوستانی فرانسیسی برائے متن قصۂ

کامروپ مرتبہ دتاسی از لابے برتراں ۱۸۵۵ء (۱۲۳۸) انگریزی ہندوستانی لغت مشتمل بر مصطلحات قانون و تجارت از جے۔ ڈبلیو۔ فیلن کلکتہ ۱۸۵۸ء (۱۲۳۹) ہندوستانی و انگریزی اصطلاحات کا خزینہ از کپتان جی۔ ایچ۔ راورٹی ہر ٹفرڈ ۱۸۵۹ء (۱۲۴۰) اردو انگریزی لفظ نامہ برائے مبتدیان، بنارس ۱۸۶۰ء (۱۲۴۱) گلوسری ہندوستانی اینڈ انگلش ٹو دی نیو لسٹامنٹ اینڈ سامس" از گوٹن مانٹھ لندن ۱۸۶۱ء (۱۲۴۲) اے ٹرائی لنگول ڈکشنری" انگریزی، اردو، ہندی، رومی رسم الخط از متھرا پرشاد مسرا، لندن ۱۸۶۵ء (۱۲۴۳) ہندوستانی انگریزی اور انگریزی ہندوستانی لغت طبع دوم از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۶۶ء (۱۲۴۴) اے کمپریٹو ڈکشنری اوف دی لنگوئج اوف انڈیا اینڈ ہائی ایشیا" از ڈبلیو۔ ہنٹر۔ لندن ۱۸۶۸ء (۱۲۴۵) لغت ہندی از ڈی۔ بیٹ۔ لندن ۱۸۷۵ء لغت ہندوستانی فرانسیسی۔ فرانسیسی ہندوستانی جس میں ہندوستان کے تاریخی جغرافیائی اور اساطیری الفاظ کا بھی خیال رکھا گیا ہے۔ مرتبہ فرنسوا دو نکل ۱۸۷۶ء ایک قسط۔ (۱۲۴۷) انگریزی اردو لغت (رومنزائڈ) طبع ہشتم از ایچ بلوک مان کلکتہ ۱۸۷۷ء (۱۲۴۹) دی زلا ڈکشنری ان دی رومن کیریکٹر ایکسپلیننگ دی ویریس ورڈس یوزڈ ان بزنیس ان انڈیا" از فلپ براؤن مدراس ۱۸۵۲ء (۱۲۵۱) تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی از دتاسی دو جلدیں ۱۸۳۹ء (۱۲۵۳) ایضاً تین جلدیں ۱۸۷۰ء دتاسی کے قلمی حواشی (۱۲۵۴) مسلمانوں کے ناموں اور کنیتوں پر یادداشت از دتاسی ۱۸۷۸ء (۱۲۵۵) " منتخبات " اردو دکنی مع حواشی قلمی از دتاسی ۱۸۴۷ء (۱۲۵۶) ہندوستان کی خواتین شعراء از دتاسی ۱۸۵۴ء کل یگ مصنفہ وشنو داس (ہندوی) مترجمہ دتاسی مسعود سعد سلمان فارسی ہندوی شاعر خط نوشتہ این بلاں بنام دتاسی ۱۸۵۳ء۔ راستوں سے متعلق ایک نوٹ ترجمہ دتاسی بلخ تا بخارا اور بخارا تا مشہد از سی دو ۱۸۵۲ء (۱۲۵۷) کونفرنس اون اردو اینڈ ہندی کرسچین لٹریچر ہلڈ ایٹ الہ آباد ۲۴ و ۲۵ فروری، مدراس ۱۸۷۵ء (۱۲۵۸) قدیم و جدید سر برآوردہ ہندو مصنفین کے حالات از ژ ماردان ۱۸۶۰ء (۱۲۵۹) ہندوستانی زبان و ادب اوائل سال میں لیکچر از دتاسی، پیرس ۱۸۵۰ء یا ۱۸۷۶ء چار جلدیں، جلد ثالث میں

۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء کے خطبات دوبارہ چھپے ہوئے ۔ (۱۲۶۰) ہندوستانی زبان کے مصنفین لندن کے سوانحی حالات از دتاسی ۔ اشارات متعلق رباعیات عمر خیام از دتاسی ۱۸۵۷ء ۔ بوستان سعدی کا خلاصہ و اقتباسات از دتاسی ۔ آثار الصنادید سید احمد خاں کا ترجمہ ۱۸۶۱ء (۱۲۶۱) تبصرہ ڈرامائی خود کلامی از دتاسی ۱۸۵۰ء ۔ فیرود کاستل برانکو کی وفات پر دتاسی کی تحریر ۱۸۴۹ء ۔ اشارات متعلق اخلاق محسنی از دتاسی (۱۲۶۲) زبان و ادبیات ہندوستانی از ۱۸۵۰ء تا ۱۸۶۹ء ضمیمہ ۱۸۷۴ء (۱۲۶۳) خطبات افتتاحی از دتاسی ۱۸۵۰ء تا ۱۸۷۷ء (۱۲۶۴) خلاصۂ قصۂ گل بکاولی از دتاسی ۱۸۳۵ء ۔ اعلان لورڈ ایلنبرا متعلق دروازہ معبد سومناتھ، متن ہندوستانی و ترجمہ ۱۸۴۵ء ۔ تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی (۱۲۶۵) اخلاق ہندی از بہادر علی مرتبہ سید عبداللہ لندن ۱۸۶۸ء (۱۲۶۶) ترجمہ عربی و فارسی و ترکی و ہندوستانی از تبدیلات منظوم کہانیاں اور عوامی گیت" دتاسی ۱۸۷۶ء (۱۸۶۷) ترجمہ قصہ کامروپ مصنفہ تحسین الدین از دتاسی ۱۸۳۴ء (۱۲۶۹) ایضاً متن ہندوستانی مرتبہ دتاسی ۱۸۳۵ء (۱۲۰۷) باغ و بہار کا لفظی ترجمہ از ایسٹوک ہرٹفرڈ ۱۸۵۲ء (۱۲۷۱) ترجمہ ایضاً از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۵۷ء (۱۲۷۲) باغ و بہار ، نظم ہندوستانی مسمّٰی بہ باغ و بہار کا فرانسیسی ترجمہ از دتاسی ۱۸۷۶ء (۱۲۷۴) بیتال پچیسی ترجمہ انگریزی از برج بھاشا ترجمہ راجہ کالی کرشن بہادر کلکتہ ۱۸۳۴ء (۱۲۷۷) اے کلکشن اوف مورل پری سپٹس اینڈ رفلکشنز" انگریزی و ہندوستانی لکھنؤ ۱۸۳۳ء (۱۲۷۹) اے کلکشن اوف پلیز نیٹریز....." انگریزی اور فارسی سے اردو میں ترجمہ از راجہ کالی کرشن کلکتہ ۱۸۳۵ء ۔ (۱۲۸۰) ترجمہ نظم میر از دتاسی بنام تنبیہ الجہال ۱۸۲۶ء ۔ محمد ثانی کی فتح قسطنطنیہ کا بیان ، ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا ۱۸۲۶ء سائنٹفک اور صنعتی رسالہ عربی شائع کردہ دتاسی (۱۲۸۱) اصول عشق یا تاج الملوک و بکاولی ترجمہ کتاب نہال چند از دتاسی ۱۸۵۸ء قصہ کامروپ متن ہندوستانی (روسخط) بموجب متن دتاسی از لابے برتراں ۱۸۵۹ء (۱۲۸۳) کے، کے فیلز کا اردو ترجمہ از راجہ کالی کرشن بہادر کلکتہ ۱۸۳۶ء (۱۲۸۴) گل بکاولی اردو سے انگریزی نظم و نثر میں ترجمہ از ٹی. فلپ مینول کلکتہ ۱۸۵۹ء (۱۲۸۵) قصہ گرو پرامرتا ، ظریفانہ حکایت ، مترجم لابے دیوبوا ۱۸۷۷ء (۱۲۸۶) حیدری کی گل مغفرت کا ترجمہ از لابے دیوبوا ، آخر میں مرثیۂ مسکیں کا ترجمہ از دتاسی ۱۸۴۵ء (۱۲۸۷) ہندی اینڈ ہندوستانی سلکشنز

مع مبادی قواعد ہندوستانی دو جلدیں کلکتہ ۱۸۲۷ء (۱۲۸۸) ۱۲۰۷ کی قدیم نثر اشاعت ۱۸۰۴ء کلکتہ (۱۲۸۹) اکرام علی کی ہندوستانی اخوان الصفا کا ترجمہ از جان پلاٹس لندن ۱۸۵۹ء (۱۲۹۰) اسی کا دوسرا ترجمہ از فلپ مینول کلکتہ ۱۸۶۰ء (۱۲۹۱) ترجمہ اردو "خرد افروز" از تومس مبیول کلکتہ ۱۸۶۱ء (۱۲۹۲) اور ینٹل پن مین شپ "متعلق خط" "تعلیق" از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۴۹ء (۱۲۹۳) ترجمہ ہندوستانی "اخوان الصفا" از جان ڈاؤسن لندن ۱۸۶۹ء (۱۲۹۴) منتخبات ہندی یا سلکشنز ان ہندوستانی مع ترجمہ برائے طلبہ از جون شیکسپیر لندن ۱۸۱۷ء دو جلدیں (۱۲۹۵) ایضاً لندن ۱۸۲۴ء (۱۲۹۶) دی پرشین اینڈ اردو لٹریری "مع ترجمہ وغیرہ مرتبہ و مترجمہ کپتان لی ٹ ایچ۔ جی۔ بیسنٹ کلکتہ ۱۸۴۳ء (۱۳۰۰) قصہ سکنتلا مطابق ہندوی از ذناسی ۱۸۵۲ء۔ ہندوستان کے عوامی گیت مترجمہ ذناسی۔ خط نواب میر جعفر علی خاں بنام ذناسی ۱۸۵۵ء اس کے ساتھ عکس خط۔ فلسفیانہ اور مذہبی نظمیں منطق الطیر ۱۸۵۶ء (۱۳۰۲) ترجمہ اردو چہار درویش از لیوس ایف اسمتھ کلکتہ (۱۳۰۳) توتا کہانی ترجمہ حیدری کا ترجمہ از ڈنکن فوربس لندن ۱۸۵۲ء (۱۳۰۴) اسی کا ترجمہ از جارج اسمال لندن ۱۸۷۵ء (۱۳۰۵) تاریخ آسام (ہندوستانی) کا ترجمہ از ہفیوڈور بادی ۱۸۴۵ء (۱۳۰۶) اے ٹرانسلیشن اوف دی پوپلر ریختہ سونگس مع اصل از ڈبلیو۔ سی۔ ہوگس کلکتہ ۱۸۵۲ء (۱۳۰۸) دیوان ولی مرتبہ ذناسی ۱۸۳۴ء۔

ہندوستانی کتابیں مطبوعہ ہند

(۱۳۰۹) خلاصۂ تاریخ قدیم کلکتہ ۱۸۳۱ء (۱۳۱۱) قوانین حکومت ہند الہ آباد ۱۸۶۱ء (۱۳۱۲) ایڈرس ٹو مسلمانز بمبئی (۱۳۱۳) آئینۂ اہل ہند از کرشنا راؤ رڑکی ۱۸۵۸ء (۱۳۱۴) آئینۂ دل پیرس ۱۸۷۶ء (۱۳۱۵) اخوان الصفا، کان پور ۱۸۶۱ء (۱۳۱۶) انگریزی لشکری قواعد کا ترجمہ کلکتہ ۱۸۳۷ء (۱۳۱۷) آرائش محفل از افسوس کلکتہ ۱۸۰۸ء (۱۳۱۸) ایضاً لندن ۱۸۰۳ء (۱۳۱۹) ارمغان دہلی لغت از سید احمد، دہلی ۱۸۷۸ء (۱۳۲۰) باغ ارم ترجمہ مثنوی رومی، بمبئی ۱۸۶۱ء (۱۳۲۱) باغ اردو از افسوس ہندی مینول (کلکتہ) میں شامل

(۱۳۲۲) باغ وبہار شائع کردہ ڈنکن فوربس لندن ۱۸۵۹ء (۱۳۲۳) ایضاً مدراس ۱۸۲۳ء (۱۳۲۴) ایضاً کان پور ۱۸۳۲ء (۱۳۲۵) ایضاً اشاعت فوربس، لندن ایضاً نظم اردو مترجمہ دتاسی کان پور ۱۸۵۷ء (۱۳۲۶) بہار دانش، کلکتہ ۱۸۵۶ء (۱۳۲۷) بہارستان ناز، میرٹھ ۱۸۶۹ء (۱۳۲۸) بہار برندابن، آگرہ کے ایک چھتری کی تصنیف، لکھنؤ ۱۸۶۶ء (۱۳۳۱) بنجارا نامہ، ہندی میں میرٹھ ۱۸۵۴ء (۱۳۳۹) برت مہاتم، اردو، آگرہ ۱۸۴۷ء (۱۳۴۰) بارہ ماسا از جوان کلکتہ ۱۸۱۲ء (۱۳۴۱) بھاگوت، اردو لکھنؤ ۱۸۶۳ء (۱۳۴۷) بوستان سعدی، ہندوستانی کلکتہ ۱۸۶۵ء (۱۳۴۹) ہندوستانی اور ہندی رسالے تقریباً ۴۰ سات جلدوں میں (۱۳۵۰) ۲ اردو رسالے (۱۳۵۱) ۸ ہندوستانی رسالے آگرہ و الٰہ آباد ۱۸۵۶ء (۱۳۵۲) گلدستۂ نثر، مفید عام، نقشہ سی ہو دوم، معجزہ نبوی، دستور العمل مدرس، آگرہ ۱۸۴۲ء (۱۳۵۳) بیتال پچیسی، ہندوستانی ترجمہ کلکتہ ۱۸۰۵ء (۱۳۵۴) قصیدہ فتح دہلی، قصیدہ شاہی، دھرم سنگھ، پندنامۂ کشت کاراں، آگرہ ۱۸۵۷ء (۱۳۵۶) کیتھولک ہندوستانی (۱۳۵۷) شاہنامہ، اردو کلکتہ ۱۸۴۶ء (۱۳۵۸) ایضاً لکھنؤ (۱۳۵۹) نغمۂ کامرانی درستائش مہاراجہ نرندر سنگھ مہندر بہادر، نظم اردو از سید عبداللہ، لندن ۱۸۶۰ء (۱۳۶۰) شرع محمدی، نظم اردو آگرہ ۱۸۶۳ء (۱۳۶۱) منتخب اخلاقی اصول انگریزی سے ہندوستانی میں کلکتہ ۱۸۳۷ء (۱۳۶۳) شعلۂ جاں سوز، اردو کان پور ۱۸۵۴ء (۱۳۶۴) منتخبات، ہندوستانی، از منشی سید حسین، مدراس ۱۸۴۹ء دو جلدیں۔ (۱۳۶۵) منتخبات ہندی از دتاسی (۱۳۶۷) سرکلر حکومت پنجاب از ۱۸۵۳ء تا ۱۸۵۶ء (۱۳۶۸) انڈین پینل کوڈ اردو الٰہ آباد ۱۸۶۰ء (۱۳۶۹) اے یوزفل کلکشن اوف ٹرانسلیشنز رنڈرڈ ان ٹو دی ہندوستانی اور اردو از منشی نظام الدین بمبئی ۱۸۴۷ء (۱۳۷۰) دبستان المذاہب، اردو کلکتہ ۱۸۰۹ء (۱۳۷۱) دفتر بے مثال از لساخ کلکتہ ۱۸۶۴ء (۱۳۷۲) دستور العمل و مراۃ گیتی نما، آگرہ ۱۸۵۵ء (۱۳۷۳ و ۱۳۷۴) دستور العمل، لاہور ۱۸۵۹ء (۱۳۷۵) دستور العمل پٹواریان، ہندی الٰہ آباد ۱۸۶۰ء (۱۳۷۶) داستان امیر حمزہ از اشک بمبئی ۱۸۶۱ء (۱۳۷۹) اے ڈیالوگ بٹوین رام ہری اینڈ سادھو کلکتہ ۱۸۲۲ء

انجیل متی، ہندوستانی کلکتہ ۱۸۱۹ء (۱۳۸۰) دل بہلاؤ، ہندوستانی بنارس ۱۸۶۰ء (۱۳۸۱) دیوان غالب، آگرہ ۱۸۶۳ء (۱۳۸۲) دیوان درد مرتبہ صہبائی دہلی ۱۸۴۷ء (۱۳۸۳) دیوان میر جعفر علی لکھنؤ ۱۸۴۵ء (۱۳۸۴) دیوان نظیر، ترجمہ ہندی (۱۳۸۵) اشعار سودا، آگرہ ۱۸۶۰ء (۱۳۸۶) دیوان ولی، بمبئی ۱۸۴۳ء (۱۳۸۷) دیوان ضامن علی ۱۸۴۷ء دہلی (۱۳۸۸) دیوان زیب طغرا ۱۸۴۲ء (۱۳۸۹) جام جہاں نما، لکھنؤ ۱۸۶۰ء (۱۳۹۰) جام جہاں نما جغرافیہ ہند لاہور ۱۸۶۱ء (۱۳۹۱) جنگ مقدس، الہ آباد ۱۸۶۶ء (۱۳۹۲) جذب القلوب لکھنؤ ۱۸۶۵ء (۱۳۹۳) جوہر اخلاق، کلکتہ ۱۸۴۸ء (۱۳۹۴) مقالہ بر عربی شاعری در ہندوستانی از رضا حسن العلوی الہاشمی۔ کلکتہ ۱۸۴۹ء (۱۳۹۵) اقتباسات ابو الفضل، اردو آگرہ ۱۸۵۶ء (۱۳۹۶) اقتباسات انوار سہیلی۔ تجربہ ملخ۔ رسالہ اصول محصول، خلاصہ نظام شمس، ۱۸۵۳ء (۱۳۹۷) اقتباسات تاریخ جواہر لال، آگرہ ۱۸۵۵ء (۱۳۹۸) اقتباسات الف لیلہ و لیلہ اردو دہلی ۱۸۵۰ء (۱۳۹۹) دستور الصبیان، و انشائے خلیفہ، و انشائے خرد افروز، اردو کلکتہ ۱۸۵۵ء (۱۴۰۰) اقتباسات گلستان، اردو آگرہ ۱۸۵۴ء (۱۴۰۱) اقتباسات رقعات عالمگیری، اردو و خلاصہ تواریخ ہند آگرہ ۱۸۵۵ء (۱۴۰۳) حکایات اردو برائے مدرسہ جلدا کلکتہ ۱۸۱۹ء (۱۴۰۴ و ۱۴۰۵) فسانۂ عجائب، لکھنؤ ۱۸۶۲ء و ۱۸۶۵ء (۱۴۰۶) فسانۂ عشاق، دہلی ۱۸۳۰ء (۱۴۰۷) تاریخ قدیم مصر مصنفہ رولن کے ترجمے کے اوراق، الہ آباد ۱۸۶۴ء (۱۴۰۸) تاریخ قدیم یونان مصنفہ رولن کے ترجمۂ اردو کے اوراق علی گڑھ ۱۸۶۵ء (۱۴۰۹) تاریخ شاہان انگلستان کے اوراق، دہلی ۱۸۶۰ء (۱۴۱۰) گنج خوبی، کلکتہ ۱۸۴۶ء (۱۴۱۳) جغرافیہ ہند لاہور ۱۸۶۰ء (۱۴۱۴) ایضاً لاہور ۱۸۶۱ء (۱۴۱۷) غذائے روح، الہ آباد ۱۸۶۵ء (۱۴۱۸) گل بکاولی ہندی آگرہ ۱۸۶۳ء (۱۴۱۹) ایضاً اردو لکھنؤ ۱۸۱۴ء (۱۴۲۰) گلدستۂ ہند، مدراس ۱۸۴۸ء (۱۴۲۱) گل مغفرت، کلکتہ ۱۸۱۲ء (۱۴۲۲) گلدستۂ اخلاق، آگرہ ۱۸۶۰ء (۱۴۲۳) گلدستۂ نازنیناں، لاہور ۱۸۴۵ء (۱۴۲۴) گلزار ابراہیم، نظم اردو میرٹھ ۱۸۶۵ء (۱۴۲۵) گلزار نسیم و دریا ے راگ، لاہور ۱۸۶۴ء (۱۴۲۶) قواعد ہندوستانی ابتدائی

کلکتہ (۱۴۲۷) ہندوستانی زبان کے صرف ونحو اور گرامر اردو مدراس سنہ ۱۸۷۶ء (۱۴۲۹) اے گائڈ
ٹو دی ہیپ آف دی ورلڈ فور دی یوز اوف دی نیٹوز، آگرہ سنہ ۱۸۴۲ء (۱۴۳۰) حل الاشکال از پلانڈر
آگرہ سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۳۲) حاتم طائی، بنارس سنہ ۱۸۵۰ء (۱۴۳۳) حقیقت الموجودات و تمیز اللغات
لاہور سنہ ۱۸۶۵ء (۱۴۳۴) ہدایت الاسلام عربی و ہندوستانی، گل کرائسٹ کی ہدایت سے
انگریزی میں ترجمہ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۴ء (۱۴۳۵) ہدایت نامہ، لاہور سنہ ۱۸۵۷ء (۱۴۳۶) ایضاً
.... (۱۴۳۷) ہدایت نامہ مال گذاری، لاہور سنہ ۱۸۷۰ء (۱۴۳۸) ہدایت
المسلمین لاہور سنہ ۱۸۶۸ء (۱۴۳۹) ہندی اینڈ ہندوستانی سلکشنز سنہ ۱۸۳۰ء، کلکتہ دو جلدیں
(۱۴۴۳) ہندوستانی ریڈر دو جلدیں کلکتہ سنہ ۱۸۳۲ء (۱۴۴۴) ہندوستانی اسپلنگ بک
کلکتہ سنہ ۱۸۲۹ء (۱۴۴۶) ہندوستانی تعلیم نامہ از محمد ابراہیم مقیم بمبئی سنہ ۱۸۴۵ء (۱۴۴۸)
ہنٹس اون سلف امپرومنٹ، خلاصہ مقالات جون ٹوڈ از کارٹکر ترجمہ اردو از سی. بی.
ٹنک آگرہ کالج سنہ ۱۸۴۷ء (۱۴۴۹) تاریخ قدیم اردو کلکتہ سنہ ۱۸۳۱ء (۱۴۵۰) تاریخ قدیم وجدید
اردو کلکتہ سنہ ۱۸۵۲ء (۱۴۵۱) تاریخ ابو الفدا ترجمہ از عربی دہلی سنہ ۱۸۴۶ء (۱۴۵۲) تاریخ
انگلستان (۱۴۵۳) تاریخ ہند دہلی سنہ ۱۸۵۸ء (۱۴۵۴) تاریخ ہند، لاہور سنہ ۱۸۶۶ء (۱۴۵۵
و ۱۴۵۶) قصہ سینڈ فورڈ و مرٹن کا ترجمہ از بابو شیو پرشاد، آگرہ سنہ ۱۸۵۵ء، و لکھنؤ سنہ ۱۸۶۰ء
(۱۴۵۷) طبقات شعرائے ہند، (۱۴۵۸) حکایت الجلیلہ ترجمہ الف لیلہ و لیلہ برائے طلبہ
کالج فورٹ سینٹ جورج از منشی شمس الدین احمد (۱۴۵۹) تاریخ کشمیر مصنفہ محمد اعظم کا
ترجمہ اردو، دہلی سنہ ۱۸۵۶ء (۱۴۶۰) تاریخ پنجاب، لاہور سنہ ۱۸۶۱ء (۱۴۶۱) تاریخ مملکت انگلستان
لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۴۶۳) خلاصۂ کتب مقدسہ از ریورنڈ سیلاں ہندوستانی کلکتہ سنہ ۱۸۲۲ء (۱۴۶۵)
"حیات افغانی" از محمد حیات خاں لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۴۶۶) گیت ہندوستانی برائے عیسائیان
ہند کلکتہ سنہ ۱۸۲۶ء (۱۴۶۷) اشارات التعلیم، لاہور سنہ ۱۸۶۲ء (۱۴۶۸) اعجاز قرآن، دہلی سنہ ۱۸۷۰ء
(۱۴۶۹) اخوان الصفا، ہگلی سنہ ۱۸۴۶ء (۱۴۷۰) ایضاً بہ نظر ثانی و تصحیح ڈنکن فوربس و ریو
لندن سنہ ۱۸۶۱ء (۱۴۷۱) انشائے ہندی مع مکمل ترجمہ انشائے برکرن، از نظام الدین بمبئی سنہ ۱۸۵۰ء
(۱۴۷۲) انشائے خلیفہ، اردو آگرہ سنہ ۱۸۵۵ء (۱۴۷۳) انشائے خرد افروز۔ انتباہ المدرسین آگرہ سنہ ۱۸۵۸ء

(۱۴۷۴) "انتخاب کلیات سودا" از غلام حیدر، کلکتہ، مرآۃ الاخبار نے چھاپا ۱۸۴۷ء (۱۴۷۵) انتخاب اخوان الصفا، لندن ۱۸۲۹ء (۱۴۷۶) جامع الاخلاق، ترجمہ اخلاق جلالی از امانت اللہ کلکتہ ۱۸۴۸ء (۱۴۷۸) کریم اللغات عربی اردو از کریم الدین بمبئی ۱۸۴۳ء (۱۴۷۹) کلا کلام نظم اردو کلکتہ ۱۸۴۷ء (۱۴۸۰) کنز الفوائد و النتائے ہادی النسا، ہر دو از سید احمد دہلی ۱۸۷۵ء (۱۴۸۱) خط تقدیر، لاہور ۱۸۶۴ء (۱۴۸۳) خزانۃ الامتحان مال، آگرہ ۱۸۵۸ء۔

(۱۴۸۴) خلاصۂ تواریخ روم، مدراس ۱۸۷۷ء (۱۴۸۵) خرد افروز از حفیظ الدین روبک نے نظر ثانی کی کلکتہ ۱۸۱۵ء (۱۴۸۶) ایضاً مع حواشی ایسٹوک، ہرٹفرڈ ۱۸۵۷ء (۱۴۸۷) ایضاً کلکتہ ۱۸۴۷ء (۱۴۸۸) خیالات الصنائع، فارسی و اردو آگرہ ۱۸۵۴ء (۱۴۸۹) کلیات میر تقی، طبع کلکتہ ۱۸۱۱ء (۱۴۹۰) کلیات اختر۔ شاہ اودھ (۱۴۹۱) لامیات الہند و متارک الازکیا از رضا حسن کلکتہ ۱۸۴۷ء (۱۴۹۳) لیلیٰ و مجنوں از محمد ہوین، دہلی ۱۸۴۴ء (۱۴۹۴) لطائف ہندی، از شری للو لال کب، کلکتہ ۱۸۱۰ء (۱۴۹۶) لحن کی کتاب، دہلی ۱۸۶۵ء (۱۴۹۷) ایضاً مدراس ۱۸۷۰ء (۱۴۹۸) کتب تورات و امثال دیوشع، ہندوستانی، لندن (۱۴۹۹) لولی زامہ، مجموعہ ہندوستانی از بل فور مدراس ۱۸۰۴ء (۱۵۰۰) مبادی الحساب، رڑکی ۱۸۶۸ء۔

(۱۵۰۱) مجموعۂ سخن، لکھنؤ ۱۸۶۵ء (۱۵۰۲) مجموعۃ الفوائد ۱۸۶۴ء (۱۵۰۳) مہا بھارت نظم اردو (۱۵۰۷) منطق الطیر، اردو لاہور ۱۸۶۳ء (۱۵۰۸) امتحان کی مشقی کتاب، لکھنؤ ۱۸۵۹ء (۱۵۰۹) مولود شریف، لکھنؤ ۱۸۶۴ء (۱۵۱۰) مسیحی تعلیم، ہندی پٹنہ ۱۸۶۵ء (۱۵۱۱) مفتاح اللغات مطابقت الفاظ اردو و ہندی، دہلی ۱۸۵۱ء (۱۵۱۲) مفتاح العلوم آگرہ ۱۸۵۳ء (۱۵۱۳) الف لیلہ و لیلہ، لکھنؤ ۱۸۴۴ء (۱۵۱۴) مراۃ الاخبار، مدراس کے اخبار کا اقتباس (۱۵۱۵) مرآۃ الحرکات مرزاپور ۱۸۶۴ء (۱۵۱۶) مرآۃ العروس، الہ آباد ۱۸۴۷ء (۱۵۱۷) مرآۃ الصدق، حقیقت الموجودات، گلدستۂ اخلاق۔ جغرافیہ پنجاب، دہلی ۱۸۵۹ء۔

(۱۵۱۸) ملخص التواریخ (خلاصہ سیر المتاخرین) از عبد الکریم، کلکتہ ۱۸۲۷ء (۱۵۱۹) منتخبات ابو الفضل فارسی مع ترجمہ اردو، لاہور ۱۸۶۱ء (۱۵۲۰) منتخبات شعرائے اردو، از منشی امانا بخش، دہلی ۱۸۴۴ء (۱۵۲۱) منتخبات ہندوستانی کلکتہ ۱۸۶۱ء (۱۵۲۲) منتخبات ہندی بخط فارسی مع ترجمہ اردو

لکھنؤ (۱۵۲۳) ہندی کی پہلی کتاب ، الہ آباد سنہ ۱۸۶۱ء ۔ جغرافیہ عالم ، بنارس سنہ ۱۸۶۰ء (۱۵۲۴) موید الاسلام ۔ دہلی سنہ ۱۸۷۰ء (۱۵۲۵) مفید عام یا انگلش گائڈ از مرات علی ۔ آگرہ سنہ ۱۸۷۳ء (۱۵۲۶) مختصر المعانی ۔ احمد آباد سنہ ۱۸۶۵ء (۱۵۲۷) مسلمانی دین کا رویہ ۔ جواب حاجی محمد ہاشم از آر ۔ ایچ ۔ ولسن ، بمبئی سنہ ۱۸۳۴ء (۱۵۲۸) مفید الصّبیان ، لاہور سنہ ۱۸۶۲ء (۱۵۲۹) مذہب عشق مصنفہ نہال چند از گل کرائسٹ نظر ثانی و تصحیح روبک کلکتہ سنہ ۱۸۱۵ء (۱۵۳۱) نتیجۂ تحریر اقلیدس ، آگرہ سنہ ۱۸۵۶ء (۱۵۳۲) نقلیات ہندی ، لندن سنہ ۱۸۲۹ء (۱۵۳۴) نیاز نامہ الہ آباد سنہ ۱۸۶۷ء (۱۵۳۵) نسخہ دلکشا ، کلکتہ سنہ ۱۸۶۰ء (۱۵۳۶) مونیا بند کا عمل جراحی ہندی و اردو ، کلکتہ (۱۵۳۸) دی اورینٹل فیبلسٹ ، حکایات الیسپ وغیرہ کا انگریزی سے ہندوستانی ، فارسی عربی اور سنسکرت میں ترجمہ بخط رومی از گل کرائسٹ ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۳ء (۱۵۳۹) واقعات ہند ، لاہور سنہ ۱۸۶۶ء (۱۵۴۰) ایضاً لاہور سنہ ۱۸۷۴ء (۱۵۴۱) اردو کی پہلی کتاب لاہور سنہ ۱۸۶۸ء (۱۵۴۲) اردو کی تیسری کتاب ، لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۵۴۳) اصول علم طبعی کا ، لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۵۴۴) اصول علم جغرافیہ ، مرزاپور سنہ ۱۸۵۴ء ۔ رسالہ جغرافیہ ضلع بریلی ، اکبر آباد سنہ ۱۸۶۰ء ترجمہ تقریر الہ آباد ، سنہ ۱۸۶۰ء ، پہلاوت کلکتہ سنہ ۱۸۵۰ء ۔ ۴ اردو کے رسالے (۱۵۴۶) پندنامہ سعدی متن فارسی مع ترجمہ ، کلکتہ سنہ ۱۸۲۵ء (۱۵٫۴۸) مجموعہ نصائح ترجمہ از فارسی سنہ ۱۸۳۵ء (۱۵۵۰) اشعار میر سوز ، کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۵۵۱) اشعار سودا ، آگرہ سنہ ۱۸۶۰ء (۱۵۵۲) نصائح ترجمہ از انگریزی ، نظم ہندوستانی ، کان پور سنہ ۱۸۳۴ء (۱۵۵۶) پریم ساگر ، نظم اردو لکھنؤ سنہ ۱۸۶۲ء (۱۵۵۷) اصول قانون از لوتزو کا ترجمہ ، دہلی سنہ ۱۸۴۴ء (۱۵۵۸) امثال ہندوستانی سلیمان ابن داؤد مدراس سنہ ۱۸۷۵ء (۱۵۵۹) ۴ عشقیہ اور متصوفانہ نظمیں ، لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء (۱۵۶۰) قصہ لبدھی اور کیدھی ، رسالہ صفات الاجسام ، شارع التعلیم ، وقائع بابا نانک ، خالق باری آگرہ سنہ ۱۸۵۴ء (۱۵۶۱) قصہ گل باصنوبر ، نظم اردو از نیم چند ۔ طبع کلکتہ سنہ ۱۸۴۷ء ، باہتمام برہمن ۔ داتا رام ۔ (۱۵۷۰) رامائن از شنکر دیال فرحت ، کان پور سنہ ۱۸۶۶ء (۱۵۷۱) نقلوں اور حکایتوں کا مجموعہ ، لاہور سنہ ۱۸۶۸ء (۱۵۷۲) قواعد اردو لاہور سنہ ۱۸۷۱ء (۱۵۷۵) رسالۂ صولت لاہور سنہ ۱۸۵۸ء (۱۵۷۷) رسوم ہند ، کلکتہ سنہ ۱۸۶۵ء (۱۵۷۹) سفر نامہ ، از منشی امین چند جلد ۱

بمبئی سنہ ۱۸۵۴ء (۱۵۸۰) سیر عشرت جامع الحکایات از شیخ شاہ محمد **عثمان** بمبئی سنہ ۱۸۲۵ء
(۱۵۸۱) سکنتلا ناٹک، ترجمہ اردو از سنسکرت، مترجم رومن۔ جی دوسا بھائی منشی، بمبئی سنہ ۱۸۴۸ء
(۱۵۸۲) سکنتلا، ہندی متن، کنزا لچھمن سنگھ، بہ تحشیہ فرڈرک پنکٹ لندن سنہ ۱۸۷۶ء
(۱۵۸۴) سنتوں کی تواریخ، ہندوستانی، بمبئی سنہ ۱۸۴۷ء (۱۵۸۵) سراب عالم اسباب
دہلی (۱۵۸۷) سراپا سخن، لکھنؤ سنہ ۱۸۶۱ء (۱۵۸۸) صرف اردو، کلکتہ سنہ ۱۸۱۰ء (۱۵۸۹)
سروش سخن، لاہور سنہ ۱۸۶۴ء (۱۵۹۱) ساسی اور پن ہو سندھی نظم مع ترجمہ انگریزی، لندن سنہ ۱۸۶۳ء
(۱۵۹۲) سنکھنی شعرار، نظم اردو، لکھنؤ سنہ ۱۸۷۴ء (۱۵۹۳) سیف المسلمین، کلکتہ سنہ ۱۸۲۳ء
(۱۵۹۴) منتخبات تاریخی ادبی وعلمی، ہندوستانی، کلکتہ سنہ ۱۸۴۰ء (۱۵۹۵) منتخب خیال یا
مارواری پلیز، مع مقدمہ ولفظ نامہ، بیورمشن پریس سنہ ۱۸۶۶ء (۱۵۹۶) سنگھاسن بتیسی،
ترجمہ ہندوستانی، کلکتہ سنہ ۱۸۰۵ء (۱۵۹۸) ایضاً اردو آگرہ سنہ ۱۸۶۲ء (۱۵۹۹) سنگھاسن
بتیسی ترجمہ ہندی از للو لال جی کبی، مرتبہ سید عبداللہ، لندن سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۰۰) سحر البیان
کلکتہ سنہ ۱۸۰۵ء (۱۶۰۴) سلیم الادب، مع ترجمہ اردو، لاہور سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۰۷) صبح کا ستارہ
لکھنؤ سنہ ۱۸۶۰ء۔ خلاصۃ النفائس، کانپور سنہ ۱۸۴۶ء وغیرہ ہندوستانی رسالے (۱۶۰۸)
دس ہندوستانی اخباروں کے نمونے (۱۶۰۹) "سلسلۃ الکتب" جس میں عیسائیوں اور مسلمانوں
کے مابین نجات کے موضوع پر مناظرے ملتے ہیں۔ مصنف رابرٹ سن علی خاں۔ مدراس سنہ ۱۸۶۶ء یہی
کتاب مدراس سنہ ۱۸۶۸ء متن انگریزی (۱۶۱۰) تشہیر ظہوری۔ لاہور سنہ ۱۸۰۱ء (۱۶۱۱) تحفۃ
الاحیا" از غلام قطب الدین دہلوی، لکھنؤ سنہ ۱۸۶۹ء (۱۶۱۲) تہذیب الاخلاق، اقتباس جریدہ
مدراس سنہ ۱۸۷۲ء۔ سنہ ۱۸۷۳ء (۱۶۱۳) قصۂ ابلاف از مولوی ح ن، کلکتہ سنہ ۱۸۲۰ء (۱۶۱۴)
تعلیم الاخبار، جنوری، جون سنہ ۱۸۵۲ء (۱۶۱۵) تنزیہ الفرقان، علی گڑھ سنہ ۱۸۷۷ء (۱۶۱۶) تاریخ گجرات
لاہور سنہ ۱۸۶۷ء (۱۶۱۷) تاریخ عالم، آگرہ سنہ ۱۸۵۹ء (۱۶۱۸) تاریخ رشید دیانی اردو کلکتہ
سنہ ۱۸۶۶ء (۱۶۱۹) تاریخ روہیل کھنڈ، لاہور سنہ ۱۸۶۶ء (۱۶۲۰) تذکرۃ العاقلین، مرزا پور
سنہ ۱۸۶۰ء (۱۶۲۱) تذکرۃ المشاہیر، آگرہ سنہ ۱۸۶۰ء (۱۶۲۳) چشمۂ فیض، ترجمہ پند نامہ
عطار۔ مفتاح الاسرار۔ رسالہ متعلق الوہیت مسیح کلکتہ سنہ ۱۸۷۲ء (۱۶۲۴) چشمۂ شیریں،

قصۂ فرہاد وشیریں نظم ہندوستانی، لکھنؤ ۱۸۴۷ء (۱۶۲۵) چشمہ فیض، کلکتہ ۱۸۰۳ء (۱۶۲۸) توتا کہانی، ترجمہ ہندوستانی از حیدری، از گل کرائسٹ کلکتہ ۱۸۱۰ء (۱۶۳۰) تحفات اخوان الصفا، کلکتہ ۱۸۴۶ء (۱۶۳۱) طلوع آفتاب صداقت، تاریخ شاہان عالم، مرزاپور ۱۸۶۰ء (۱۶۳۲) تزک تیمور، دہلی ۱۸۴۵ء (۱۶۳۳) ترجمہ منظوم مہا بھارت، لکھنؤ ۱۸۶۳ء (۱۶۳۴) رسالہ جبر و مقابلہ آگرہ ۱۸۵۶ء (۱۶۳۷) رسالۂ اقلیدس، الہ آباد ۱۸۴۰ء (۱۶۳۹) رسالہ علم المثلث، اردو رڑکی ۱۸۵۸ء (۱۶۴۰) موتیوں کا جانچنا، کلکتہ ۱۸۵۱ء (۱۶۴۱) ہڈی از جانے پر رسالہ از بریٹن، کلکتہ ۱۸۳۴ء (۱۶۴۲) ہائیڈروبیل" پر رسالہ از ایضاً ۱۸۲۶ء (۱۶۴۳) معدنی زہروں پر رسالہ از ایضاً کلکتہ ۱۸۲۶ء (۱۶۴۴) ٹرائفلنگ ایکیجر فروم دی لاوز اوف انگلش کنگز، ترجمہ ہندوستانی کلکتہ ۱۸۳۸ء (۱۶۴۶) سفرنامہ ابن چند طبع دوم لاہور ۱۸۵۹ء (۱۶۴۹) زبدۃ الحسا، (رسالۂ حساب) لاہور ۱۸۶۸ء (۱۶۵۰) زبدۃ الخیال، کلکتہ ۱۸۳۴ء (۱۶۵۱) زبدۃ التواریخ، تاریخ سلاطین دہلی، کلکتہ ۱۸۵۴ء (۱۶۵۲) زلیخا، نظم اردو، کان پور ۱۸۷۳ء۔

ایرانی زبانیں قدیم وجدید

(۱۶۶۶) قواعد سریانی از جوشیم مبناق، پیرس ۱۸۷۸ء (۱۶۷۶) قواعد فارسی از ولیم جونس لندن ۱۷۷۵ء (۱۶۷۹) فارسی مخطوطات کس طرح آسانی سے پڑھے جائیں از ولیم اوسلے، لندن ۱۷۹۵ء (۱۶۸۰) اے نیو تھیوری اینڈ پراسپکٹ اوف دی پرشین وربس وتھ دیر ہندوستانی سینونمس ان پرشین اینڈ انگلش، از گل کرائسٹ، کلکتہ ۱۸۰۱ء (۱۶۹۲) مسلمان اقوام کی خطابت و بلاغت حدائق البلاغت کے مطابق از دناسی ۱۸۴۴ء (۱۶۹۳) قواعد فارسی از سر ولیم جولس طبع ثانی، دناسی کی نظرثانی و تصحیح اور اس کی طرف سے اضافہ ۱۸۴۵ء (۱۶۹۵) کرستومانی پرزیکا، از اشپیگل لائیزک ۱۸۴۶ء (۱۷۰۰) رسالہ متعلق فارسی، ہندوستانی میں، لاہور ۱۸۷۰ء، (۱۷۱۳) احوال شعرائے فارسی (مع حالات مصنف) از سر گور اوسلے لندن ۱۸۴۶ء (۱۷۱۵) دی فلوورس اوف پرشین لٹریچر، از روسو ۱۸۰۱ء (۱۷۱۶) ۱۷۹۲ء

سنہ ۱۸۴۴ ۱۸۴۶ء۔ سعدی ہندوستانی کا پہلا شاعر از دتاسی سنہ ۱۸۴۳ء۔ اقتباس وخلاصۂ بوستان از دتاسی سنہ ۱۸۵۹ء۔ خط نستعلیق منطق الطیر سنہ ۱۸۵۶ء (۱۷۱۷) ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری از دتاسی سنہ ۱۸۵۷ء۔ سیاحت نامہ، کریم الدین جھجری (از دہلی تا لندن ہندوستانی) کا ترجمہ از دتاسی سنہ ۱۸۶۶ء (۱۷۱۸) ایرانیوں کی فلسفیانہ اور مذہبی شاعری، یہ منطق الطیر شائع کردہ دتاسی کا مقدمہ ہے سنہ ۱۸۶۴ء۔ ترجمہ منطق الطیر از دتاسی سنہ ۱۸۶۳ء۔ اس کے ساتھ مرزا فرید الدین عطار کا نقشہ، اور ترجمہ دتاسی کا غلط نامہ اور تکملۂ غلط نامۂ متن (دتاسی کے ہاتھ کے لکھے ہوئے) سنہ ۱۷۳۳ء، عطیہ اکبری کلکتہ سنہ ۱۸۳۲ء (۱۷۳۷) امثال فارسی و ہندوستانی از روبک کلکتہ سنہ ۱۸۲۴ء (۱۷۴۲) جنگ شہادت، مراثی، مرتبہ شودکو، پیرس سنہ ۱۸۵۲ء (۱۷۴۳) دکھنی انوار سہیلی، از محمد ابراہیم مدراس سنہ ۱۸۲۴ء (۱۷۴۴) دستور عشق سسی پنوں از جوت پرکاش، کلکتہ سنہ ۱۸۱۲ء (۱۷۴۷) سہراب از جیمس اٹیکنسن، کلکتہ سنہ ۱۸۱۴ء اس پر دتاسی کے لکھے ہوئے قلمی حواشی (۱۷۴۹) اے سپجری اوف پرشین غزلس فروم ان پبلشڈ دیوانس، لندن سنہ ۱۸۵۱ء (۱۷۵۰) گلدستۂ نشاط، کلکتہ سنہ ۱۸۳۶ء (۱۷۵۱) گل بکاولی، از نہال چند کلکتہ سنہ ۱۸۰۴ء فارسی سے ترجمہ زیر نگرانی گل کرائسٹ کلکتہ سنہ ۱۸۰۴ء (۱۷۵۲) گلزار اعظم، بمبئی سنہ ۱۸۵۶ء (۱۷۵۳ و ۱۷۵۴) گلزار ہندی، از کنہیا لال لاہور سنہ ۱۸۶۹ء و سنہ ۱۸۶۷ء (۱۷۵۵) گلدستۂ سخن مدراس سنہ ۱۸۵۱ء (۱۷۶۰) دیوان حافظ، کلکتہ سنہ ۱۷۹۱ء (۱۷۶۲) حاتم طائی باہتمام جیمس ایٹکنسن کلکتہ سنہ ۱۸۱۸ء (۱۷۶۳) فارسی 'حاتم طائی' کا ترجمہ از ڈنکن فوربس لندن سنہ ۱۸۳۰ء (۱۷۶۵) حسن و دل از الفتاح۔ نیشاپوری متن مع ترجمہ انگریزی از ڈبلیو پرائس لندن سنہ ۱۸۲۸ء (۱۷۷۳) دی لوز اوف کامروپ اینڈ کام لتا، ترجمہ از فارسی مترجم ڈبلیو فرینکلن لندن سنہ ۱۷۹۳ء (۱۷۷۹) منطق الطیر، متن فارسی شائع کردہ دتاسی سنہ ۱۸۵۷ء اس کا مقدمہ سنہ ۱۷۵۶ء (۱۷۸۸) رامائن فارسی اکبرآباد سنہ ۱۸۶۳ء (۱۸۰۴) ترجمہ گلستاں از افسوس بہ ہدایت گل کرائسٹ، کلکتہ سنہ ۱۸۰۲ء (۱۸۰۵) ڈنکن فوربس کے ابتدائی حالات، دو خط بنام الیٹوک متعلق باغ و بہار از فوربس۔ فہرست کتب مشرقی مملوکہ فوربس، لندن سنہ ۱۸۶۶ء (۱۸۱۱) تیاتر پرساں، ترجمہ از فارسی، مترجم شودکو پیرس سنہ ۱۸۷۸ء۔

عربی :

(۱۸۵۰) قواعد عربی ۱۶۱۳ء (۱۸۹۴) عربوں کے نام از ڈاکٹر فرائی برن ہامر پرگسٹال، ویانا ۱۸۵۲ء (۱۸۹۵) مسلمانوں کے نام اور کنیتوں پر یادداشت، اس کے بعد ملبوسات جن پر عربی اور ہندوستانی تحریر ملتی ہیں از دتاسی ۱۸۴۸ء (۱۸۹۸) مسلمانوں کی مشرقی زبانوں کی صرف و نحو از دتاسی ۱۸۴۸ء (۱۹۱۶) پرند اور پھول تمثیلی کہانیاں از عزالدین مقدسی مع ترجمہ و حواشی از دتاسی ۱۸۲۱ء (۱۹۳۲ وغیرہ) مقامات حریری۔

جغرافیہ، سفرنامہ :

(۲۰۵۷) شگرف نامہ ولایت از اعتصام الدین کا ترجمہ ہندوستانی و انگریزی از جیمس اڈورڈ الیکزنڈر مع تصویر مصنف، لندن ۱۸۲۷ء (۲۰۷۲) سفرنامہ قسطنطنیہ ترکی سے دتاسی نے ترجمہ کیا ۱۸۱۹ء (۲۰۷۹) سفرنامہ شہزادہ ایران، مرزا ابوطالب خاں، شائع کردہ ہالو ۱۸۱۹ء۔

تاریخ ایشیا

(۲۳۲۴) ببلیوتک اوریانتال از ایم۔ ڈی۔ ہر بلوٹ اور اس کا ضمیمہ (یہ دوسروں کا لکھا ہوا ہے) (۲۳۲۶) دی اورینٹل کلکشن۔ اس میں ترجمے بھی شامل ۲ جلدیں، لندن (۲۳۴۴) دی انڈین اینٹی کویری، ۶ جلد بمبئی (۱۸۷۲ تا ۱۸۷۸) بعض شمارے ندارد (۲۳۸۵) ہندوستان کا یورپ سے ذہنی رابطہ، ۶ جلدیں بمبئی (۲۳۲۷) دی اورینٹل کلکشن، اس میں ترجمے شامل، لندن (۲۳۷۳) تاریخ ہند از الفنسٹن، علی گڑھ ۱۸۶۶ء ۱۸۶۷ء (۲۳۸۵) ہندوستان کا یورپ سے ذہنی رابطہ، از انکیتل دیوپروں ۱۷۹۸ء (۲۴۱۴) اہل ہند کی اخلاقیات، از لابے دیوبوا (۲ جلدیں) ۱۸۲۵ء (۲۴۱۵) اقبال نامۂ فرنگ، از نواب جید الدولہ بہادر، کلکتہ ۱۸۳۴ء (۲۴۱۷) قانون اسلام، از ڈاکٹر جے۔ اے ہرکلوٹس، لندن ۱۸۳۲ء (۲۴۲۰) ہندوؤں کی ذاتوں اور پیشوں سے متعلق، حصہ ۱، اس کے ساتھ دتاسی کے ہاتھ کی تحریر،

(۲۴۲۵) کپڑوں کی صنعت اور ہندوستانیوں کا لباس از جے۔ فوربس واٹسن لندن ۱۸۶۷ء
(۲۴۳۱) جرنل اوف دی انڈین الیسوسی ایشن، برسٹل ۱۸۷۱ء تا ۱۸۷۶ء (۲۴۳۲)
دی کالج اوف فورٹ ولیم ان بنگال، لندن ۱۸۰۵ء (۲۴۳۴) دی اینلز اوف دی کالج
اوف فورٹ ولیم، کلکتہ ۱۸۱۹ء (۲۴۴۴) ہسٹری اوف آگرہ، مبنی بر ماخذ عربی و
فارسی وغیرہ از محمد سعید الدین خاں، عربی، آگرہ ۱۸۴۸ء (۲۴۵۸) آثار الصنادید
۱۸۵۴ء (۲۴۵۹) دی ہینڈ بک اوف ... ڈیلہی، از جی. برسفونڈ کلکتہ ۱۸۵۶ء۔

تاریخِ ادب :

(۲۶۹۱) ہندوستانی مصنف ان کی تصانیف، اصل تذکروں کے مطابق از
دتاسی ۱۸۶۸ء۔

حالاتِ زندگی :

بایوگرافی کل اسکچز اوف دکن پوئٹس، از ونکٹا راماسوالی۔ کلکتہ ۱۸۲۹ء (۲۷۳۰) لطف اللہ
کے حالات خود اس کے لکھے ہوئے، مرتبہ الیسٹوک، لندن ۱۸۵۷ء۔

کتابیات :

(۲۷۳۹) ببلیوگرافی دلاپرس، از شواب، پیرس ۱۸۶۷ء (۲۷۴۳) فہرست کتب
متعلق ایشیا و افریقہ جو قیام مطابع کے بعد سے ۱۷۰۸ء تک شائع ہوئی ہیں از ترنوں کونیاں
پیرس ۱۸۴۱ء (۲۷۴۴) فہرست کتب خانۂ ولیم مارسڈن، لندن ۱۸۲۷ء (۲۷۴۵) مشرقی
مطبوعات ومخطوطات برائے فروخت بدکان ہولینڈ اسٹی وارٹ لندن (۲۷۴۶) فہرست
کتب خانہ لانگے، پیرس ۱۸۲۵ء (۲۷۴۷) فہرست کتب خانہ سلوستر دساسی ۳ جلدیں پیرس،
(۲۷۴۸) فہرست کتب خانہ اشپرنگر ۱۸۵۷ء (۲۷۴۹) فہرست کتب خانہ آگرہ کالج ۱۸۵۵ء
(۲۷۵۰) فہرست کتب خانہ ایسٹ انڈیا کمپنی، لندن ۱۸۴۵ء ضمیمہ ایضاً لندن ۱۸۵۱ء

(۲۷۵۱) فہرست کتب خانہ فورٹ ولیم کالج (۲۷۵۲) ڈلہی پرائز، ان کتابوں کی فہرست جو بتاریخ ۱۵ نومبر ۱۸۵۵ء و مابعد دہلی میں نیلام ہونے والی تھیں (۲۷۵۳) کٹیلوگ اوف دی ہیٹو پبلی کیشنز ان دی بومبے پریزیڈنسی اپ ٹو ۳۱ ڈسمبر ۱۸۶۴ء، تیار کردہ سرائے۔ گرانٹ بمبئی ۱۸۶۷ء (۲۷۵۴) کٹیلوگ اوف دی ہیٹو پبلی کیشنز ان دی بومبے پریزیڈنسی ۱۸۶۶ء فہرست مخطوطات مشرقی جمع کردہ سیمول گوئز از ۱۷۷۷ء تا ۱۷۹۲ء۔ رپورٹ پروسیکٹس اینڈ پبلی کیشنز اوف دی اورینٹل کمیٹی ۱۸۶۱ء، لندن۔ فہرست کتب خانہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ ۱۸۳۵ء (۲۷۵۵) کیٹلوگ اوف دی کرسچین ورنیکولر لٹریچر اوف انڈیا از جون مردوک، مدراس ۱۸۷۰ء (۲۷۵۶) ٹریو برس امریکن اینڈ اورینٹل لٹریری ریکورڈ ۱۸۶۵ء تا ۱۸۷۰ء ۴ جلدیں (۲۷۵۹) فہرست کتب خانہ ٹیپو سلطان از چارلس اسٹورٹ ۱۸۰۹ء (۲۷۶۰) لفٹنٹ کرنل کولن میکنزی کے مشرقی مخطوطات کی فہرست از ایچ۔ ولسن کلکتہ ۱۸۲۸ء (۲۷۶۱) اگزیمنیشن اینڈ اینلی سز اوف میکنزی مینو اسکرپٹس ڈپوزٹڈ ان دی میڈراس کولج لائبریری بائی دی ریو ولیم ٹیلز، کلکتہ ۱۸۳۸ء (۲۷۶۳) فہرست مخطوطات مشرقی برٹش میوزیم ۱۸۴۶ء (۲۷۶۴) اورینٹل کتب فہرست ۱۸۵۷ء ۳ جلدیں (۲۷۶۵) کتب خانہ گوتھا کے مشرقی مخطوطات کی فہرست ۱۸۵۹ء (۲۷۶۶) عربی و فارسی کے تاریخی مخطوطات کی فہرست از ڈبلیو۔ ایچ مورلے، لندن ۱۸۶۴ء (۲۷۶۸) ٹرینٹی کولج کیمبرج کے مخطوطات فارسی و عربی وغیرہ کی فہرست از پامر ۱۸۷۰ء (۲۷۶۹) فہرست مخطوطات فارسی و ہندوستانی وغیرہ کتب خانہ ملا فیروز لائبریری ۱۸۷۳ء (۲۷۷۲) اے کیٹلوگ اوف دی پرشین اینڈ ہندوستانی مینو اسکرپٹس اوف دی گورنمنٹ اوف انڈیا بائی اے اسپرینجر، کلکتہ ۱۸۵۴ء فارسی اور ہندوستانی شاعری (۲۷۸۲) ہندوستانی کی کتب کی فہرست، ایس بارتھل میو روم ۱۷۹۳ء۔

مخطوطات ہندوستانی و سنسکرت

(۲۷۸۴) قصۂ پیر میراں۔ ترجمہ حیات القلوب، مصنفہ شیخ ولی محمد بن حافظ میراں

(۲۷۸۵) قصة الانبیاء، عبدالصمد عبدالوہاب خاں پسر نصرت جان کا دکنی ترجمہ ۱۲۴۳ھ (۲۷۸۶)
خزائنِ عبادت، مثنوی از شیخ محمد قادری ۱۸۴۸ء عطیہ ای سک (۲۷۸۷) پنج رتن، از تلسی
داس ہندی (۲۷۸۸) آدی گرنتھ (۲۷۸۹) گرنتھ یا آدی گرنتھ (۲۷۹۰) سکھنی بابا نانک،
(۲۷۹۱) بیجک، کبیر عطیہ جنرل ہیریٹ (۲۷۹۲) ایضاً معلوم ہوتا ہے کہ یہ ولسن کی ملک رہ
چکا ہے (۲۷۳۲) لالچ یا بھاگوت دسم اسکند، سکھ ساگر، کا ترجمہ پاوی نے کیا ہے۔
(ہیریٹ) (۲۷۹۴) بل رام کتھم رت نظم ہندی از گردھر داس (۲۷۹۵) پرتھوی راج
چرتر (۲۷۹۶) تاریخ مختصر نادر شاہ کو مسلمانان پونڈیچری میں بڑی شہرت حاصل ہے۔ یہ
اس موضوع پر حیدری کی کتاب سے بالکل مختلف (سیپے کا عطیہ) (۲۷۹۷) ملفوظات جہانگیری
ظاہرا اصلاً ہندوستانی میں لکھی گئی۔ ڈیوڈ پرائس نے اس کا ترجمہ کیا ہے اور اینڈرسن وگلیڈون
نے اس کے اقتباسات پیش کئے ہیں۔ (۲۷۹۸) یہی کتاب مگر ۲۷۹۷ سے مختلف (۲۷۹۹)
حیدر نامہ، تاریخ حیدر علی و ٹیپو، ترجمہ از فارسی بحکم کپتان تومس ٹل یکے از سرداران فوج
انگریزی مقابل ٹیپو (ڈنکن فوربس) تاریخ حیدر علی دکنی میں بھی ہے اور حیدر علی کی جنگ
مرہٹہ سے متعلق ایک ہندوستانی نظم جو ٹیپو کے حکم سے لکھی گئی تھی۔ رویل ایشیاٹک سوسائٹی
لندن میں ہے۔ حیدر نامہ کے ساتھ سحر البیان مثنوی میر حسن کا ایک نسخہ (ڈنکن فوربس) (۲۸۰۰)
واقعات اکبری، ترجمہ اکبر نامہ ابو الفضل از اشک (۲۸۰۱) تاریخ نادری، محمد مہدی کی تاریخ کا
ترجمہ از حیدری سر ولیم جونس نے اصل کتاب انگریزی میں شائع کی ہے (۲۸۰۲) تاریخ شیر شاہ
ترجمہ از ولا۔ اس کا ترجمہ دناسی نے کیا ہے (۲۸۰۳) خلاصۃ التواریخ ۱۷۹۴ء میں آصف الدولہ
پسر شجاع الدولہ، نے لکھی تاریخ ہند تا عہد اورنگ زیب، نوشتہ ۱۸۴۷ء (۲۸۰۴) قصۂ
فیروز شاہ، از محمد عاجز مصنف لعل و گوہر (فورٹ ولیم کالج) (۲۸۰۵) ترجمہ تاریخ آسام،
اصلی کتاب طالش کی، مترجم بہادر علی حسینی، دناسی کا نسخہ، پرنسپ کا دیا ہوا ہے اور اس
نسخہ کی نقل ہے جو ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ میں فورٹ ولیم کالج سے آیا تھا (۲۸۰۶) بھگتی
رس بودھنی، ناگری عطیہ بونرو (۲۸۰۷) گلشن ہند، از لطف، کاتب سید ذوالفقار علی تجلی
۱۲۲۳ھ بمبئی پرنسخہ وزیر اول نظام، عطیہ کرنل اسٹورٹ (۲۸۰۸) دیوان جہاں، از بمبئی

نرائن لاہوری، نسخہ دلکشا، از راجندر لال متر معروف بہ جنم جے متراسماں۔ پہلی جلد طبع ہوچکی ہے یہ دوسری کا مخطوطہ ہے (۲۸۰۹) گلزار ابراہیم، ٹرویر نے دتاسی کے لئے باحتیاط نقل کیا۔ (۲۸۱۰) ایضاً (ٹرنز میکن) (۲۸۱۲) گلدستۂ حیدری، از حیدری مشتمل بر مجموعہ حکایات، دیوان، تذکرہ شعرائے اردو جو نامکمل رہ گیا (۲۸۱۳) دیوان عیش (مرزا محمد عسکری) اسے ہندوستان میں شہرت ہے، دیوان کے بعد کچھ مخمس اور دوہے اور مختلف شعراء کے متفرق اشعار۔ ناقص الاول (۲۸۱۴) کلیات جرأت، نوشتہ ۱۸۰۸ء ۸۳۵ صفحات (روبک دمیکن) (۲۸۱۵) دیوان عشق (رکن الدین) صفحات ۱۶۸ (فوکنز) دیوان افسوس، مع دیباچہ فارسی وزیر نظام (۲۸۱۷) کلیات سودا، میں سلام و مراثی کی کمی۔ بہت خوبصورت مخطوطہ عطیہ این بلاں نوشتہ ۱۷۹۰ء (۲۸۱۸) دیوان سودا، یقین و درد، صفحات ۴۹۰ (۲۸۱۹) دیوان سودا مکمل (۲۸۲۰) دیوان ولا (سرگریوز چیمبرز ہوٹن) (۲۸۲۱) دیوان ولی، و دیوان سودا، موخرالذکر میں مثنوی ''شاہ و گدا'' شامل (۲۸۲۲) دیوان ولی، قدیم ترین نسخہ جس سے ترتیب دیوان ولی میں دتاسی نے کام لیا، دوسرے نسخوں سے زیادہ مکمل و صحیح (۲۸۲۳) ایضاً (و۔ پرائس) پرائس نے اپنی قواعد ہندوستانی میں ولی کی تین غزلیں اسی سے لے کر درج کی ہیں (۲۸۲۴) ایضاً ۲۶ صفر سنہ ۲۲ محمد شاہی (۲۸۲۵) ناقص (جے۔ ڈبلیو رسل) عطیہ شیکسپیر (۲۸۲۶) ایضاً (کتب خانہ محمد شاہ) (۲۸۲۷) ایضاً (۲۸۲۸) ایضاً (۲۸۲۹) ایضاً سنہ ۱۷۸۰ء میں کپتان فوبس کے حکم سے نقل ہوا (۲۸۳۰) ایضاً نوشتۂ دتاسی مطبوعہ نسخہ اسی پر مبنی۔

(۲۸۳۱) مرثیہ اول رزمیہ، از آغا حسین، امانت دہلوی۔ بلا شبہ یہی مرثیہ بنام 'مرثیہ امانت' لکھنؤ میں چھپا ہے مخطوطہ نوشتہ ۱۸۵۵ء (ناسن لی) (۲۸۳۲) چہار مراثی دبیر ۱۲ صفحات (عطیہ ایضاً) (۲۸۳۳) تولدنامہ، از شیخ غلام محی الدین، زشت ساکن منگل پور ضلع کٹک نظم مکتوبہ سنہ ۱۸۰۱ء (ڈی فوربس) (۲۸۳۴) گنج خوبی، ترجمہ اخلاق محسنی (سینڈفرڈ آرنٹ) (۲۸۳۵) ''سکنتلا ناٹک'' از جوان (۲۸۳۶) ایضاً مکتوبۂ دتاسی (۲۸۳۷) ایضاً دتاسی کا کلکتہ مورخہ سنہ ۱۸۲۹ء (۲۸۳۸) ''سکنتلا ناٹک'' از نواز ناگری (جون رومر) (۲۸۳۹) ''قصۂ امیر حمزہ'' از اشک جلد ۱ (۲۸۴۰) ''قصۂ خاور شاہ'' مثنوی اردو از مہدی علی خاں عاشق دہلوی تقریباً ۴۷۵۰ اشعار اس کا نام قصۂ قمر طلعت بھی ہے۔

دیباچہ میں نواب نصیر جان وزیر شاہ عالم کا ذکر، تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۲۱۳ھ میں لکھا گیا۔ مصور، صفحات ۲۴۰ (۲۸۴۱) بربت پال، یا، رکمنی منگال چر، از نند داس ژیون بخط فارسی (۲۸۴۲) پدمنی از بھگت مل مورچند نقل مبنی بر نسخۂ ایشیاٹک سوسائٹی بنگال، آغاز میں جی ولزلی سابق ریذیڈنٹ اندور کا ایک خط بنام اٹکنسن، متعلق کتاب (۲۸۴۳) پدماوتی از جائسی (ڈی فوربس) (۲۸۴۴) مجمع داستان مشتمل بر دل فروز یا عدو قصہ در یاد منصفی، نظم اردو و عدو قصہ بہ مضمون لعشق و شجاعت (نثر فارسی) قصہ بہرام گور (نظم فارسی) ہرسہ از حکومت رائے نوشتہ مصنف۔ یہ احمد آباد، صوبہ دہلی کا باشندہ تھا، نوشتہ ۱۲۴۳ء (فریزر دہلی، برادر فریزر سیاح ایران) (۲۸۴۵) رسالہ توحید، مسمیٰ بہ کتاب تصوف نظم دکنی ۲۰۹ اوراق (۲۸۴۶) راگ پوتھی، بھجنوں اور مقبول گانوں کا مجموعہ از کبیر و نانک وغیرہ دیوناگری و فارسی رسم خط (ڈنکن فوربس) (۲۸۴۷) توتا کہانی از حیدری (۲۸۴۸) ایضاً صرف چھٹا قصہ اس کا متن مطبوعہ نسخہ کے متن سے مختلف (۲۸۴۹) توتی نامہ، از غواصی، مبنی بر کتاب نخشبی ۶۰۰ صفحات (۲۸۵۰) توتا کہانی، ہندوی ناگری ترجمہ کتاب نخشبی (۲۸۵۱) قصہ کامروپ، نثر اردو از کندن لال لاہوری، گل کرائسٹ کے حکم سے لکھی گئی۔ مبنی بر دستور ہمت (فارسی منظوم) مصنفہ ہمت خاں (۲۸۵۲) قصۂ کامروپ و کام کلا، از تحسین الدین اسے ڈناسی نے بنام کامروپ کی مہم جوئی شائع کیا ہے۔ یہ نسخہ لندن کے کتب فروش ہوول و اسٹورٹ سے ۱۸۲۹ء میں خریدا گیا تھا (۲۸۵۳) ایضاً (۲۸۵۴) ایضاً فارسی، نقل ٹرویر معتمد ہندو کالج کلکتہ کے زیر نگرانی فورٹ ولیم کالج کے نسخہ سے ہوئی (۲۸۵۵) ایضاً عطیہ مہاراجہ کالی کرشن بہادر (۲۸۵۶) ایضاً مع حواشی انگریزی (۲۸۵۷) ایضاً مکتوبۂ ہمت خاں بن اسلام خاں عالمگیری ۱۷۸۹ء مرشد آباد (۲۸۵۸) باغ و بہار، میرامن (۲۸۵۹) نوطرز مرصع، از تحسین، اس کا نام گلدستۂ داستان بھی ہے (۲۸۶۰) ایضاً شیکپیر (۲۸۶۱) قواعد فارسی بزبان اردو کا ایک ٹکڑا، پھول چرتر، (ہندوستانی نظم، ہند کے پھولوں کا بیان) "گلزار ارم" از میر حسن، سیف الملوک و بدیع الجمال، فارسی از محمد اکرم (۲۸۶۲) لعل و گوہر، از محمد عاجز دکنی۔ مقفیٰ دکنی حکایت کا ایک ٹکڑا۔ سحر البیان از میر حسن (۲۸۶۳) قصہ لعل و گوہر از محمد عاجز۔ مفرح القلوب فارسی (ترجمہ ہیتوپدیش) مبنی بر ترجمۂ ہندوستانی از تاج الملکی

بایمائے لپشور الدین ۔ نواب بہا ر (۲۸۶۴) قصۂ بے نظیر، نثر سحر البیان ، یہ حسینی کی کتاب سے مختلف ہے
سنہ ۱۸۰۱ء (۲۸۶۵) نثر بے نظیر از حسینی (۲۸۶۶) سحر البیان ، نوشتہ سنہ ۱۷۹۵ء (۲۸۶۷) پنچھی باچا ،
از وجہ الدین ،خط نسخ مبنی بر مخطوطۂ نظام حیدرآباد (۲۸۶۸) بے تال پچیسی از للوجی لال (۲۸۶۹)
نیز ہ مثنویوں اور کچھ غزلوں کا مجموعہ مکتوبہ شیخ احمد بن محمد ابراہیم گیتی ، معراج نامہ ، از بلاقی
دکنی ۔ تزویج بیبی فاطمہ از بلاقی یا نظام الدین ۔ کھو پڑی نامہ ، از نظام الدین دکنی ، دحیہ کلبی از
عابد ، مردہ احوال یا مردے کے احوال از واحدی دکنی ۔حضرت علی ، یا قصۂ حضرت علی سیل از ایضاً
مجلس طفل (یہ نظم بلکہ مرثیہ از نجم) حیدر یا قصۂ حیدر بدن و مہیار ، از میر حیدر شاہ دکنی ، تولد نامہ
خاتون جنت ، وفات نامہ خاتون جنت ، قصۂ ملکہ بادشاہ از محمود پیر دکنی (ملکہ سے متعلق ایک
فارسی قصہ کتب خانہ ملی پیرس میں ہے) قصۂ ڈولی نامہ ، از شاہ محمد زماں یار دکنی ، قصہ ابو الفیض نوری
از خاکی دکنی ۔ (۲۸۷۰) حکایات بہرام گور و دلارام ، فارسی ، قصہ ماہ منور سوداگر بچہ و شمشاد بانو دختر
زنگی از دیدار دکنی ، ہندوستانی ، قصہ منصور و گنج یافتن آں ، نامکمل فارسی ، قصہ رضوان شاہ از
فائز دکنی (۲۸۷۱) قصہ مدھونل ، نثر اردو از ولا (۲۸۷۲) ایضاً (۲۸۷۳) پوتھی سنگھاسن
بتیسی اردو (۲۸۷۴) قصہ شیخ زا ، دکنی نظم صوفیانہ ، اس کے بعد اسی بحر میں ایک قصہ ۔ اصلی نسخہ
مارسل کے کتب خانہ میں ہے ، یہ اس کی نقل ہے (۲۸۷۵) قصہ مہر و ماہ ، مثنوی از منشی غلام احمد ، یہ دتاسی
کی منتخبات ہندی سنہ ۱۸۴۷ء میں شامل ہے ۔ (نوکنز) (۲۸۷۵) گلشن عشق ، از نصرتی (۲۸۷۶)
نل ودمن یا بھاکھا نل ودمن یا قصہ نل ودمن ، ہندوستانی نظم از سورداس بخط فارسی ، قلمی
نسخے بہت کم یاب ہیں ، کبھی بچن سودھا ۔میں اعلان ہوا تھا کہ اس کے پانے والے کو سو روپے انعام
ملیں گے ۔ فیضی کی نل دمن اسی پر مبنی ہے (۲۸۷۷) مجموعۂ اشعار فارسی و ہندوستانی از صدر
الدین خاں فائز ابتدا ۱۷۶ صفحات میں فارسی اور آخر میں ہندوستانی کلام مشتمل بر غزلیات و
قصاید و مثنویات (کرنل وائٹ) (۲۸۷۹) خیابان ریحان ، از ریحان الدین بنگالی ، منظوم قصہ گل بکاولی
(ڈی فوربس) صفحات ۳۵۲ (۲۸۸۰) اخلاق ہندی از حسینی (۲۸۸۱) قصہ یوسف زلیخا از امین دکنی
کپتان ٹرواپر نے نسخہ فورٹ ولیم کالج سے نقل کرا کے دتاسی کو دیا ۔ (۲۸۸۲) قایم و نیر کے تذکروں
کا خلاصہ نظم اردو میں (۲۸۸۳) جذب عشق ، از حقیقت (۲۸۸۴) ست سئی ، از بہاری لال بخط فارسی ،

(۲۸۸۵) سیمتیکا پروا" ترجمہ ہندی بخط ناگری، (ڈنکن فوربس) (۲۸۸۶) اندرجال پراکرتم، ہندی
از لال داس یالال کوی (۲۸۸۷) رس راج بہ تقلید کوک شاستر بخط دیوناگری (پرنسپ)
کریما مع ترجمہ دکنی (۲۸۸۹) مجموعہ فیض العلوم، مثنوی رومی دفتر اکا ترجمہ از الہٰی بخش، لنشاط
و ابوالحسن ساکن کاندھلہ، عطیہ کریم الدین (۲۸۹۰) شاہنامہ از منشی مول چند (۲۸۹۱) جنگ نامہ
سہراب ورستم، از کاظم الدین دکنی سرگر یو چامنے ہوٹن (۲۸۹۲) ترجمہ انوار سہیلی، دکنی (آدم
کلارک) (۲۸۹۳) ایضاً ہنری شندر حواشی انگریزی (۲۸۹۴) سیاحت نامہ، از کریم الدین ساکن
جھجھر۔ یہ دہلی سے لندن ۱۸۳۹ء میں گیا تھا اور وہاں ۸ نومبر ۱۸۴۱ء تک رہا۔ دتاسی نے ریویو دلوریاں
۱۸۶۵ء میں اس کے بعض حصوں کا ترجمہ (بعد حذف عبارات) شائع کیا تھا۔ صفحات ۴۲۶۔
(۲۸۹۵) ضرب الامثال، امثال کے علاوہ اور امور سے بھی بحث۔ اس میں مسلمانوں کے نام اور لقب
کے متعلق جو کچھ مرقوم ہے، دتاسی نے اس موضوع پر جو رسالہ لکھا ہے اس میں اس سے کام لیا ہے۔
(۲۸۹۶) مخزن الامثال، از محمد علی شہنائی (فوربس) (۲۸۹۷) لغت ہندوستانی معانی فارسی میں
حواشی انگریزی نوشتہ ۱۲۱۱ھ (۲۸۹۸) آمدنامہ، (۲۸۹۹) قواعد عربی، بزبان ہندوستانی اور
تحفۃ الصبیان، منظوم (۲۹۰۰) منتخبات اردو از امیر افضل علی ۱۸۴۰ء (ڈی فوربس) (۲۹۰۱)
حدائق البلاغت از صہبائی دتاسی کے لیے بوترو نے ۱۸۴۲ء میں نقل کرائی (۲۹۰۲) فارسی اور
ہندوستانی زبان کی گرامر از ژول کلپروت بخط مصنف، ۱۱ ورق، برلن، ۲۱ مارچ ۱۸۰۱ء (۲۹۰۳)
مصدر فیض از شائق۔ (۲۹۰۴) ڈکشنری اوف ہندوستانی لینگویج ان ٹو پارٹس۔ ۱۔ انگلش
اینڈ ہندوستان ۲۔ ہندوستان اینڈ انگلش، ٹو وچ از پری فکسڈ اے گرامر اوف دی ہندوستانی
لینگویج لندن ۱۷۷۸ء اس کے متعلق فہرست کتب خانہ میں مرقوم ہے کہ یہ کتاب بہت کمیاب ہے
اس لیے کہ اس کے جتنے نسخے ہندوستان بھیجے گئے تھے ان کا بڑا حصہ راہ میں ضائع ہو گیا تھا۔
ایک موقع پر ۱۵۳ فرینکس اور دوسرے موقع پر ۱۲۰ فرینکس میں بکی۔ خطی نسخہ (رومن رسم خط)
دتاسی کو ۱۸۲۸ء میں موسیو گانیتر نے دیا۔ (۲۹۰۵) قواعد ہندوستانی لامیۃ العرب، نظم عربی،
عربی اشعار (۲۹۰۶) قانونچہ ہندی از بلال الدین (قواعد ہندوستانی) (۲۹۰۷) جوراب کی کتاب
"طب کی کتاب" (۲۹۰۸) حکایات فارسی کا ترجمہ قادر حسین نے کیا، لونڈی چری ۱۸۲۶ء (۲۹۰۹)

ہندوستانی اشعار مکتوبہ ۱۲۲۰ء (۲۹۱۰) قصۂ حسن، ہندوستانی ڈرامہ، نظم و نثر میں از فیض الکرم (۲۹۱۱) نظم بہ مدح کرنل ڈبلیو۔ فرائی از حسن غالب علی عسکری (۲۹۱۲) جنتری بخط ناگری (۲۹۱۳) غزلیات دکنی عطیہ سیسے (۲۹۱۴) کتب فورٹ ولیم کالج کی قلمی فہرست (۲۹۱۵) دکنی قصہ، کتب خانہ ملی پیرس کے نسخے سے دتاسی نے نقل کیا اس کا نام غلطی سے استربان لکھا گیا ہے، اس کی جگہ یہ نام ہوسکتا ہے ' زنڈی بندر ہوگئی (۲۹۱۶) دوازدہ ماسہ، اسی کتب خانہ کی ایک کتاب سے جس کی کتابت اوستان کے لیے ہوئی تھی۔ دتاسی نے کی نقل۔ (۲۹۱۷) دو عشقیہ دکنی حکایتیں نام مصنف نامعلوم، دتاسی نے نقل کیں (۲۹۱۸) داتو مالا (۲۹۱۹) ہیتو پدیس، ترجمہ ہندوی (۲۹۲۰) کچھ چیزیں سنسکرت سے متعلق بخط ناگری۔ عطیہ ہیرمٹ۔

مخطوطاتِ فارسی:

(۲۹۲۶) قصائد خاقانی مع شرح محمد نصیر، مرشد آباد (۲۹۲۷) منطق الطیر (دساسی) (۲۹۲۸) منطق الطیر فیرود کاستل برانکو (۲۹۲۹) ایضاً (۲۹۳۰) و (۲۹۳۱) ایضاً (۲۹۳۲) "جنگ" کاذی میرسکی نے ۱۸۴۰ء میں اصفہان سے دتاسی کو بھیجا (۲۹۳۳) رباعیات حکیم عمر خیام، مکتوبہ اے۔ ای۔ کوول، مبنی بر نسخہ اوسلے (آکسفرڈ) فٹز جرلڈ نے دتاسی کو دیا (۲۹۳۴) قصۂ کامروپ، سنسکرت سے فارسی میں احمد بن اسلم عالمگیری نے ترجمہ کیا، مخطوطہ سال ۲ محمد شاہی۔ موسیو ژوماں نے اس کا ایک مصور نسخہ کتب خانہ ملی کو دیا ہے۔ کرنل فرینکلن نے اسی کا انگریزی ترجمہ بنام ' دی لوز اوف کامروپ اینڈ کام لتا' کیا ہے، مگر اس میں ہندوستانی نظم سے مختلف واقعات ہیں اور اشخاص قصہ کے نام بھی باستثنائے کامروپ جداگانہ ہیں (۲۹۳۵) تحفۃ الہند از مرزا خان (فوربس) (۲۹۳۷) مجموعہ نغز (۲۹۳۸) تذکرہ شعرائے ہند از مصحفی منقول از کلیات مصحفی۔ فورٹ ولیم کالج در ۱۸۳۲ء (۲۹۳۹) عمدۂ منتخبہ، نقل کردہ نواب حسین علی خاں بہادر ۱۸۴۹ء (۲۹۴۰) گلشن بے خار، مکتوبہ ۱۸۳۵ء دتاسی کو بوترو نے دیا۔ (۲۹۴۱) تذکرہ گردیزی مصنفہ ۱۱۵۲ء۔ کپتان رڈوایر نے نسخہ فورٹ ولیم کالج سے نقل کیا (۲۹۴۵) احوال ممتاز محل، اردو مخطوطہ (۲۹۵۰) تاریخ بندیل کھنڈ، فارسی۔ اعلان جی صاحب، ہندوستانی۔

کتابیات

عبدالحق ۔ خطبات گارسین دتاسی، حیدرآباد دکن ۱۹۳۵ء

فیلن اور مولوی کریم الدین ۔ طبقات شعرائے ہند ۔ دہلی ۱۸۴۸ء

محمد تقی میر ۔ نکات الشعراء ۔ دہلی

کلیات میر تقی میر ۔ مرتبہ مسیح الزماں

مثنویات میر ۔ مرتبہ مسیح الزماں

میر حسن ۔ تذکرۂ شعراء ہند ۔ دہلی

مصطفیٰ خاں شیفتہ ۔ گلشن بے خار

محمد ذکاء اللہ ۔ تذکرہ مختصر احوال مصنفین ہندی ۔ دہلی ۱۸۵۶ء

تنویر احمد علوی ۔ تذکرات گارسین دتاسی ۔ دہلی ۱۹۶۸ء

قاضی عبدالودود ۔ تاریخ ادبیات ہندوی و ہندوستانی ۔ صحیفہ لاہور ۱۹۵۷ء

قاضی عبدالودود ۔ کتب خانہ گارسین دتاسی ۔ رسالہ نوائے ادب ۔ بمبئی ۱۹۵۸ء

قاضی عبدالودود ۔ خطبات گارسین دتاسی ۔ معاصر ۱۹۳۶ء

سید محی الدین قادری زور ۔ گارساں دتاسی اور اس کے ہمی خواہان اردو، حیدرآباد دکن ۱۹۳۱ء

سرسید ۔ آثار الصنادید ۔ دہلی ۱۸۴۴ء

غلام ہمدانی مصحفی ۔ عقد ثریا ۔ اورنگ آباد (ہند)

فتح علی حسینی گردیزی ۔ تذکرہ ریختہ گویاں ۔ مرتبہ مولوی عبدالحق ۔ انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۔

قایم چاندپوری ۔ تذکرۂ قایم ۔

قدرت اللہ شوق ۔ تذکرۂ شوق ۔

ببلیوگرافی

Bibliographie

Anonyme : La science francaise a l'exposition de San Francisco. librarie Larousse, 2 tomes 1915 (voir t. 2. Indlanisme, par Sylvain Levi, pages 125 a 136).

Idem nouvelle edition, Les Etudes Musulmanes, par Gaudefroy-Demonbynes, pages 125-134.

Anquetil-Duperron : 1. Zend-Avesta (traduction). Paris 1771. (2) L'Inde en rapport avec l'Europe, Lesguilliez freres, Paris, 1798, (3) Oupnekhat (traduction). Argentorati (Strasbourg), 1801.

H. Barre : Encyclopedie departmentale des Bouches du Rhone, tome XI, Biographies, Marseille, 1913.

J. Barthelemy-Saint-Hilaire L'Inde anglaise, Son etat actuel, son avenir. Imprimerie Nationale, Paris 1886.

Le meme: meme ouvrage precede d'une introduction sur l'Angleterre et la Russie, Perrin, Paris, 1887.

V. V. Barthold : La decouverte de l'Asie Payot, Paris 1947. (Traduction de B. Nikitine).

Paulin de Saint-Barthelemy : Voyages aux Indes Orientales, avec observations de MM. A. Duperron, J.R. Foster et Silvestre de Sacy. Tourneisen fils, Paris 1808.

Breloer et p. Boomer : Fontes Historiae Religionum Indicarum Bonn 1939.

Catalogue general des livres imprimes de la Bibliotheque Nationale, par auteurs, Ministere de l'Instruction Publique et des Beaux Arts, Impriemerie Nationale, Paris.

F. Deloncle : Catalogue general des livre orientaux et autres composant la bibliotheque de feu Garcin de Tassy, A. Labitte, Paris 1879.

Hoefer : Nouvelle biographie generale, Firmin Didot freres, Paris.

J. Deguignes ; Historie des Huns, des Turcs, des Mogols et des autres Tartares occidentaux. Desaint et Saillant, Paris, 1756-1758.

Encylopedie de l'Islam, Libraririe et Imp. E. J. Brill, Leyde. Alphonse Picard et fils, Paris.

The Encyclopaedia Britannica. Encylopaedia Britannica. inc 1768.

N. Elisseeff : L'Islamologie en U.R.S.S. (dans Melange Massignon) Damas 1957, tome II, pages 23-76.

Jean Filliozat : (1) Les relations exterieures de l'Inde (I), Pondichery, 1956, (2) Catalogue des manuscrits sanscrits de la Bibliotheque Nationale, Paris.

George Abraham Grierson : Linguistic Survey of India, Vol. IX, IndoArayan Family; Central Group : Part I, Specimens of western Hindi and Penjabi, Calcutta, p. 1216.

M. Hamidullah : Defense de la cultute islamique pendant la domination anglaise de l'Inde (dans : prof. Shafi presentation volume, Lahore 1955, pages 87-107).

Le meme : Cultural and Intellectual History of Indian Islam. (dans welt des Islam, Munster 1954, pages 127-144).

Louis Renou et Jean Filliozat : L'Inde classique, t. 2, Imprimerie Nationale, Paris 1953, Avec le concours de P. Demieville, O. Lacombe et P. Meile.

L. M. Langles : (1) Catalogue de manuscripts sanskrits de la Bibliotheque imperiale, par Alexandre Hamilson et Langles : Imp. imperiale, Paris 1807. (2) Monuments ancients et modernes de l'Hindoustan. A. Bondevilie. 1 vol., Paris, 1817. (3) Monuments anciens et modernes de l'Hindustan, Impl de P. Didot l'ante, 2 vol. Paris 1821.

Laboulaye : Discours de funerailles a laseance des Ins. & B. Lettres du 6 septembre 1878.

Ch. Lounder et Felix Bouraguelet et Alfred Maury: La literature francaise.

contemporaine. 1827-44. Dictionnaire bibliographique. Felix Dequin. Paris.

Memoires de l'Academie des Inscriptions et des Bells-Lettres, 1730-1830.

Pierre Meille : (1) Langues modernes de l'Indie; Cent cinquantenaire de l'Ecole des Langues Orientales Vivantes, Paris, pages 113 et suivantes.

(2) Histoire de l'Inde, Presses Universitaires Paris 1951.

Jules Mohl; Vingt-sept ans d'etudes orientales 2 volumes G. Reinwald Paris 1879-1880.

Felix Neve : Les epoques litteraires de l'Inde : Paris Bruxelles-1883, "'L'Inde moderne et sa litterature".

Panikkar : (K.M.) Asia and Western Dominance : 3eme edition, Londres 1955.

J.M. Querand : La France litteraire ou diotionnaire bibliographique; Firmin Didot freres, Paris.

Robert de Lasteyrie : Bibliographie general des travaux historiques et archeologiques publies par les Societes Savantes de la France : Imprimerie Nationale Paris.

Ad. Regnier : Rapport annuel a la Societe Asiatique 1878, hommage rendu La memoire de Garcin de Tassy.

Ernest Renan : Rapport annuel, Journal Asiatique 1879, a la memoire de Garcin de Tassy.

Hugo P. Thieme : Bibliographie de la litterature francise de 1800 a 1930, librarie E. Droz. Paris 1933.

Vapereau : Dictionnaire universel des contemporains, Librarie Hechette et Cie, Paris.

M. Yusufuddin : Orietal and Islamic studies in world universities : Hyderabad Deccan 1955.

R. Schwab. La Renaissance Orientale, Payot, Paris 1950.

JOURNAUX ET REVVES

1. Journal Asiatique depuis 1822 jusque' en 1879.

2. Le Livre du Centenaire (1822-1922) Societe Asiatique de la Paris.

3. Journal Asiatic society, London..

4. Journal des Debats, 31 mars 1857, page 2; colonnes 2 et 3, Paris.

5. Bulletin universel de science historique, 7eme section du bulletin universel, tome XII, pages 405 et suivantes, Paris.

6. Memoire de l'Academie des Innscriptions et des Belles-Lettres, 1830-1840 Paris.

7. Ibid. Funerailles; 1847, Pages 5 a 6 Paris.

8. Moniteur, 16 juin 1828.

9. Revue de l'Orient, de l' Algerie et des Colonies, Paris. Tome 15, 1154, pages 292-299. ibid., pages 390, ibid, pages 336-845. Nouvelle series, tome I, 1855 pages 58 et 59 avec deux pages de fac-simile hors-texte. ibid., pages 77-80. IV eme seriies tome, I, 1865, pages 105-141, 641-663.

10. Revue orientale et americaine :Tome I, 1858, page 259-278. Tome II, 1859, pages 294-296, Tome III, 1860, pages 428 et 529. Tome VI, 1861, pages 154-157. Tome VII, 1861, pages 69-130. Tome X, 1865, pages 149-157.

11. Journal des Savants: 1831, pages 495 et suivantes Juillet 1832, pages 428-437. Aout 1833, pages 449-558. 1834, pages 535-442. Juillet 1836, pages 411-419. ibid. 1836, pages 420 et 424. Aout 1838, pages 501-514. Juillet 1875, pages 429-431.

12. Annuaire du College de France, Imp. Nationale, Paris, 1959.

13. 1982-83 INALCO, Livset de l'Etudiant 2, sue de Lille, Paris.

Nouvelle serie, tome, 2, 1955, pages 362-367.

" " 3, 1856, pages 83 et 84.

„ „ 3, 1856 pages 426-427.

„ „ 4, 1856 pages 40-51.

„ „ 7, 1856, pages 212-230, 288-304, 395-408.

„ „ 8, 1858, pages 102-115, 274-284, 340-352.

„ „ 9, 1858, pages 111-121, 192-204, 252-266.

„ „ 11, 1860, pages 241-245.

„ „ 14, 1361, et 1862, pages 310-326.

„ „ 15, 1863, pages 95-96, 86-98, 137-146.

„ „ 17, 1864, pages 65-78, 181-203, 349-381.

„ „ 18, 1864, pages 52-68, 129-157, 305-331.

اِشاریہ

اشخاص و کتب

اشخاص

پ

ت

ٹ

ث

ج

چ

ح

ن

کتابیں

...